



جواهر الفقہ

فقہی رسائل و مقالات
کانادہ مجموعہ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

مکتبہ تبیین دار العلوم کراچی

جواہر الفقہ

فقہی رسائل و مقالات
کانادہ مجموعہ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

جلد اول

مکتبہ پندار العیال و مرکز الحی

جملہ حقوق ملکیت بحق مکتبہ دارالعلوم کراچی (وقف) محفوظ ہیں

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ (مطابق نومبر ۲۰۱۰ء)

اجمالی فہرست

جواہر الفقہ جلد اول تا جلد ہفتم

جواہر الفقہ جلد اول

۱	ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں	۳۷
۲	تکفیر کے اصول اور آغا خانی فرقہ کا حکم	۱۲۳
۳	مسح موعود کی پہچان قرآن و حدیث کی روشنی میں	۱۹۳
۴	الافصاح عن تصرفات الجن والارواح	۲۲۹
۵	دعاوی مرزا	۲۳۹
۶	مشرقی اور اسلام	۲۵۹
۷	فتویٰ متعلقہ جماعت اسلامی	۳۸۷
۸	وحدت امت	۳۹۳
۹	اختلافات امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل	۴۲۹
۱۰	سنت و بدعت مع مضمون مزارات اولیاء اللہ کی شرعی حیثیت	۴۵۱
۱۱	بدع الناس عن محدثات الاعراس (یعنی عرس مروج کا شرعی حکم)	۴۹۹
۱۲	مروجہ صلاۃ و سلام کی شرعی حیثیت	۵۰۹
۱۳	مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت	۵۱۹

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم کراچی ○ ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ○ مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- فون نمبر: 021-35042280 ○ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- 021-35049774-6 ○ ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی
- ای میل ○ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- mdukhi@gmail.com ○ بیت الکتب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

۱۴	دست بوسی اور قدم بوسی.....	۵۲۹
۱۵	حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت.....	۵۵۵
۱۶	ترجمة المقالة المرضية في حكم سجدة التحية المسمى باعدل التعظيم في حكم سجدة التعظيم.....	۵۶۵

جواہر الفقہ جلد دوم

۱۷	مسئلہ تقلید شخصی.....	۱۵
۱۸	ملکی سیاست اور علماء.....	۵۹
۱۹	قرآن کریم کا رسم الخط.....	۶۷
۲۰	کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے.....	۱۰۱
۲۱	علم نبوی ﷺ.....	۱۳۳
۲۲	سایہ رسول ﷺ.....	۱۴۵
۲۳	پیراہن یوسف.....	۱۵۳
۲۴	پیر و مرید کا فقہی اختلاف.....	۱۵۹
۲۵	خواب کے ذریعہ بشارت و ہدایت.....	۱۶۹
۲۶	احکام و خواص بسم اللہ.....	۱۷۷
۲۷	احکام دعاء.....	۱۹۱
۲۸	اسلامی قانون میں غیر مسلموں کے حقوق.....	۲۷۳
۲۹	نیل المارب فی المسح علی الجوارب.....	۲۹۵
۳۰	سمت قبلہ.....	۳۲۵
۳۱	اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں.....	۴۲۳
۳۲	قنوت نازلہ.....	۴۴۳
۳۳	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ.....	۴۵۱

۳۴	خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں.....	۴۹۹
۳۵	القول الجریب فی اجابة الاذان بین یدی الخطیب (یعنی اذان خطبہ کا جواب دینے کی شرعی تحقیق).....	۵۲۹

جواہر الفقہ جلد سوم

۳۶	حرف ضاد کا صحیح مخرج اور اس کے احکام.....	۱۹
۳۷	رفیق سفر مع آداب السفر و احکام السفر.....	۴۵
۳۸	آداب المساجد.....	۸۷
۳۹	مساجد کی نئی شکلیں.....	۱۳۵
۴۰	مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم.....	۱۵۵
۴۱	قرآن میں نظام زکوٰۃ مع احکام زکوٰۃ.....	۱۶۳
۴۲	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ.....	۲۵۵
۴۳	اماطۃ التشلیک اناطۃ الزکوٰۃ بالتملیک.....	۲۹۵
۴۴	اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام.....	۳۲۳
۴۵	عشر و خراج کے احکام.....	۳۳۱
۴۶	اوزان شرعیہ.....	۳۸۷
۴۷	رویت ہلال.....	۴۳۹
۴۸	رویت ہلال کے شرعی احکام.....	۴۸۷
۴۹	خط، ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے احکام.....	۴۹۹
۵۰	احکام رمضان المبارک و مسائل زکوٰۃ.....	۵۱۵

جواہر الفقہ جلد چہارم

۵۱	موافقت احرام اور ان کے مسائل	۱۹
۵۲	خطبہ حجۃ الوداع	۶۱
۵۳	احکام حج	۷۹
۵۴	حج بدل اور اس کے حکام	۲۰۱
۵۵	عالمی قوانین پر مختصر تبصرہ	۲۲۹
۵۶	مختلف المذہب زوجین کے احکام	۲۸۵
۵۷	نابالغہ کے نکاح میں سوء اختیار	۳۰۷
۵۸	اسلام اور نسبی امتیازات	۳۱۷
۵۹	سکوت کے صورت میں حق مہر وغیرہ محض عرف کی بنیاد پر ساقط ہونے کی تحقیق	۳۹۳
۶۰	وقف علی الاولاد اور املا میں حکومت کے عمل دخل کا حکم	۴۱۱
۶۱	الاحری بالقبول فی وقف العمارۃ علی ارض النزول	۴۲۳
۶۲	قسطوں پر کسی چیز کے خریدنے کا حکم	۴۳۷
۶۳	حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت	۴۴۵
۶۴	بیمہ اور اس کے احکام	۴۵۳
۶۵	سود، انشورنس اور انعامی بانڈز کی حرمت سے متعلق ایک سوالنامہ کا جواب	۵۳۱
۶۶	احکام القمار، جوئے، سٹے، لائٹری اور معصوم وغیرہ کے احکام	۵۵۳

جواہر الفقہ جلد پنجم

۶۷	قانون اسلامی بابت پٹہ دہائی	۱۵
۶۸	زمیندارہ بل پر شرعی تنقید	۳۱

۶۹	اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہونگی	۵۵
۷۰	اشتراکیت، قومیت اور سرمایہ داری	۸۳
۷۱	اسلام اور سوشلزم مغربی سامراج کے دو مخالف	۱۰۱
۷۲	سوشلزم اور سرمایہ داری دونوں افراط و تفریط کی لغتیں ہیں	۱۱۷
۷۳	اشتراکیت اور سرمایہ داری سے متعلق ایک انٹرویو	۱۳۵
۷۴	اسلام کا نظام تقسیم دولت	۱۵۳
۷۵	کیا ہندوستان دارالحرمت	۲۰۳
۷۶	افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ	۲۲۱
۷۷	شریعت اسلامیہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات	۳۲۵
۷۸	ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی شرعی حدود	۳۶۳
۷۹	ارباب اقتدار کے فرائض	۴۲۹
۸۰	مسلمانوں کے قائدین اور جائز امور میں ان کی اطاعت	۴۳۹
۸۱	دستور قرآنی	۴۶۳
۸۲	انتخابات میں ووٹ، ووٹرز اور امیدوار کی شرعی حیثیت	۵۲۹

جواہر الفقہ جلد ششم

۸۳	جہاد	۱۷
۸۴	حالیہ جنگ نے ہمیں کیا سبق دیئے	۱۱۳
۸۵	مرتد کی سزا اسلام میں	۱۲۹
۸۶	رجم کی سزا قرآن و سنت کی روشنی میں	۱۴۹
۸۷	اسلامی ذبیحہ	۱۶۵
۸۸	توضیح کلام اہل اللہ فیما اہل یہ لغیر اللہ	۲۳۱

تفصیلی فہرست مضامین

جواہر الفقہ جلد اول

پیش لفظ از نگرانِ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۲۷

تعارف از حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم ۲۹

کتاب الایمان والعقائد

① ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں ۳۷

ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے والے اصول ۴۴

ایمان اور کفر کی تعریف ۵۱

فائدہ متعلقہ ختم نبوت ۵۶

مومن و کافر کی تعریف اور کفر کی اقسام ۵۷

تعریفات ۵۷

اسلام و ایمان اور مسلم و مومن میں فرق ۵۸

۸۹	احکام و تاریخ قربانی	۲۲۵
۹۰	احکام عید الاضحیٰ و قربانی	۳۱۹
۹۱	حرم قربانی کے احکام	۳۳۱
۹۲	قرآن کریم میں موجودہ لفظ ضان کی تحقیق	۳۳۱
۹۳	اسلام میں مشورہ کی اہمیت	۳۵۱
۹۴	آداب الاخبار	۵۰۱
۹۵	چرخ کی فضیلت	۵۲۱

جواہر الفقہ جلد ہفتم

۹۶	اعضاء انسانی کی پیوندکاری	۱۷
۹۷	ضبط ولادت	۷۵
۹۸	ڈاڑھی کے خضاب اور کترانے وغیرہ کے احکام	۱۵۷
۹۹	تصویر کے شرعی احکام	۱۷۹
۱۰۰	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	۲۸۷
۱۰۱	اپریل فول	۳۹۹
۱۰۲	ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت	۵۰۵
۱۰۳	ناجائز معاملات پر ایک تصنیف کا خاکہ	۵۱۵
۱۰۴	تیم پوتے کی میراث	۵۲۵
۱۰۵	وصیت نامہ مع مضمون کچھ تلافی مافات	۵۴۵

صفحہ	مضمون
۱۳۹	ایک شبہ کا جواب
۱۴۷	ضابطہ تکفیر
۱۴۷	تنبیہ ضروری
۱۴۹	تمتہ مسئلہ امداد الفتاویٰ جلد سادس
۱۵۱	مشورہ
۱۵۱	سوال دوم
۱۵۱	فرقہ چکڑ الویہ کے عقائد
۱۵۲	منقول از برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن
۱۶۲	فرقہ مرزائیہ کے عقائد
۱۶۳	اروپی مرزائی کے عقائد
۱۶۳	قادیانی پارٹی کے عقائد
۱۶۳	لاہوری پارٹی کے عقائد
۱۶۳	الجواب
۱۷۶	ایک شبہ کا ازالہ
۱۷۷	عقائد روافض و شیعہ
۱۷۸	الجواب
۱۸۲	عبارت امداد الفتاویٰ جلد سادس
۱۸۳	الحکم الحقانی فی الحزب الآغا خانی
۱۸۶	طریقہ نماز یا اصول دعا تعلیم کردہ آغا خان
۱۸۸	الجواب

(۳) مسیح موعود کی پہچان قرآن و حدیث کی روشنی میں ۱۹۳

مسیح موعود کا نام کنیت اور لقب ۲۰۰

صفحہ	مضمون
۶۰	ثبوت قطعی
۶۰	ثبوت بدیہی
۶۱	ضروریات دین
۶۲	کفر اور کافر کے اقسام
۶۳	کفر زندقہ والحاد
۶۵	تاویل اور تحریف میں فرق
۷۵	ائمہ اسلام کے مزید شہادتیں زندقہ کے کفر ہونے پر
۸۷	مسئلہ تکفیر اہل قبلہ
۹۹	کسی مدعی اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط
۱۰۰	تکفیر مسلم خود کفر ہے
۱۰۱	ایک شبہ اور جواب
۱۰۴	احتیاط کا دوسرا پہلو
۱۰۶	فرائد ضروریہ منقول از رسالہ وصول الاذکار
۱۱۵	ضابطہ تکفیر
۱۱۶	تمتہ مسئلہ امداد الفتاویٰ جلد سادس
۱۱۸	خلاصہ رسالہ مع جواب بعض شبہات
۱۲۱	یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے

وصول الأفكار الی اصول الکفار

(۲) تکفیر کے اصول اور آغا خانی فرقہ کا حکم ۱۲۳

حضرت تھانویؒ کی رائے گرامی ۱۲۵

سوال و جواب ۱۳۰

ایمان و ارتداد کی تعریف ۱۳۱

صفحہ	مضمون
۲۱۷	یا جوج ماجوج کا نکلنا اور ان کے بعض حالات
۲۱۷	مسیح موعود کا یا جوج ماجوج کے لئے بدو عافر مانا اور ان کی ہلاکت
۲۱۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جبل طور سے اترنا
۲۱۸	مسیح موعود کی وفات اور اس کے قبل و بعد کے حالات
۲۲۲	مرزائیوں سے چند سوال
۲۲۹	(۴) الافصاح عن تصرفات الجن والارواح
۲۳۱	سوال
۲۳۲	جواب
۲۳۸	خلاصہ
۲۳۸	تنبیہ

فصل فی الفرق الباطلة

۲۳۹	(۵) دعاوی مرزا
۲۴۳	مرزائیوں کے تمام فرقوں کو کھلا چیلنج
۲۴۵	مبلغ اسلام اور مصلح ہونے کا دعویٰ
۲۴۵	مجدد ہونے کا دعویٰ
۲۴۵	محدث ہونے کا دعویٰ
۲۴۶	امام زماں ہونے کا دعویٰ
۲۴۶	خدا کے جانشین ہونے کا دعویٰ
۲۴۶	مہدی ہونے کا دعویٰ
۲۴۶	حارث و مددگار مہدی ہونے کا دعویٰ

صفحہ	مضمون
۲۰۰	مسیح موعود کے خاندان کے پوری تفصیل
۲۰۱	والدہ مسیح علیہ السلام موعود حضرت مریم کے بعض حالات
۲۰۲	حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی حالات استقرار حمل وغیرہ
۲۰۲	آپ کی ولادت کس جگہ اور کس طرح پر ہوئی
۲۰۳	حضرت مسیح علیہ السلام کے خصائص
۲۰۴	حضرت مسیح علیہ السلام کا حیلہ
۲۰۵	آخر زمانہ میں آپ کا دوبارہ نزول
۲۰۵	بوقت نزول آپ کے بعض حالات
۲۰۶	مقام نزول اور وقت نزول کی مکمل تعیین و توضیح
۲۰۶	بوقت نزول حاضرین کا مجمع اور ان کی کیفیت
۲۰۷	بعد نزول آپ کتنے دنوں دنیاں میں رہیں گے
۲۰۷	بعد نزول آپ کا نکاح اور اولاد
۲۰۸	نزول کے بعد مسیح موعود کے کارنامے
۲۰۹	مسیح موعود لوگوں کو کس مذہب پر چلائیں گے
۲۱۰	مسیح موعود کے زمانہ میں ظاہری و باطنی برکات
۲۱۱	ہر برکات کتنی مدت تک رہیں گی
۲۱۱	لوگوں کے حالات متفرقہ جو مسیح موعود کے وقت میں ہوں گے
۲۱۲	پہلے خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہونا
۲۱۲	اس زمانے میں عرب کا حال
۲۱۲	لوگوں کے بقیہ حالات
۲۱۳	غزوہ ہندوستان کا ذکر
۲۱۳	مسیح موعود کے زمانہ میں اہم واقعات
۲۱۳	دجال کی علامات
۲۱۶	دجال کی ہلاکت اور اس کے لشکر کی شکست

۲۴۷	بروزی نبی ہونے کا دعویٰ
۲۴۷	نبوت و رسالت و وحی کا دعویٰ
۲۴۷	اپنی وحی کے قرآن کے برابر قطعی ہونے کا دعویٰ
۲۴۷	سارے عالم کے لئے مدار نجات ہونے کا دعویٰ
۲۴۸	مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ
۲۴۹	اپنے لئے دس لاکھ معجزات کا دعویٰ
۲۵۰	تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا دعویٰ اور سب کی توہین
۲۵۰	آدم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ
۲۵۰	ابراہیم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ
۲۵۱	عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ
۲۵۱	حضرت مسیح علیہ السلام کا اوتار ہونے کا دعویٰ
۲۵۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ
۲۵۲	نوح علیہ السلام ہونے کا دعویٰ اور ان کی توہین
۲۵۳	مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ
۲۵۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا دعویٰ
۲۵۲	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلیت کا دعویٰ
۲۵۳	میکائیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ
۲۵۳	خدا کے مثل ہونے کا دعویٰ
۲۵۳	اپنے بیٹے کے خدا کا مثل ہونے کا دعویٰ
۲۵۳	خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ
۲۵۳	خود خدا ہونا بحالت کشف اور زمین و آسمان پیدا کرنا
۲۵۵	مرزا جی میں حیض کا خون ہونا اور پھر اس کا بچہ ہو جانا
۲۵۵	حاملہ ہونا
۲۵۵	حجر اسود ہونے کا دعویٰ

۲۵۵	بیت اللہ ہونے کا دعویٰ
۲۵۶	مسلمان ہونے کا دعویٰ
۲۵۶	کرشن ہونے کا دعویٰ
۲۵۶	آریوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ
۲۵۶	جہاد کے حرام ہونے کا دعویٰ
۲۵۷	یہ دعویٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا اسلام مردہ اسلام ہے
۲۵۷	یہ دعویٰ کہ مرزا کو نہ ماننے والے تمام عالم کے مسلمان کافر ہیں

فصل فی الفرق الاسلامیہ

الارشاد الی بعض احکام الاحاد

۲۵۹	مشرقی اور اسلام (۶)
۲۶۱	تقریظ و تصدیقات
۲۶۱	حضرت مجدد الملت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ
۲۶۲	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی
۲۶۳	حضرات علماء کرام کی احتیاط
۲۶۳	احتیاط کا دوسرا قدم مشرقی کو مخلصانہ دعوت مفاہمت
۲۶۵	پہلا رجسٹری خط مشرقی کے نام
۲۶۶	جواب از جانب مشرقی
۲۶۷	دوسرا خط مع سوالات
۲۶۸	مشرقی سے چند سوالات
۲۷۲	جواب از جانب مشرقی

۲۷۳	میری طرف سے تیسرا خط
۲۷۴	پرچہ اصلاح وصول ہو گیا
۲۷۴	اس پرچہ اصلاح میں کیا تھا
۲۷۵	قابل توجہ ناظرین
۲۷۷	عقائد کا التزام بد معاشی ہے
۲۷۷	عبارات اول
۲۷۸	قرآن کی تحریف ایمان و اسلام کی ملحدانہ شرح کہ ایمان اسلام صرف عمل کا نام ہے
۲۷۸	نماز کوئی عبادت نہیں نماز پڑھ کر ثواب کی امید حماقت ہے
۲۷۹	روزہ اور حج و زکوٰۃ بھی کوئی عبادت نہیں
۲۸۰	نماز، روزہ وغیرہ سب کی اصلی غرض دنیا کی ترقی ہے
۲۸۱	اسلام صرف نظم و نسق اور قوت و غلبہ کا نام ہے
۲۸۲	اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیسے ہی گستاخانہ کلمات کہے جائیں وہ کفر نہیں
۲۸۴	تمام موجودہ مسلمان مشرک و کافر ہیں اور بت پرست کو مشرک کہنا اندھا پن ہے
۲۸۶	یورپ کے نصاریٰ مومن، متقی، صلحاء ابرار ہیں دنیا و آخرت میں ان کو فلاح ہے
۲۸۷	حقیقی علماء یورپ کے نصاریٰ ہیں علماء اسلام علماء نہیں
۲۸۹	موجودہ نصاریٰ عامل بالقرآن اور رسول کے فرما بردار ہیں
۲۹۰	یورپین نصاریٰ ہی حقیقی عارفین اور اللہ تعالیٰ کی قدر کرنے والے ہیں
۲۹۱	یورپین ہی علم اور نبوت کو سمجھنے والے ہیں
۲۹۲	موجودہ سب موحدین مشرکین اور معذب ہیں صرف مشرکین ہی جنتی ہیں
۲۹۲	جو کچھ یورپ کے نصاریٰ کر رہے ہیں حقیقی اسلام وہی ہے
۲۹۳	نصرانیت اور اسلام کا اختلاف فروعی اختلاف ہے
۲۹۳	کسی قوم نے توحید میں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایسا جہاد نہیں کیا جو نصاریٰ نے کیا
۲۹۴	موجودہ نصاریٰ ہی مومن نیک کام کرنے والے ہیں
۲۹۴	مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ غفور و رحیم نہیں بلکہ نصاریٰ کے لئے ہے

۲۹۵	جس کو دنیا میں دولت قوت حاصل نہیں اس کو آخرت میں بھی نہ ملے گی
۲۹۵	مسلمان جنت کے لائق نہیں کیونکہ دنیا میں ان کو مال و دولت حاصل نہیں ہوا
۲۹۶	آخری نجات اسلام میں منحصر نہیں
۲۹۶	ہندو، نصاریٰ، یہود اور مسلمان اپنے اپنے طریقوں پر عبادت کریں تو سب کو نجات ہوگی
۲۹۷	ہندوستان میں بصورت موجودہ زکوٰۃ ادا کرنا حرام ہے
۲۹۸	پانچ ارکان اسلام کا انکار اور یہ کہ ان سے کسی قوم کو فلاح نہیں ہو سکتی
۳۰۰	مشرقی کے نزدیک، توحید، نماز، روزہ وغیرہ کی حقیقت
۳۰۱	تنبیہ
۳۰۲	تنبیہ
۳۰۲	احکام شرعیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کا انکار و استہزاء
۳۰۲	عبارات سی۔ ۳۰
۳۰۳	عبارات ام سی۔ ۳۱
۳۰۳	عبارات دوم سی۔ ۳۲
۳۰۴	ساری امت محمدیہ مشرک اور جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہے
۳۰۴	عبارات سی و سوم۔ ۳۳
۳۰۵	عبارات سی و چہارم۔ ۳۴
۳۰۵	عبارات سی و پنجم۔ ۳۵
۳۰۵	عبارات سی و ششم۔ ۳۶
۳۰۶	عبارات سی و ششم۔ ۳۶
۳۰۶	افتراء علی اللہ تعالیٰ
۳۰۶	عبارات سی و ہفتہ۔
۳۰۷	تحریف القرآن
۳۰۷	عبارات سی و ہشتم۔ ۳۸
۳۰۷	عبارات سی و نہم۔ ۳۹

عبارات چہلم

اللہ تعالیٰ کفار سے خوش ہے مسلمان سے خوش نہیں

حضرت عیسیٰ کی حیات کا انکار

مسجدوں کو آگ لگا دی جائے

بت پرستی کا اعتقاد بت پرستی نہیں

حدیث و تفسیر کا انکار

عقائد مذکورہ کے متعلق شرعی احکام

چند اصولی مباحث کفر و اسلام کی حقیقت مسلمان کون ہے اور کافر کون؟

اسلام کیا چیز ہے اور مسلمان کون ہے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معنی

کفر کیا چیز ہے اور کافر کون ہے

انکار خدا یا انکار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں

تیسری صورت کفر ضروریات دین میں تاویل باطل کی مزید توضیح

ضروریات دین میں تاویل باطل کیوں کفر ہے

پانچویں صدی ہجری میں فرقہ باطنیہ ایسی ہی تاویلوں کی وجہ سے

باجماع امت کافر مرتد قرار دیا گیا

علماء سلف کی تصریحات ضرورت دین میں تاویل باطل کا کفر ہونا

مشرقی کے عقائد مذکورہ پر نمبر وار تبصرہ

آیات قرآنیہ

روایات حدیث

مشرقی کے دین میں عمل صرف ایک ہے یعنی دنیوی مال جاہ

قابل نظر

دوسری نظر

قرآن کا فیصلہ

۳۳۹

۳۳۹

جود دنیوی غلبہ کے لئے جہاد نہیں کرتا اس کا اسلام اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب بیکار ہے

جس کو دنیا میں نعمت و قوت حاصل نہ ہو وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا

مشرقی کا یہ عقیدہ بعینہ کفار کا عقیدہ ہے جس کو جگہ جگہ قرآن میں رد کیا گیا ہے

اسلام مدار نجات نہیں بلکہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر رہ کر جنت کا مستحق ہو سکتا ہے

موجودہ نصاریٰ اور بت پرست سچے مسلمان دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں

تمام موجودہ مسلمان مشرک جہنمی ہیں

امت اسلامیہ صحیح اسلام پر صرف تیس سال قائم رہی

مشرقی کی دوسری کفریات

افتراء علی اللہ اور تحریف قرآن

مشرقی کی قرآن دانی کا ایک نمونہ

خلاصہ کلام اور بارہ عقائد مشرقی

تنبیہ ضروری

ضمیمہ عقائد مشرقی

جماعت خاکساران اور تحریک خاکساری کا شرعی حکم

مشرقی کی عبارات مرقوم سے امور ذیل استفادہ ہوئے

تنبیہ

خاکساری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ تین سو برس سے بلکہ تیرہ سو برس سے جس چیز کو

امت نے اسلام سمجھا ہے اس کو غلط ثابت کر دیں اور علماء اسلام پر جہاد کریں

خلاصہ

مقاصد

طریق کار

ضمیمہ ثانیہ

جماعت خاکساران کے حکم میں تفصیل

تفسیر ترجمان القرآن مصنفہ ابوالکلام آزاد کے متعلقہ

۳۸۳

صفحہ	مضمون
۳۱۸	پیغمبرانہ دعوت کو نظر انداز کرنا
۳۱۹	پیغمبرانہ دعوت کے عناصر اربعہ
۳۲۱	انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ
۳۲۲	طریقہ نبوت اور ہم
۳۲۳	خلاصہ کلام
۳۲۴	ذمہ دار علماء سے درد مندانہ گزارش
۳۲۶	راہِ عمل

اختلافات امت پر ایک نظر

(۹)

اور مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

۳۳۱	ایک شام ایک عالم دین کے ساتھ
۳۳۶	اختلاف امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لئے راہِ عمل
۳۴۱	اصلاح حال کی ایک غلط کوشش
۳۴۲	اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق
۳۴۳	مذہب کے نام پر اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج
۳۴۵	عوام کا ایک مغالطہ اور اس کا حل
۳۴۶	ایک مثال اور لیجئے
۳۴۸	عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

صفحہ	مضمون
۳۸۳	سوال و جواب
۳۸۶	الجواب
۳۸۷	فتویٰ متعلقہ جماعت اسلامی
۳۸۹	سوال
۳۹۰	جواب
۳۹۳	وحدت امت
۳۹۵	ابتدائیہ
۳۹۸	اسباب مرض اور علاج
۳۹۹	صحابہ و تابعین میں اختلاف رائے اور اس کا درجہ
۴۰۱	ایک شبہ اور جواب
۴۰۲	ایک اہم واقعہ اہم نقطہ
۴۰۵	سلف صالحین میں اختلاف ہو تو لوگوں کو کیا کرنا چاہئے
۴۰۸	ایک اہم ارشاد
۴۰۹	ائمہ مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی
۴۰۹	شرائط اجتہاد
۴۱۰	سنت و بدعت کی کشمکش میں صحیح طرز عمل
۴۱۱	افتراق امت کے اسباب
۴۱۲	لمحہ فکریہ
۴۱۶	جماعتوں کا غلو

کتاب السنۃ والبدعۃ

① سنت و بدعت مع مضمون مزارات اولیاء اللہ کی شرعی حیثیت..... ۴۵۱

مقدمہ	۴۵۳
ایک اتفاقی حادثہ	۴۵۵
ایک دردمندانہ گزارش بدعت و سنت کی جنگ میں ایک لمحہ فکریہ	۴۵۶
بدعت کیا چیز ہے؟ اور اس میں کیا خرابی ہے؟	۴۵۸
بدعت کی تعریف	۴۵۸
بدعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی وجوہ	۴۶۰
دین میں کوئی بدعت نکالنا رسول ﷺ پر خیانت کی تہمت لگانا ہے	۴۶۱
بدعت نکالنا یہ دعویٰ کرنا کہ دین میں عہد رسالت میں مکمل نہیں ہوا تھا	۴۶۱
بدعت تحریف دین کا راستہ ہے	۴۶۲
شریعت اسلام میں نفل کو فرض سے جدا کرنے کا حکم	۴۶۳
بدعت حسنہ اور سیدہ	۴۶۴
بدعت کی مذمت قرآن و حدیث میں	۴۶۶
بدعات و معدنات حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں	۴۷۳
حضرت ابراہیم بن ادھمؒ	۴۷۳
حضرت ذوالنون مصریؒ	۴۷۴
حضرت بشر حافیؒ	۴۷۵
حضرت ابوعلی جوازیؒ	۴۷۶
حضرت ابو بکر ترمذیؒ	۴۷۷
حضرت ابوالحسن وراقؒ	۴۷۷
حضرت ابراہیم بن شیبانؒ	۴۷۷

حضرت ابو عمر زجاجیؒ	۴۷۸
حضرت ابو یزید بسطامیؒ	۴۷۸
حضرت ابو محمد عبد الوہاب ثقفیؒ	۴۷۹
حضرت ہل تستریؒ	۴۷۹
حضرت ابوسلیمان دارانیؒ	۴۸۰
حضرت ابو حفص حدادؒ	۴۸۰
حضرت حمدون قصارؒ	۴۸۱
حضرت احمد بن ابی الحواریؒ	۴۸۱
سید الطائف حضرت جنید بغدادیؒ	۴۸۱
حضرت ابو عثمان جیریؒ	۴۸۲
حضرت ابوالحسن نوویؒ	۴۸۳
حضرت محمد بن فضل بلخیؒ	۴۸۳
حضرت شاہ کرمانیؒ	۴۸۳
حضرت ابوسعید خرازیؒ	۴۸۳
حضرت ابوالعباس ابن عطاءؒ	۴۸۴
حضرت ابراہیم خواصؒ	۴۸۴
حضرت بنان جمالؒ	۴۸۴
حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہ	۴۸۵
حضرت ابواسحاق رقاشیؒ	۴۸۵
حضرت ممتاز دینیوریؒ	۴۸۵
حضرت ابوعلی روزباریؒ	۴۸۵
حضرت ابو محمد عبد اللہ بن منازلؒ	۴۸۶
بدعات مروجہ	۴۸۶

مزارات اولیاء کی شرعی حیثیت ۲۸۷

⑪

بدع الناس عن محدثات الاعراس

یعنی عرس مروج کا شرعی حکم

۴۹۹

سوال

۵۰۱

جواب

۵۰۲

سجدہ تعظیم کا حکم شرعی

۵۰۶

بدعتی پیر سے بیعت ناجائز ہے

۵۰۷

بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام و احکام

۵۰۸

⑫

مروجہ صلوٰۃ و سلام کی شرعی حیثیت

۵۰۹

استفتاء

۵۱۱

جواب

۵۱۲

تنبیہ

۵۱۳

ہمدردانہ مشورہ

۵۱۸

⑬

مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت

۵۱۹

سوال

۵۲۱

جواب

۵۲۱

مولانا مدنیؒ کا مکتوب گرامی

۵۲۶

تعديل الهادى فى تقبيل الايادى

⑭

دست بوسی اور قدم بوسی ۵۲۹

تلخیص مقالہ حضرت شیخ محمد عابد سندھی ۵۳۴

تقبیل شفقت ۵۳۵

تقبیل تعظیم ۵۳۵

روایات حدیث متعلقہ تقبیل تعظیم ۵۳۶

اقوال فقہاء ۵۳۳

سوال دوم ۵۵۰

جواب ۵۵۲

سوال سوم ۵۵۲

جواب ۵۵۲

خلاصہ کلام ۵۵۲

تقبیل اور معانقہ و مصافحہ میں شامل ہونے والے منکرات ۵۵۳

حكم الاقساط فى حيلة الاسقاط

⑮

حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت ۵۵۵

استفتاء ۵۵۸

الجواب ۵۵۹

مسائل فدیہ نماز و روزہ وغیرہ ۵۶۲

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

الحمد للہ کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے فقہی رسائل کا اہم مجموعہ جواہر الفقہ کئی ماہ بلکہ کئی سال کی محنت کے بعد اب سات جلدوں کے مجموعہ کی شکل میں طباعت کے لیے تیار ہے، جواہر الفقہ کا یہ مجموعہ دو جلدوں میں ۵۴ رسائل کے مجموعہ کی شکل میں اگرچہ کافی عرصہ سے شائع ہو رہا تھا، لیکن ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس مجموعہ میں شامل رسائل کے علاوہ بھی حضرت قدس سرہ کے جو فقہی رسائل اب کیا اب ہوتے جا رہے ہیں، یا ان کی ضخامت کم ہونے کی وجہ سے انہیں علیحدہ رکھنے اور تلاش کرنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وقت پر ان سے استفادہ مشکل ہو جاتا ہے ان سب رسائل کو اس جواہر الفقہ میں شامل کر کے یکجا محفوظ کر دیا جائے، تاکہ ان رسائل سے وقت پر استفادہ آسان ہو سکے۔

یہ فقہی رسائل جو قبولیت عامہ حاصل ہونے کی بناء پر بحمد اللہ عصر حاضر میں، اہم فقہی مآخذ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں سب سے پہلے احقر کے والد ماجد مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور ترغیب پر ۱۹۷۵ء میں جمع کئے گئے تھے اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہم مفتی اعظم پاکستان و صدر جامعہ دارالعلوم کراچی کے اپنے قلم سے موجود ہے، اب ۲۰۱۰ء میں حضرت

ترجمة المقالة المرضية في حكم سجدة التحية المسمى

باعدل التعليم في حكم سجدة التعظيم..... ۵۶۵

سجدة عبادت	۵۶۷
سجدة تعظیم	۵۶۷
سجدة تعظیم کی دوسری صورت	۵۶۸
ایک شبہ اور اس کا جواب	۵۷۰
جواب شبہ	۵۷۰
فائدہ	۵۷۱
جواب	۵۷۲
فائدہ	۵۷۴
خلاصہ	۵۷۴

☆☆☆

فہرست عنوانات بترتیب حروف تہجی ----- ۵۷۵

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تحریک اور ان دونوں حضرات کی سرپرستی میں جواہر الفقہ کی ترتیب جدید کا یہ کام مکمل ہوا ہے، جس میں حضرت قدس سرہ کے ۱۰۵ فقہی رسائل سات جلدوں میں جمع کئے گئے ہیں، اس کام میں جناب محمد قاسم صاحب ناظم مکتبہ دارالعلوم کے علاوہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ احقر محمود اشرف عفی عنہ، عزیزم جناب مولانا شفیع اللہ صاحب اور عزیزم جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نے بڑی محنت سے حصہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنی بارگاہ سے جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس قیمتی مجموعہ کو امت اسلامیہ کے لیے باعث خیر اور باعث ہدایت بنائیں۔ آمین

یہ بات بھی قارئین کے لیے خوش خبری کا باعث ہوگی کہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ کے غیر فقہی رسائل یعنی جن کا تعلق فقہ سے نہیں بلکہ وہ سیرت، سوانح، تاریخ، ذکر اللہ اور تصوف وغیرہ سے متعلق ہیں ان کا مجموعہ بھی تیاری کے مراحل میں ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ یہ مجموعہ بھی جلد ہی جواہر الفقہ کے سیٹ کی طرح تیار ہو کر سامنے آجائے گا اس طرح حضرت قدس سرہ کے تحریر کردہ تمام جواہرات جو رسائل کی شکل میں متفرق طور پر شائع ہوتے رہتے ہیں وہ یکجا محفوظ ہو کر باسانی آپ کو دستیاب ہوں گے۔

وفقنا اللہ تعالیٰ لما یحب ویرضاه وصلی اللہ وسلم وبارک علی حبیبنا وسیدنا محمد وآلہ وصحبہ۔ والحمد للہ اولا وآخرا۔

احقر محمود اشرف غفر اللہ

استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ

۲۳ مئی ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

بقلم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم
صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

ایسے رسائل کی تصنیف کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے، جن میں کسی ایک مسئلہ کی تحقیق اس انداز میں کی گئی ہو کہ اس کے جملہ متعلقات کا ضروری مواد مرتب شکل میں جمع ہو جائے۔ ایسی تصنیف کو محدثین کی اصطلاح میں ”جزء“ اور عام علمی اصطلاح میں ”رسالہ“ کہا جاتا ہے۔

ایسے رسائل کی ابتدائی مثالیں عہد رسالت اور عہد صحابہ میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”کتاب الصدقہ“ جو آپ نے عالموں کو بھیجنے کے لئے آخر عمر میں لکھوائی تھی۔ اور بعد میں وہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پاس محفوظ رہی۔ اس میں زکوٰۃ کی شرحیں اور نصابوں کی تفصیلات درج تھیں۔

(ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ص: ۸۱۱ تا ۸۱۲، ج: ۱)

اسی طرح کا ایک رسالہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجتے وقت لکھ کر دیا تھا، یہ بھی زکوٰۃ ہی کی تفصیلات پر مشتمل تھا۔ صحیح بخاری میں اس کے اقتباسات کئی جگہ آئے ہیں۔

(مثلاً ص: ۴۹۱ تا ۶۹۱، ج: ۱ کتاب الزکوٰۃ)۔

عہد صحابہؓ کے بعد نئے حالات کی وجہ سے ایسے رسالوں کی ضرورت میں اضافہ ہوتا گیا، اور اس ضرورت کو پورا کرنے والے مردانِ علم و فضل بھی ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے، اس طرح مختلف فقہی مسائل پر ہر دور میں بے شمار مستقل رسالے لکھے گئے۔ اور بعض فقہاء کے ایسے رسائل کے متعدد مجموعے مرتب کر کے شائع کئے گئے، جو بعد کے اہل علم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئے۔ رسائل ابن نجیمؒ، رسائل ابن عابدین اور رسائل مولانا عبدالحی لکھنویؒ بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔

اس قسم کے رسالے اس لحاظ سے نہایت گراں قدر اور مفید ہوتے ہیں کہ ان میں مصنف ذہنی یکسوئی کے ساتھ صرف ایک مسئلہ کو اپنی تحقیق کا محور بناتا اور امکانی حد تک ان تمام کتابوں کو کھنگالتا ہے، جن میں متعلقہ مواد ملنے کا ادنیٰ احتمال بھی نظر آئے۔ وہ اپنی پوری تحقیقی صلاحیت اور نظر و فکر کے تمام اسلوب بروئے کار لا کر اپنی کاوش کا نچوڑ مختصر رسالہ میں جمع کر دیتا ہے۔

اس نئے دور میں انگلستان کے صنعتی انقلاب اور فرانس کے سیاسی انقلاب نے جو گہرے اثرات پوری دنیا پر مرتب کئے، پھر جدید فلسفہ نئے نظام تجارت و معیشت، مغربی سیاست و قانون اور تہذیب جدید نے جن نوع بہ نوع گتھیوں کو جنم دیا، نیز نئے نئے فرقوں کی پیدائش اور طرح طرح کی گمراہیوں کے پھیلنے سے جو مسائل پیدا ہوئے، ان کا اسلامی حل پیش کرنا علماء عصر کی نازک ذمہ داری بن گئی

تھی۔ ماضی کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء و فقہاء اس دور میں بھی پیدا فرمادیئے، جنہوں نے اپنی تحقیق و تصنیف کے ذریعہ عصری پیچیدگیوں کو ضروری حد تک سلجھایا، اور ثابت کر دیا کہ دین اسلام آج بھی وہ واحد دین ہے، جو ہر زمانہ کی ہر مشکل کا حل پیش کر سکتا ہے۔ اور انتہائی بدلے ہوئے حالات میں بھی اس کے احکام نہ صرف قابل عمل بلکہ دنیا و آخرت کی فلاح کے ضامن ہیں۔

اس صدی کے جن نامور محققین علماء و فقہاء نے یہ خدمت انجام دی، ان میں سرفہرست حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا نام گرامی ہے، جن کی تقریباً ایک ہزار تصانیف اس صدی کا عظیم ترین علمی سرمایہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تصانیف

والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی ذات گرامی بھی اس صدی کے ان خوش بخت علماء کرام میں ممتاز مقام رکھتی ہیں، جنہوں نے اس نازک کام میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی دوسو کے قریب تصانیف جو تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، تصوف، تاریخ، سیاست، ادب، لغت، وعظ و ارشاد غرض ہر دینی شعبے سے متعلق ہیں، ان سب کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عصر جدید کے ایسے مسائل کو خاص طور سے موضوع بحث بنایا گیا ہے، جن کے بارے میں سلف کی کتابوں میں تفصیلی مباحث نہیں ملتے۔

یہ تصانیف علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہونے کے علاوہ ایک لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کے ان تمام نظریاتی، سیاسی اور معاشرتی رجحانات کی تاریخ بھی ہیں۔ جو پچھلے پچاس برس میں امت کے مختلف طبقات میں پیدا ہوئے۔ کیونکہ اس

پوری مدت میں جو نیا مسئلہ پیدا ہوا، یا جس نئے فتنے نے علمی راہ سے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوشش کی، حضرت والد ماجد مدظلہم نے اس میں اپنے فتاویٰ، تصانیف، تحقیقی مضامین و مقالات اور رسائل سے امت کی بروقت رہنمائی فرمائی، اس طرح دین کے ہر شعبہ میں موصوف کی کئی کئی تصانیف وجود میں آ گئیں۔ صرف فقہ پر آپ کی پچانوے (۵۹) تصانیف ہیں۔ جن میں سے بعض اگر صرف سات آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں، تو بعض کی ضخامت نو سو تک پہنچی ہوئی ہے۔

مثلاً فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (اردو) اور احکام القرآن (عربی)۔

ان فقہی تصانیف کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ فقہی تحقیقات کے سلسلے کی ایک ناگزیر کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے موجودہ بہت سے مسائل کا شرعی حل اگر ناممکن نہیں، تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ ان تصانیف کو اگر بیچ سے نکال دیا جائے، تو ماضی اور مستقبل کے درمیان ایسا خلا پیدا ہو جائے گا، جسے پر کرنا مستقبل کے اہل فتویٰ کے لئے انتہائی کٹھن مرحلہ ہوگا۔

والد ماجد مدظلہم کی ان فقہی تصانیف و رسائل کی ایک بڑی تعداد تو مستقل کتابی شکل میں شائع ہوتی رہی ہے، جن میں سے اکثر کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ نیز سات رسائل فقہیہ احکام القرآن (عربی) کا جزء بن کا طبع ہوئے ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے، نہ معلوم یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے کس کی نصیب میں لکھی ہے۔ نیز اٹھارہ فقہی رسائل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا جزء بن کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان سب تصانیف کا مختصر مختصر تعارف اس کتاب کے آخر میں قارئین کو ملے گا۔

جواہر الفقہ

پینتالیس فقہی رسائل ایسے تھے، جو یا تو اب تک طبع ہی نہیں ہو سکے تھے، یا محض کسی ماہنامہ وغیرہ میں ایک مضمون کی حیثیت سے شائع ہوئے تھے۔ یا طبع ہو کر نایاب ہو گئے تھے۔ یا نایاب بھی نہیں ہوئے تھے، مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث ان کا الگ الگ محفوظ رکھنا، اور بروقت ان سے استفادہ آسان نہ تھا۔ باذوق اہل علم کا عرصہ سے اصرار تھا کہ ایسے سب رسائل کو ایک مجموعے کی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ ان سے استفادہ آسان ہو، اور یہ عظیم علمی سرمایہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی محفوظ ہو جائے۔ خصوصاً شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ جو والد ماجد کی تصانیف کے بجا طور پر بہت مداح اور قدر شناس تھے۔ اور ہر تصنیف کا ہر ایڈیشن حاصل کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، ان کا تو ہمیشہ ہی یہ اصرار رہتا تھا۔

میرے برادر بزرگوار جناب مولانا محمد زکی صاحب کیفی رحمۃ اللہ علیہ جن کو آج ”رحمۃ اللہ علیہ“ لکھتے ہوئے جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے، اور جو ابھی اٹھارہ روز قبل اچانک اس دار فانی سے کوچ فرما گئے، انہوں نے پچھلے سال لاہور میں اس کام کا آغاز نہایت اہتمام سے فرمایا، ایسے رسائل کو بمشکل تمام مختلف جگہوں سے حاصل کیا، بعد ازاں کراچی میں کچھ اور رسائل و مقالات حضرت والد صاحب مدظلہم کے مسودات میں اور کچھ ماہنامہ القاسم دیوبند، ماہنامہ المفتی دیوبند، اور ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی کے پرانے فائلوں میں دستیاب ہو گئے۔ اور جوں جوں تلاش جاری رہی، ایسے رسائل ملتے چلے گئے، یہ گراں مایہ رسائل جس انداز میں نایاب، منتشر یا مخفی ہو گئے تھے، خطرہ تھا کہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہی ہو جاتے۔ غرض

ان تمام رسائل کو جمع کر کے حضرت والد ماجد مدظلہم کی اجازت سے مرتب کیا گیا۔ ہر رسالہ کی تاریخ و مقام تصنیف اور مختصر تعارف ہر رسالہ کے شروع میں لکھ دیا گیا۔ اسی اثناء میں بعض رسائل پر حضرت والد ماجد مدظلہم نے نظر ثانی بھی فرمائی، اس طرح فقہی رسائل کا یہ عظیم الشان مجموعہ بحمد اللہ تیار ہو گیا۔ برادر بزرگوار جناب مولانا محمد زکی صاحب کفنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کا نام ”جواہر الفقہ“ تجویز کیا تھا، جسے والد ماجد مدظلہم نے پسند فرمایا، اور اب اسی نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

میری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع و ترتیب میں احقر کو بھی کچھ وقت صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی تکمیل آج اس وقت ہو رہی ہے، جب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور برادر بزرگوار جناب بھائی جان رحمۃ اللہ علیہما اس دنیا میں اسے دیکھنے کے لئے موجود نہیں۔ ان دونوں حضرات کو اس مجموعے سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی، وہی اس کے سب سے پہلے محرک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین۔

اس مجموعے کی خصوصیات

۱..... اس مجموعے میں حضرت والد ماجد مدظلہم کے صرف فقہی رسائل شامل کئے گئے ہیں۔ دوسرے دینی موضوعات پر ایسے رسائل کا مجموعہ الگ زیر ترتیب ہے۔

۲..... اس مجموعے میں فقہی رسائل بھی صرف وہ شامل کئے گئے ہیں جو:

الف..... اب تک طبع نہیں ہوئے یا

ب..... کسی ماہنامہ وغیرہ میں مضمون کی حیثیت سے شائع ہوئے الگ کتابی شکل میں نہ

آئے تھے۔ یا

ج..... طبع ہو کر عرصے سے نایاب ہو گئے تھے، یا

د..... نایاب بھی نہ تھے مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث ان کا الگ الگ محفوظ رکھنا اور بروقت ان سے استفادہ آسان نہ تھا۔

۳..... اس مجموعے میں رسائل کی باہمی ترتیب امکانی حد تک ابواب فقہیہ کی ترتیب کے مطابق رکھی گئی ہے۔ مثلاً نماز سے تعلق رکھنے والے رسائل کو ان رسائل پر مقدم کیا گیا ہے جن کا تعلق روزہ اور رمضان سے ہے۔ اسی طرح آخر تک ہے۔

۴..... ہر رسالہ کے شروع میں اس کا مختصر تعارف اور اس کی تصنیف کا پس منظر بیان کر دیا گیا ہے۔

۵..... اس مجموعے کے بعض رسائل عوام کے لئے آسان زبان میں لکھے گئے تھے، اور اکثر کا اسلوب تحریر تحقیقی و اصطلاحی ہے۔ کیونکہ وہ خاص اہل علم کے لئے لکھے گئے تھے۔

۶..... تمام رسائل کی مفصل فہرست مضامین مجموعے کے بالکل شروع میں ترتیب وار درج کر دی گئی ہے۔

۷..... اکثر رسائل میں عنوانات خود حضرت والد ماجد مدظلہم کے قائم کردہ ہیں صرف تین رسالوں (۱) عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ (۲) ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ (۳) یتیم پوتے کی میراث، میں عنوانات احقر نے قائم کئے ہیں۔

۸..... یہ سب کام مولف مدظلہم کے ایماء و اجازت سے کیا گیا ہے۔

۹..... ان میں سے کئی رسائل پر حضرت مولف مدظلہم نے حال ہی میں نظر ثانی فرمائی ہے۔
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مشکل مسائل میں یہ عظیم مجموعہ عرصہ دراز
تک امت کی رہنمائی کرے گا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین
والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین

محمد رفیع عثمانی

صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۸ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ



ومن یکنفرا لایمان فقد حبط عمله (القرآن)
اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی

ایمان اور کفر

قرآن کی روشنی میں

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
خصوصاً على سيدنا محمد المصطفى ومن بهديه اهتدى.

ایمان، اسلام، کفر کے الفاظ جتنے ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے ان پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں، اتنا ہی ان کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے۔ اور یہ صرف کفر و ایمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام متعارف اور زبان زد الفاظ جن کے معانی سمجھنے میں کسی بچہ کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا، جیسے ٹوپی، کرتہ، پا جامہ، جوتہ، مکان، میز، کرسی، لوٹا، گلاس وغیرہ لیکن اگر انہیں الفاظ میں سے کسی لفظ کی جامع مانع تعریف کا سوال پیدا ہو، تو بڑے سے بڑا ماہر چکرائے گا، اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو تعریف کرے گا، اس میں یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کے مفہوم کے بعض افراد رہ گئے ہوں، یا غیر مفہوم کے افراد اس میں داخل ہو گئے ہوں۔

علماء سلف، مفسرین، محدثین، فقہاء و متکلمین نے ایمان و اسلام کی مکمل تعریف، پھر کفر کی تعریف، اور اس کے اقسام پر طویل مباحث، اور مستقل رسالے لکھے ہیں۔ اس آخری دور میں مخزن علوم اسلامیہ سند العلماء استاذ الاساتذہ سیدی و استاذی حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ

تاریخ تالیف _____ رجب الثانی ۱۳۷۳ھ (مطابق ۱۹۵۳ء)
مقام تالیف _____ جامعہ دارالعلوم کراچی

زیر نظر رسالہ میں ایمان اور کفر کی حقیقت، اسلام اور مسلمان کی تعریف اور متعلقہ مباحث قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں اسی طرح اہل قبلہ کی تکفیر، تاویل اور تحریف میں فرق، کافر کی اقسام جیسے اہم مباحث اس تحریر میں واضح کر دیئے گئے ہیں۔

سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک نہایت مکمل اور مفصل کتاب بنام ”اکفار الملحدين“ تصنیف فرمائی ہے۔ سبب تصنیف یہ تھا کہ کفر کی ایک خاص قسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں، اور یہی اس زمانہ کا کفر نفاق ہے، اس کو اسلام و ایمان سے ممتاز کرنا، اور مسلمان اور زندیق میں فرق کرنا ہمیشہ غور طلب مسئلہ رہا ہے۔ اور اس زمانہ میں علوم قرآن و حدیث سے عام ناواقفیت کی بناء پر یہ اور بھی مشکل ہو گیا۔ ملحدین اور زنداقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں، اور مسلم معاشرہ کا جزء بنے رہیں، اور مسلمانوں کے مارا آستین بن کر ان کو ڈستے رہیں۔ بہت سے نیک دل مسلمان بھی اس فتنہ کے شکار ہونے لگے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو مسلمان سمجھنا چاہئے، خواہ وہ عقائد و اعمال کچھ بھی رکھتا ہو، اور آج کل کے عرف میں اس کو سیاسی دانشمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کسی حقیقت یا عقیدہ و نظریہ کا نام نہیں، بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے، جس کا جی چاہے اپنے عقائد اپنے خیالات اپنے اعمال پر قائم رہتے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

اس فتنہ کے ہولناک نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن تھے، وہ محتاج بیان تھیں۔ اس لئے کفر کی اس قسم کو جو اسلام کے لباس اور اسلام کے دعویٰ کے ساتھ عمل میں آتی ہے، پوری طرح واضح کرنا وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔

خصوصاً اس معاملہ میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں عوام سے گذر بعض خواص اہل علم بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں۔

الف: عام طور پر فقہاء و علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ جو شخص کسی عقیدہ

کفریہ کا قائل ہو مگر صاف طور پر نہیں، بلکہ تاویل کے ساتھ قائل ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص بھی دعوائے اسلام کے ساتھ کسی کافرانہ عقیدہ و قول کو اختیار کرتا ہے، تو کسی نہ کسی تاویل کی آڑ لے کر ہی اختیار کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنا جائز نہ ہو۔ حالانکہ نصوص قرآن و حدیث اس کے خلاف شاہد ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ فقہاء و متکلمین کے اس متفقہ اصول کی وضاحت کی جائے کہ تاویل کے ساتھ کسی عقیدہ کفریہ کا قائل ہونا موجب کفر نہیں۔

ب: یہ مسئلہ بھی ایک صحیح و صریح حدیث سے ثابت اور علماء و فقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے۔ اس کا نتیجہ بھی بظاہر یہی نکلتا ہے کہ جو مدعی اسلام کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے، پھر خواہ وہ اللہ و رسول کے بارے میں کیسے ہی غلط عقائد رکھتا ہو، اور توہین کرتا ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔

یہ دونوں شبہات چونکہ علمی رنگ کے ہیں، اس لئے اور بھی ضروری ہوا کہ ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔ اس لئے حضرت الاستاذ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور ایسی بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی کہ اس سے پہلے کوئی کتاب اتنی جامع نظر نہیں آئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی اول تو یہ کتاب عربی زبان میں ہے، دوسرے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی اس رفعت علمی کی آئینہ دار ہے، جس تک پہنچنے کے لئے خود ایک بڑا علم درکار ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو اس کے استفادہ سے محروم تھے ہی، روز بروز استعداد علمی کے تناقص نے اکثر اہل علم کو بھی محروم کر دیا، اس تصنیف کے شائع ہونے کے بعد ہی سے بہت سے حضرات کا مطالبہ تھا کہ اس کے مضامین کو آسان ترتیب کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا جائے۔ بہت سے دوستوں نے احقر کو

بھی اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی اور خود بھی اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا۔

لیکن بحکم قضاء و قدر یہ کام آج تک تعویق میں پڑا رہا۔ اب جب کہ پاکستان میں قادیانی فتنہ نے نیا جنم لیا (۱) اور کفر و اسلام میں تلپیس کرنے والے پرانے شکاری نئے جال لے کر میدان میں آئے تو یہ مسئلہ اسلامیان پاکستان کے لئے پھر از سر نو محرکہ بحث بن گیا۔ اس وقت ضرورت کا احساس دو چند ہو گیا۔ اور بنام خدا تعالیٰ زیر نظر اوراق کی کتابت شروع کی۔

اس میں استاذ محترم کے تمام مواد بحث اور تحقیقات کو پورا لے لیا گیا ہے، مگر ترتیب و بیان سب اس نا کارہ کا ہے۔ اور استاذ محترم کا روئے سخن چونکہ ایک خاص فتنہ اور خاص اعتراضات کے جواب کی طرف تھا، اس لئے اسلام و ایمان یا کفر اور اس کی اقسام کی پوری تحقیق اس کتاب میں نہ تھی۔ اس کا احقر نے اضافہ کیا، اور کسی خاص فرقہ کے عقائد و خیالات کو مدار بحث بنائے بغیر عمومی اور کلی طور پر مسئلہ کفر و اسلام کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ اور اب الحمد للہ یہ کتاب مسئلہ کفر و اسلام کی تمام ضروری مباحث پر حاوی اور ازالہ شبہات کے لئے کافی ہو گئی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ ولی التوفیق و هو بہ حقیق۔

بناءً پاکستان کے وقت مسئلہ کفر و اسلام کے ساتھ ایک اور بحث کا دروازہ کھلا کہ دنیا میں قوموں کی تقسیم و تفریق نسل و وطن اور رنگ و لسان کی بنیاد پر ہے یا مذہب یعنی کفر و اسلام کی بنیاد پر۔ پھر بناءً پاکستان کے بعد بھی یہ بحث مختلف صورتوں سے سامنے آتی رہیں۔ اس لئے شروع میں اس مسئلہ پر بھی قرآن و

(۱) اور پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں مسلمان اور کافر اور اسلام اور کفر کی تعریف کے متعلق سوالات کئے گئے۔ ۱۲

حدیث کی روشنی میں ایک مختصر جامع شذرہ لکھا گیا۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقیم کراچی۔ بہقام لاہور

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

جنوری ۱۹۵۴ء

مقدمہ

ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے والے اصول

تمام انسان اصل میں ایک قوم اور ایک ملت تھی، ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، اور انسانیت کے ابتدائی دور میں سب کے نظریات و عقائد اور معاشی و معاشرتی اصول بھی ایک ہی تھے۔ سب ایک خدا کو ماننے والے، اور اس کے احکام کو جو بذریعہ رسول ان تک پہنچے واجب الاتباع سمجھنے والے تھے۔ پھر جوں جوں ان کے افراد دنیا میں پھیلتے گئے، اور ایک دوسرے سے دوری ہوتی گئی، اور بڑھتے بڑھتے یہ دوری مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پوری زمین کے اطراف پر حاوی ہو گئی۔ تو معاشی اور معاشرتی اصول میں فرق پڑا، بول چال میں اختلاف آیا، زبانیں مختلف ہو گئیں، اسی کے ساتھ عقائد و نظریات بھی متاثر ہوئے، خدا پرستی کی جگہ مخلوق پرستی کا دروازہ کھلا، اور خدا کی مخلوق مختلف اقوام میں بٹ گئی۔ اور قومیتوں کی جنگ شروع ہو گئی۔ اقوام کے باہمی تنازع کے ساتھ تعاون و تناصر کی ضرورت پیش آئی، تو مختلف گروہوں نے مختلف اصول پر اپنے اپنے اعدا و انصار بنائے۔ شروع میں آبادی کی چار سمت مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کے اصول پر دنیا میں چار قومیں سمجھی گئیں۔ پھر زمین کی سات اقلیموں کی بنیاد پر سات قومیں مانی گئیں۔

(ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۲)

پھر کسی نے نسل و نسب کی بنیاد پر اپنی قوم کو یکجا کر کے دوسرے قبائل و انساب کے مقابلہ پر نبرد آزما کر دیا۔ کسی نے جغرافیائی اور وطنی یا لسانی بنیادوں پر لوگوں کو اپنی قوم بنا لیا، اور جو ان بنیادوں میں ان سے مختلف تھے، ان کو جداگانہ اور حریف

قوم قرار دیا۔ کسی نے نظریات و عقائد کو قومیت کی بنیاد بنا کر مخلوق پرستوں کو ایک قوم بنایا، اور خالص خدا پرستوں کو حریف قوم قرار دیا۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلاح و فلاح کے لئے ہر قرن میں اور ہر امت میں اپنے انبیاء بھیجے۔

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (القرآن)

ہر ایک امت میں (ہماری طرف سے) کوئی ڈرانے والا ہو گزرا ہے۔

ان سب انبیاء کی ایک ہی تعلیم تھی کہ یہ خود ساختہ اختلافات ختم کر کے پھر ملت واحدہ بن جاؤ۔ مخلوق پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرو۔ نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں اور صرف معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب اور نعمتیں سمجھو۔ ان کو قومی تفرقہ کی بنیادیں نہ بناؤ، جس کو کچھ ماننے والوں نے مانا اور بد بختوں نے انکار و مقابلہ کی راہ اختیار کی، جس سے کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

ہمارے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام انبیاء کی سنت کے مطابق یہی پیغام لائے، اور سب سے زیادہ مؤثر طریقہ پر اس کو پھیلایا۔ قرآن نے ایک طرف تو نسلی، وطنی اور لسانی امتیازات کو آیات قدرت اور نعمائے الہیہ کہہ کر ان کو صحیح مقام بتلایا کہ وہ معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب ہیں، قومیتوں کی بنیادیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ارشادات قرآنی:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاختِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَاتِ لِلْعٰلَمِيْنَ۔ (روم: پ: ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا، بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے۔

جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

ہم نے تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم پہچانے جاؤ اور دوسری طرف قدیم وحدت کو از سر نو قائم کرنے کی دعوت دی۔ آیت مذکورہ بالا سے پہلے ارشاد ہوا:

(۱) یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا۔

(۲) خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجھا (نساء)

تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس جوڑے کو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر عمر میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے جہاں اسلامی دستور کے اور بنیادی اصول بتلائے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا:

ایہا الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی

ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود

علی احمر الا بالتقویٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو

عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اسی طرح کسی گورے کو کالے

اور کالے کو گورے پر کوئی تفوق حاصل نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے۔

بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

الغرض اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اور صوبہ جاتی اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو پھر ایک صحیح متحدہ قومیت کی طرف لائیں، جو ان کے جدا مجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تھی، اس کے لئے دو طریق اختیار کئے گئے۔

اول..... قومیتوں کی تقسیم و تفریق کی جو غلط بنیادیں نسلی، لسانی اور وطنی اصول پر لوگوں نے بنائی تھیں، ان کو یکسر باطل قرار دیا۔ کیوں کہ اگر ان بنیادوں پر قوموں کی تقسیم اور انسانیت کا تفرقہ تسلیم کر لیا جائے، تو اولاً تو یہ خلاف عقل ہے کہ کسی زمین یا کسی خاندان میں پیدا ہونے کی غیر اختیاری اور ضعیف وجہ سے کوئی شخص قومی اور اجتماعی معاملات میں دوسروں سے علیحدہ قوم سمجھا جائے۔ ثانیاً اگر انسان کی متحدہ قومیت میں اس کے تفرقے قبول کر لئے جائیں تو ان کو کسی وقت اور کسی حال میں مٹایا نہیں جاسکتا، جو شخص عرب یا عجم کے کسی خاندان میں پیدا ہو چکا ہے، اب اس کے اختیار میں نہیں کہ دوسرے خاندان میں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جو ایشیا میں پیدا ہوا وہ یورپ میں دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ الغرض یہ جغرافیائی، وطنی، لسانی اور نسلی تفرقے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ان کا مٹانا نہ کسی کے اختیار میں ہے، اور نہ کسی عقلمند کو ان کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان امتیازات کی حد اور ان کا صحیح مقام پہچاننا چاہئے کہ ان کی غرض صرف معاشی و معاشرتی سہولتیں ہیں اور بس، قومیتوں کی جدائی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا طریق..... دعوت اتحاد کا یہ تھا کہ نظریات و عقائد کی بناء پر قومیت

کی تفریق کا اصول تو تسلیم ہے کہ خدا کے ماننے والے اس کے منکروں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہو سکتے، بلاشبہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں گے، وہ ماننے والوں سے علیحدہ دوسری ملت اور قوم قرار دیئے جائیں گے۔ قرآن نے اسی اصول کی بناء پر فرمایا:

خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن

اس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن نیز ارشاد ہوا:

انا ہدیناہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً

ہم نے بلاشبہ انسان کو راہ بتادی خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکر۔

اور ایک جگہ اسی نظریاتی اور عقائد کے اختلافات کی بناء پر ایک گروہ کو حزب اللہ اور دوسرے کو حزب الشیطان کا لقب دیا۔

الغرض عقائد و نظریات کے اختلاف کو قوموں کے تفرقہ کا سبب اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ پھر اس تفریق کو مٹانے کے لئے خدا پرستی کے اصول صحیحہ اور عقائد حقہ کی اشاعت و تبلیغ اور مخلوق پرستی یا انکار خدا اور رسول جیسے عقائد باطلہ کے مقاصد اور ان کی دنیوی و اخروی تباہ کاری کو بیان کر کے خلق خدا کو ان سے بچانے کی تدبیریں اختیار کیں، اور نصیحت و ہمدردی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا، جس کے ذریعہ نا عاقبت اندیش انسانوں کو تباہی کی طرف جانے والے راستہ سے روکا نہ گیا ہو۔

لیکن بہت سے بدنصیب اور بے بصیرت انسانوں نے اس ہمدردی کو دشمنی سمجھا، اور عداوت و پیکار پر آمادہ ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں کفر و اسلام کی جنگ چھڑ

گئی۔ اب اگر کوئی شخص اس جنگ کو ختم کرنا چاہے تو اس کے دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ خدا پرست اہل حق اپنے نظریہ کو چھوڑ کر منکروں اور کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اور خدا کی مخلوق کو منکرین خدا کے حوالہ کر دیں، یعنی دوسرے لفظوں میں شفیق ڈاکٹر بیمار کی غلط روش سے عاجز آ کر اپنے ہاتھ سے اس کو زہر پلا دے۔

یا پھر صورت یہ ہے کہ غلط کار منکرین خدا و رسول اپنی روش سے باز آجائیں۔ ان دونوں طریق میں سے پہلا طریق تو معقول نہیں، اور دوسرا اپنے اختیار میں نہیں، اس لئے یہ کفر و اسلام کا اختلاف اس وقت تک جاری رہنا ناگزیر ہے، جب تک کہ منکرین خدا و رسول یا ہوش میں آجائیں، یا ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے، جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں، بلکہ اصول صحیحہ اور عقائد حقہ پر مبنی ہو، جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزرنہ ہو، اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہو گئے، وہ جدا قوم اور جدا ملت کہلائے۔ یہیں سے دو قومی نظریہ پیدا ہو گیا، جس نے پاکستان بنوایا۔

ہندوستان میں جنگ آزادی کا سلسلہ ایک زمانہ سے جاری تھا، مگر اس کے بعض علمبرداروں نے نور و ظلمت کے متضاد عناصر یعنی کفر و اسلام سے مرکب ایک غلط متحدہ قومیت کا نام معقول اور ناقابل عمل نظریہ بنا رکھا تھا۔ چند علمائے ربانی اس نظریہ کی عین گرما گرمی کے وقت بھی مسلمانوں کو ہمیشہ اسی دو قومی نظریہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے، مگر اس وقت یہ آواز نہ سنی گئی۔ اور بالآخر جنگ آزادی کی بیل اسی وقت منڈھے چڑھی، جب کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس صحیح دو قومی (ٹو نیشن) نظریہ کی قائل ہو کر اور اسی کو بنیاد قرار دے کر میدان عمل میں

اتر آئی۔

پاکستان کے ہر باشندہ بلکہ دنیا کے سب مسلمانوں کو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اعظم اور ان کے رفقاء کار میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہئے، جنہوں نے مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی، اور اس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ نے ان کو ایک آزاد و خود مختار سلطنت بخشی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے کے اسباب دنیا میں مختلف سمجھے گئے تھے، لیکن اسلام نے اپنی تعلیمات سے واضح کر دیا کہ قوموں کی تفریق و تقسیم صرف ایک ہی اصول، یعنی خدا کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، جس کا نام اسلام اور کفر ہے۔ دوسری کوئی چیز ایسی نہیں، جو انسانیت کے ٹکڑے کر کے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ مقدمہ ختم ہوا، اب اس رسالہ کا اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعين

ایمان اور کفر کی تعریف

یہ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اور نہ ماننا نافرمانی کا۔ پھر خدا کی فرمانبرداری یعنی ”اس کی پسند و ناپسند کو پہچان کر پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنا۔“ اس دنیا میں بغیر اس کے عادتاً ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے والا رسول آئے، جو اس کی پسند و ناپسند کو ممتاز کر کے بتلا دے۔ کیونکہ انسان محض اپنی عقل سے تو اپنے باپ، بھائی، بیٹے اور دوست کی پسند و ناپسند کو بھی ممتاز نہیں کر سکتا، جب تک کہ خود اس کے کلام یا طرزِ عمل سے اس کا اظہار نہ ہو جائے۔ تو پھر حق تعالیٰ جس کی ذات انسانی ادراک و دسترس سے بالاتر ہے، اس کی پسند و ناپسند کا ادراک انسان محض اپنی عقل سے کیسے کر سکتا ہے۔ یہی حکمت ہے انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں بھیجنے کی۔

الغرض اس دنیا میں خدا کے ماننے کا صرف ایک طریق ہے کہ اس کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات کو دل اور زبان سے تسلیم کرے، اسی کا نام اسلام ہے۔ اور اس کی ہدایات کو تسلیم نہ کرنے کا ہی نام کفر ہے۔

مذہب کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ ایمان و کفر ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنی سب سے پہلی سورۃ (بقرہ) کی سب سے پہلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا۔ بلکہ پورے عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ مؤمن، کافر اور منافق۔ سورۃ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مؤمنین کی شان میں اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں آئی ہیں، اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ یہ تین گروہ حقیقت میں دو ہی ہیں، کیونکہ کافر اور منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے، لیکن

منافقین کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہونے کی بناء پر ان کا بیان علیحدہ کیا گیا۔ چونکہ کفار کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک اور اشد ہے، اس لئے اس کے حالات کا بیان زیادہ تفصیل سے تیرہ آیتوں میں کیا گیا ہے۔ یہ پوری انیس آیتیں ہو گئیں، ان میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) الم ذالک الکتب لاریب فیہ ہدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنہم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک و بالآخرۃ ہم یوقنون اولئک علی ہدی من ربہم و اولئک ہم المفلحون۔

یہ کتاب ایسی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں، جو یقین لاتے ہیں، چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں، اس وحی پر جو آپ کی طرف اتاری گئی، اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر، جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے، اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

(۲) ان الذین کفروا سواء علیہم ء انذرتہم ام لم

تندرہم لا یؤمنون ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم۔

بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں، ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بند لگا دیا اللہ نے ان کے دلوں پر، اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

(۳) ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمؤمنین

اور لوگوں میں بعض ایسے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر، اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔

”المفلحون“ تک چار آیتوں میں مؤمنین کا بیان ہے۔ اور اس کے بعد ”عذاب عظیم“ تک کفار کا، اور اس کے بعد ”ومن الناس“ سے منافقین کا بیان شروع ہوا ہے۔ اور اس کے ضمن میں ایمان و کفر اور مؤمن و کافر اور منافق کی تعریف بھی آگئی۔ ابتدائی چار آیتیں جو مؤمنین کے بارہ میں آئی ہیں، ان میں اولاً مؤمن اور ایمان کا اجمالی ذکر کیا گیا۔ الذین یؤمنون بالغیب یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادات مراد ہیں، جو انسان کی نظر و مشاہدہ سے غائب ہیں۔ جیسے فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط اور میزان عدل وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر و خازن وغیرہ)

اس اجمال میں لفظ بالغیب لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایمان حاضر و غائب پر یکساں ہے۔ ان کے مقابل فریق منافقین کی طرح نہیں،

جس کا حال اگلی آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ: **وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ لَعِنَىٰ جِبِ** وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اس ایمان اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں مکمل تعریف کے ساتھ **إِنِ الْفَاقِظُ** میں بیان کی گئی ہے۔ **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ**۔ یعنی وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر بھی ایمان لائے، اور آپ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی، اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں۔

ایمان کا سب سے پہلا جزء جو اللہ پر ایمان لانا ہے، اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ جب اللہ پر ہی کسی کا ایمان نہ ہو، تو اس کے کسی رسول یا وحی پر ایمان لانے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ اور اسی سورۃ کے ختم پر جب مکرر ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی، تو وہاں ایمان باللہ کو صریح ان لفظوں میں ذکر بھی کر دیا گیا۔

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ أَمِنَ بِاللَّهِ وَامْلَأْكَتَهُ وَكُتِبَ وَرَسُولُهُ لَا يَفِرُّ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ۔

عوام میں جو ایمان مجمل و مفصل مشہور ہیں، یہ غالباً اسی پر مبنی ہیں۔ ایمان مجمل سورۃ بقرہ کی پہلی آیات سے اور ایمان مفصل اس کی آخری آیات سے لیا گیا ہے۔

پس آیت مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اصول معلوم ہوئے۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کی سب وحیوں

پر ایمان۔ (۳) آخرت پر ایمان۔ اور یہی تین چیزیں درحقیقت ایمان کے اصول ہیں، باقی سب فروع ہیں۔
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصل التفرقة فی الاسلام الزندقة میں لکھا ہے:

اصول الايمان ثلاثة الايمان بالله و برسوله وباليوم
الآخرة و ما عداه فروع

ایمان کے اصول تین ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ (۲)
اس کے رسول پر ایمان۔ (۳) اور قیامت پر ایمان۔ اس کے
ما سوا سب فروع ہیں۔

اور ان اصول کو بھی کوئی مختصر کرنا اور چاہے، تو صرف ایمان بالرسول میں سب اصول آجاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اللہ پر ایمان نہ ہو، اس کے رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا۔ اور رسول پر ایمان ہو جائے، تو یوم قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے۔ کیونکہ ایمان بالرسول سے ان تمام ہدایتوں پر ایمان لانا مراد ہے، جو رسول نے پیش کی ہیں۔ اور ظاہر ہے ان ہدایتوں میں روز قیامت کی تصدیق بھی ایک بہت بڑی ہدایت ہے۔ اسی لئے ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم
مجيبه بالضرورة

ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کا نام ہے،
ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر
ہو جائے۔

فائدہ متعلقہ ختم نبوت

اس آیت میں ایمان اور مؤمن کی تعریف کے ضمن میں ایک لطیف طریقہ پر یہ بتلایا گیا ہے کہ سلسلہ نبوت و رسالت و وحی رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے ساتھ صرف انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کی تلقین ہے، انبیاء مابعد کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے بعد بھی کسی قسم کا تشریحی نبی مبعوث ہونے والا ہوتا، تو جس طرح انبیاء سابقین کی وحی پر یقین کرنے کو جزء ایمان قرار دیا گیا، اسی طرح انبیاء مابعد پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری تھا۔ بلکہ ایک حیثیت سے انبیاء مابعد کا ذکر بہ نسبت انبیاء سابقین کے زیادہ ضروری تھا، کیونکہ انبیاء سابقین کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آچکا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات و توضیحات میں اس سے زیادہ آچکا ہے۔ اس کے متعلق امت کے گمراہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ بخلاف اس نبی کے جو آئندہ مبعوث ہونے والا ہوتا کہ اس کے حالات و علامات سے امت واقف نہیں، اور امت کو بلا واسطہ اس سے سابقہ پڑنا تھا، اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر امت کی نجات یا ہلاکت کا دار و مدار ہوتا۔ ایسی حالت میں خدا کی آخری کتاب اور رؤف رحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہوتا کہ آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی پوری کیفیات و حالات و علامات کو ایسی طرح واضح کرتے کہ اس میں کسی اشتباہ و التباس کی گنجائش نہ رہتی، اور پھر امت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کے غیر مبہم احکام بکرات و مراتب قرآن و حدیث میں مذکور ہوتے۔

مگر بجائے اس کے ہوا یہ کہ قرآن نے جہاں اصول ایمان کا تذکرہ کیا تو انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کو جزو ایمان کی حیثیت سے ذکر فرمایا،

اور بعد میں مبعوث ہونے والے کسی نبی یا رسول کا یا اس کی وحی کا نام تک نہ لیا۔ پھر ایک جگہ نہیں قرآن میں دس سے زیادہ آیات اسی مضمون کی آئی ہیں، جن میں آپ سے پہلے آنے والی وحی پر ایمان لانے کی تاکید ہے بعد کی کسی وحی یا نبی کا تذکرہ تک نہیں۔

یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی شہادت اس امر پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ صرف عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں آئیں گے، جو پہلے مبعوث ہو چکے ہیں، اور جن پر امت محمدیہ پہلے سے ایمان رکھتی ہے۔ لہذا کوئی نیا پیدا ہونے والا شخص اس امت کو اپنی نبوت و وحی کی طرف دعوت دے کرامت کے لئے مدار نجات نہیں بن سکتا۔ واللہ الموفق والمعين

مؤمن و کافر کی تعریف اور کفر کی اقسام

اس عنوان کا اگرچہ مجمل خاکہ عنوان اول کے ضمن میں آچکا ہے، لیکن پوری وضاحت کے لئے اس کی تشریح اس عنوان میں لکھی جاتی ہے جس کا مبنی وہی آیات ہیں، جن کا ذکر عنوان اول میں آیا ہے۔ اور چونکہ اسلام و کفر کی تعریف میں چند اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے، اس لئے ان الفاظ کی تعریفات پہلے لکھی جاتی ہیں۔

تعریفات

ایمان..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی تصدیق ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو۔

اسلام..... اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری

کا اقرار بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود ہو۔

کفر..... جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے، ان میں سے کسی امر کی تکذیب و انکار۔

مؤمن..... وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرے ہر اس امر میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ زبان سے بھی اس تصدیق کا اور اطاعت کا اقرار کرے۔

مسلمان..... وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و مانبرداری کا اقرار کرے، بشرطیکہ دل میں بھی ان کی تصدیق رکھتا ہو۔

کافر..... وہ شخص جو ان میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کر دے۔

اسلام و ایمان اور مسلم و مؤمن میں فرق

لغة ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اور اسلام اطاعت و مانبرداری کا۔ ایمان کا محل قلب ہے، اور اسلام کا محل قلب، اعضاء و جوارح ہیں۔ لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے۔ اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

الغرض لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان و اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ اور قرآن حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان و اسلام کے اختلاف

کا ذکر بھی ہے۔ لیکن خود قرآن و حدیث کی ہی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً کوئی ایمان بدون اسلام کے یا اسلام بدون ایمان کے معتبر نہیں۔ اسی مضمون کو بعض اہل تحقیق نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایمان و اسلام کی مسافت تو ایک ہے۔ فرق مبدء اور منتہی میں ہے۔ ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے، اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے۔ اور اسلام ظاہر سے شروع ہو کر قلب پر منتہی ہوتا ہے۔ اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار وغیرہ تک نہ پہنچے، تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں۔ اسی طرح ظاہری اقرار و اطاعت اگر تصدیق قلبی تک نہ پہنچے وہ اسلام معتبر نہیں۔ (افادہ الاستاذ العلامة مولانا انور شاہ قدس سرہ)۔

اب جب ایمان و اسلام کا لغوی اور شرعی مفہوم متعین ہو گیا، تو مؤمن و مسلم کا مفہوم بھی ظاہر ہو گیا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس میں امام غزالیؒ اور امام سبکیؒ کی یہی تحقیق لکھی ہے، جو اوپر گزر چکی، امام سبکیؒ کے چند جملے یہ ہیں:

الاسلام موضوع للانقياد الظاهر مشروطا فيه
الايمان والايمان موضوع للتصديق الباطن مشروطا فيه
القول عند الامكان (فتح الملهم جلد اول: ص: ۱۵۱)
”اسلام“ موضوع ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کے لئے،
مگر اس میں ایمان شرط ہے۔ اور ایمان موضوع ہے باطنی تصدیق
کے لئے، مگر اس میں زبان سے کہنا بھی شرط ہے بوقت امکان۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمام شارح ہدایہ نے اپنی عقائد کی مستند و مشہور کتاب اور اس کی شرح مسامرہ میں امت محمدیہ کا اتفاق اس پر نقل فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وقد اتفق اهل الحق وهم فريقا الاشاعرة والحنفية على تلازم الايمان والاسلام بمعنى انه لا ايمان يعتبر بلا اسلام وعكسه اي لا اسلام يعتبر بدون ايمان فلا ينفك احدهما عن الآخر. (ص: ۱۸۶: ۲، طبع مصر)

اور اہل حق نے اتفاق کیا ہے، اور وہ دونوں گروہ اشاعرہ اور حنفیہ ہیں کہ ایمان اور اسلام باہم متلازم ہیں۔ یعنی ایمان بلا اسلام کے معتبر نہیں، اور نہ اس کا عکس یعنی نہ اسلام بلا ایمان کے معتبر۔ پس ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

ثبوت قطعی

جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے، اس کا ثبوت قطعی ہے۔ جیسے قرآن، نمازوں کی تعداد، تعداد رکعات اور رکوع و سجود وغیرہ کی کیفیات، اذان، زکوٰۃ کی تفصیلات، حج اور اس کی بہت سی تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت وغیرہ۔

تواتر کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہم تک ہر قرن ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلطی یا کذب پر متفق ہو جانا عقلاً محال سمجھا جاتا ہو۔

ثبوت بدیہی

جس کو عرف فقہاء اور متکلمین میں ضروری یا بالضرورة کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت تمام خاص و عام مسلمانوں

میں اس درجہ ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا، اذان کا سنت ہونا اور نبوت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جانا وغیرہ۔

ضروریات دین

جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ تواتر اس درجہ شہرت و بڑا ہت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو، ان کو فقہاء اور متکلمین کی اصطلاح میں ضروریات دین کہا جاتا ہے۔

تنبیہ:

ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق و تسلیم کا نام ہے، جن کا ذکر اوپر تعریف میں آچکا ہے، لیکن کفر میں ان سب چیزوں کا انکار یا تکذیب ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے، خواہ باقی سب چیزوں کو صدق دل سے قبول کرتا ہو۔ اسی لئے ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت ہے، اور کفر کی بہت سی اقسام ہو گئی ہیں، جن میں سے دو بنیادی قسمیں تو قرآن کی مذکورہ آیات سورۃ بقرہ میں بیان کر دی گئیں۔ ایک کفر ظاہر اور دوسرے کفر نفاق باقی اقسام کی تفصیل و تشریح اب بیان کی جاتی ہے۔

واللہ الموفق والمعين

کفر اور کافر کے اقسام

اس رسالہ کا اصل موضوع بحث یہی مضمون ہے۔ جیسا کہ تمہید میں لکھا جا چکا ہے۔

مذکور الصدر تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا کہ کفر تکذیب رسول کا نام ہے۔ پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں۔ اور ان صورتوں کے اختلاف ہی سے کفر کی چند اقسام بن جاتی ہیں، جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فیصل "التفرقة بین الاسلام والزندقة" نیز اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں اور امام بغویؒ نے آیت "ان الذین کفروا سواء علیہم" الآیہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ نیز علم عقائد و کلام کی مستند کتب شرح مواقف و شرح مقاصد میں بھی ان کا تفصیلی ذکر ہے۔ ان اقسام تکذیب کا خلاصہ یہ ہے:

۱..... ایک تکذیب کی صورت تو یہ ہے۔ کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم نہ کرے۔ جیسے بت پرست، یہود اور نصاریٰ۔

۲..... دوسری یہ کہ رسول تسلیم کرنے کے بعد باوجود آپ کے کسی قول کو صراحۃً غلط یا جھوٹ قرار دے، یعنی آپ کی بعض ہدایات پر ایمان رکھے، اور بعض کی تکذیب کرے۔

۳..... تیسری یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول یا فعل رسول کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل نہیں ہے۔ یہ بھی درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

۴..... چوتھی صورت یہ ہے کہ قول و فعل کو بھی تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تاویل کر کے قرآن و حدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خود ساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ کفر و تکذیب کی یہ صورت چونکہ دعوائے اسلام اور ادائیگی شعار اسلام کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے اس میں اکثر لوگوں کو بہت مغالطہ پیش آتا ہے۔ خصوصاً جب اس پر نظر کی جائے کہ تاویل کے ساتھ انکار کرنا باتفاق علماء تکذیب میں داخل نہیں۔ اور ایسے شخص کو کافر بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ ملحدین بھی کسی تاویل کا سہارا ضرور لیتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تشریح و توضیح زیادہ ضروری ہے، تاکہ تاویل اور الحاد میں فرق معلوم ہو سکے۔ اور معلوم ہو جائے کہ تاویل کے محل میں تاویل موجب کفر نہیں۔ مگر الحاد و زندقہ کی تاویل بالاجماع موجب کفر ہے۔ اس لئے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

کفر، زندقہ و الحاد

تکذیب کی یہ چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں "الحاد" اور حدیث میں "الحاد" و "زندقہ" کے نام سے موسوم ہے۔

الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا ا فمن یلقى فی النار خیر ام من یاتی ا منا یوم القیامة . الایة
عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول "سیکون فی هذه الامة مسخ الا و ذلک فی المکذبین بالقدر والزندقية" اخرجه الامام احمد فی مسنده ص: ۱۰۸، ج: ۲ و قال فی الخصائص سندہ صحیح و فی منتخب کنز العمال ص: ۵۰ ج: ۶ مرفوعاً ما یفسرها

جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں، وہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو امن کے ساتھ آئے گا قیامت کے دن۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: کہ ”عنقریب اس امت میں مسخ ہوگا، اور سن رکھو کہ وہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا، اور زندیقین میں“ اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اور خصائص میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اور منتخب کنز العمال ص: ۵۰ ج: ۲ میں مرفوعاً ایک روایت ہے، جو اس کی تفسیر کرتی ہے۔

امام بخاریؒ نے اس قسم کی تکذیب کے متعلق صحیح بخاری میں ایک مستقل باب لکھا ہے: ”باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ“ اس باب میں اس قسم کی تکذیب کو بھی ارتداد قرار دیا ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسویٰ شرح مؤطا میں اس قسم کی تکذیب کے متعلق لکھا ہے۔

وان اعترف به ظاهراً و لكن يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسرہ الصحابة و التابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق كما اذا اعترف بان القرآن حق و ما فيه من ذكر الجنة والنار حق لكن المراد بالجنة الابتهاج الذي يحصل بسبب الملكات المحموده والمراد بالنار هي الندامة التي تحصل بسبب الملكات المذمومة وليس في الخارج جنة ولا نار فهو زنديق. (مسویٰ شرح مؤطا، ص: ۱۳۰، ج: ۲)

اور اگر اقرار تو کرے اس کا ظاہری طور پر، لیکن دین کی بعض ان چیزوں کی جو ثابت ہیں، ایسی تفسیر بیان کرے، جو صحابہ اور تابعین اور اجماع امت کے خلاف ہو، تو وہ زندیق ہے۔ مثلاً یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے، اور جو اس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے، وہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن جنت سے مراد وہ خوشی و فرحت ہے، جو اخلاق حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے، جو اخلاق مذمومہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ ویسے کوئی نہ جنت ہے، نہ دوزخ۔ پس یہ شخص زندیق ہے۔

تاویل اور تحریف میں فرق

ثم التاویل تاویلان تاویل لا یخالف قاطعاً من الكتاب والسنة واتفاق الامة و تاویل یصادم ما ثبت بقاطع فذالك الزندقة فكل من انكر رؤية الله تعالى يوم القيامة او انكر عذاب القبر وسوال المنكر والنكير او انكر الصراط والحساب سواء قال لا اثق بهؤلاء الرواية او قال اثق بهم لكن الحديث مؤول ثم ذكر تاویلاً فاسدا لم يسمع من قبله فهو الزنديق او قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوة ولكن معنی هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمى بعده احد بالنبی واما معنی النبوة وهو كون الانسان مبعوثاً من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجوده في الائمة بعده فذالك الزنديق. (از تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ)

پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تاویل تو وہ ہے، جو کتاب و سنت اور اتفاق امت کی کسی قطعی بات کی مخالف نہیں۔ اور ایک تاویل وہ ہے جو ان مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی حکم قطعی کی مصادم ہو۔ پس یہ شکل ثانی ”زندقہ“ ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا منکر ہو، قیامت کے روز یا عذاب قبر کا منکر ہو، اور منکر اور نکیر کے سوال کا منکر ہو یا پل صراط اور حساب کا منکر ہو، خواہ وہ یوں کہے کہ مجھے ان راویوں پر اعتبار نہیں، اور یا یوں کہے کہ ان راویوں کا تو اعتبار ہے، مگر حدیث کے معنی دوسرے ہیں۔ اور یہ کہہ کر ایسی تاویل بیان کرے، جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی، پس وہ ”زندیق“ ہے۔ یا یوں کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوة ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی شخص کا نام ”نبی“ دکھنا جائز نہیں، مگر نبوة کے معنی اور مصداق، یعنی انسان کا خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا مخلوق کی طرف، کہ اس کی اطاعت فرض اور وہ گناہوں سے معصوم ہو، اور اس بات سے معصوم ہو کہ اگر اس کی رائے میں غلطی ہو، تو وہ اس پر باقی رہے۔ تو یہ معنی اور مصداق آپ کے بعدائمت میں موجود ہیں۔ پس یہ شخص ”زندیق“ ہے۔

تکذیب رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام زندقہ والحاد ہے، درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے، اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ سلسلہ وحی منقطع ہو گیا، اور کسی شخص کے دل میں چھپے ہوئے کفر و نفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے،

تو اب منافق صرف ان ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں، جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا اعمال ایسے سرزد ہو جائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کریں۔ زندقہ والحاد اسی کی ایک مثال ہے۔ اور اسی لئے عمدہ القاری شرح بخاری میں اور تفسیر ابن کثیر میں آیت فی قلوبہم مرض (بقرہ) کے تحت میں حضرت امام مالک کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

المنافق فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هو الزندیق الیوم (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص: ۴۶ طبع مصر)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی کے دل میں کفر و نفاق کتنا ہی چھپا ہو، لیکن ہمارے پاس اس کا ذریعہ علم نہ ہونے کے باعث ہم اس کو کافر یا منافق نہیں کہہ سکتے۔ اب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے، جس کو زندقہ کہتے ہیں۔ یعنی دعوائے اسلام اور شرائع اسلام کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنا یا ضروریات دین میں تاویل باطل کر کے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔

حجت الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو کہ امت کے مسلم امام ہیں، اور تمام اسلامی فرقے ان کی امامت کے قائل ہیں۔ خدا بخش قادیانی نے اپنی کتاب ”عسل مصفی“ میں جس کو مرزا غلام احمد نے حرفاً حرفاً سن کر تصدیق کی ہے، صفحہ: ۱۶۳ پر مجددین اسلام کی فہرست لکھتے ہوئے امام غزالی کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے) امام غزالی نے مسئلہ کفر و ایمان میں الحاد و زندقہ کی شدید مضرت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرما کر ایک مستقل کتاب ”التفرقة بین الاسلام والزندقہ“ تصنیف فرمائی، جس میں قرآن و سنت اور عقل و نقل سے واضح کر دیا کہ تاویل اور الحاد میں کیا فرق ہے، اور یہ کہ زندقہ و ملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں، وہ دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان

کہیں نیز کسی مدعی اسلام کے کافر قرار دینے میں جو احتیاط لازم ہے، اس کے پیش نظر امام موصوف نے اس کتاب میں ایک زریں وصیت اور ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کو مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے:

فصل اعلم ان شرح ما یکفر به وما لا یکفر به
 يستدعى تفصيلاً طويلاً يفتقر الى ذكر كل المقالات
 والمذاهب وذكر شبهة كل واحد ودليله ووجه بعده
 عن الظاهر ووجه تاويله وذلك لا تحويه مجلدات
 وليس يسمح لشرح ذلك اوقاتى فاقتنع الآن بوصية
 وقانون اما الوصية فان تكف لسانك عن اهل القبلة ما
 امنك ما داموا قائلين لا اله الا الله محمد رسول الله
 غير مناقضين لها و المناقضة تجوز هم الكذب على
 رسول الله صلى الله عليه وسلم بعذر او غير عذر فان
 التكفير فيه خطر والسكوت لا خطر فيه واما القانون
 فهو ان تعلم ان النظريات قسمان قسم يتعلق باصول
 العقائد وقسم يتعلق بالفروع واصول الايمان بالله
 وبرسوله وباليوم الآخر وما عداه فروع (واعلم ان
 الخطاء في اصل الامامة وتعينها وشروطها وما يتعلق
 بها لا يوجب شئ منه تكفيراً فقد انكر ابن كيسان
 اصل وجوب الامامة ولا يلزم تكفيره يلتفت الى قوم
 يعظمون امر الامامة ويجعلون الايمان بالامام مقروناً
 بالايمان بالله وبرسوله والى خصومهم المكفرين لهم
 بمجرد مذهبهم في الامامة فكل ذالك اسراف اذ

ليس في واحد من القولين تكذيب الرسول صلى الله
 عليه وسلم اصلاً) ومهما وجد التكذيب وجب
 التكفير وان كان في الفروع فلو قال قائل مثلاً: البيت
 الذي بمكة ليس هي الكعبة التي امر الله بحجها فهذا
 كفر اذ قد ثبت تواتراً عن رسول الله صلى الله عليه
 وسلم خلافه ولو أنكر شهادة الرسول لذلك البيت
 بانه الكعبة لا ينفعه انكاره بل يعلم قطعاً انه معاند في
 انكاره الا ان يكون قريب عهد بالاسلام ولم يتواتر
 عنده ذالك وكذالك من نسب عائشة رضي الله
 عنها الى الفاحشة وقد نزل القرآن ببرائتها فهو كافر لان
 هذا وامثاله لا يمكن الا بتكذيب او انكار والتواتر
 ينكره الانسان بلسانه ولا يمكنه ان يجهله بقلبه نعم لو
 انكر ما ثبت باخبار الآحاد فلا يلزمه به الكفر ولو انكر
 ما ثبت بالاجماع فهذا فيه نظر لان معرفة كون
 الاجماع حجة مختلف فيه فهذا حكم الفروع واما
 الاصول الثلاثة فكل ما لم يحتمل التأويل في نفسه و
 تواتر نقله و لم يتصور ان يقوم برهان على خلافه
 فخلافه تكذيب محض ومثاله ما ذكرناه من حشر
 الاجساد والجنة والنار واحاطة علم الله تعالى
 بتفاصيل الامور وما يتطرق اليه احتمال ولو بالمجاز
 البعيد فينظر فيه الى برهان فان كان قاطعاً وجب القول
 به لكن ان كان في اظهاره مع العوام ضرر لقصور

فہمہم فاظہارہ بدعة وان لم یکن البرہان قاطعاً یعلم ضرورۃ فی الدین کنفی المعتزلۃ للرؤیۃ عن الباری تعالیٰ فہذا بدعة و لیس یکفر واما ما یتظہر لہ ضرر فیقع فی محل الاجتہاد و النظر فیحتمل ان یکفر و یحتمل ان لا یکفر (ثم قال) ولا ینبغی ان نظن ان التکفیر و نفیہ ینبغی ان یدرک قطعاً فی کل مقام بل التکفیر حکم شرعی یرجع الی اباحۃ المال و سفک الدم او الحکم بالخلود فی النار فمأخذہ کماخذ سائر الاحکام الشرعیۃ تارۃ یدرک بیقین و تارۃ بظن غالب و تارۃ یتردد فیہ و مہما حصل التردد فالتوقف فی التکفیر اولی و المبادرۃ الی التکفیر انما یغلب علی طباع من یغلب علیہم الجہل)

و لابد من التنبیہ بقاعدۃ اخریٰ فہو ان المخالف قد یخالف نصاً متواتراً و یزعم انہ مأول و لكن تاویلہ لا انقداح لہ اصلاً فی اللسان لا علی قرب ولا علی بعد فذالک کفر و صاحبہ مکذب و ان کان یزعم انہ مأول.

جاننا چاہئے کہ اس بات کی شرح کرنے کے لئے کہ کیا چیزیں موجب تکفیر ہیں اور کیا نہیں، بہت تفصیل طویل درکار ہے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے، تمام مقالات و مذاہب کے ذکر کرنے کی اور ہر ایک کا شبہ اور اس کی دلیل اور اسکے بعد کی وجہ ظاہر سے، اور اس کی تاویل کی وجہ۔ اور یہ متعدد جلدوں میں بھی نہیں ساسکتا،

اور نہ اس کی شرح کے لئے میرے وقت میں گنجائش ہے، اس لئے میں اس وقت ایک قانون اور ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں۔

وصیت..... سو وصیت تو یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو اہل قبلہ کی تکفیر سے روکو جب تک ممکن ہو۔ یعنی جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل رہیں، اور اس سے مناقضہ نہ کریں۔ اور مناقضہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کے غلط اور جھوٹ ہونے کو جائز سمجھیں، خواہ کسی عذر سے یا بغیر عذر کے۔ کیونکہ تکفیر میں تو خطرہ ہے، اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

ضابطہ تکفیر..... اور قانون یہ ہے کہ تمہیں معلوم کرنا چاہیے کہ نظریات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے، جو اصول عقائد سے متعلق ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے، جو فروع کے متعلق ہے۔ اور ایمان کے اصول تین ہیں۔ اول: اللہ پر ایمان لانا۔ دوم: اس کے رسول پر بھی۔ سوم: قیامت کے دن پر۔ اور ان کے علاوہ جو ہیں فروع ہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ خطاء (غلطی) امامت کی اصل، اور اس کے تعین، اور اس کی شروط وغیرہ میں، جیسا کہ روافض و خوارج میں پائی جاتی ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی موجب تکفیر نہیں ہے۔ کیونکہ ابن کیسان نے امامت کے اصل وجوب ہی کا انکار کیا ہے۔ اور انہیں لازم ہے اس کی تکفیر۔ اور نہیں التفات کیا جائے گا اس قوم کی طرف، جو امامت کے معاملہ کو عظیم سمجھتے ہیں۔ اور امام کے ساتھ ایمان لانے کو خدا اور رسول کے ساتھ ایمان

لانے کے برابر کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے مخالفین کی طرف التفات کیا جائے گا، جو ان کی تکفیر کرتے ہیں، محض اس لئے کہ وہ مسئلہ امامت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ سب حد سے گزرنا ہے۔ کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی۔ اور جس جگہ تکذیب پائی جائے گی، تو تکفیر ضروری ہوگی۔ اگرچہ وہ فروع ہی میں ہو۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ جو گھر مکہ معظمہ میں ہے، وہ کعبہ نہیں ہے، جس کے حج کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اتر کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے۔ اور اگر وہ اس امر کا انکار کرے، اور کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر کے کعبہ ہونے کی شہادت ہی نہیں دی، تو اس کا انکار اس کو نافع نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا اپنے انکار میں معاند ہونا قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا۔ بجز اس کے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اور یہ بات اس کے نزدیک ابھی حد تو اتر کو نہ پہنچی ہو۔

اور اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کی برأت نازل ہو چکی۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ یہ اور اس جیسی باتیں بغیر تکذیب اور انکار کے ممکن نہیں۔ اور تو اتر کا کوئی انسان زبان سے خواہ انکار کر دے، مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کا قلب اس سے نا آشنا ہو، ہاں! البتہ اگر کسی ایسے امر کا انکار کرے، جو خبر واحد سے ثابت ہے، تو اس سے کفر لازم نہ آئے گا۔ اور اگر کسی ایسی چیز کا انکار کرے، جو

کہ اجماع سے ثابت ہے، تو اس میں ذرا تاویل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اجماع کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے۔ تو اس کا حکم فروع کا ہو گا۔ اور اصول ثلاثہ کے متعلق یہ ہے کہ جو فی نفسہ تاویل کو محتمل نہیں اور اس کی نقل تو اتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے خلاف کسی دلیل کے قائم ہونے کا تصور نہیں ہو سکتا، سو اس کی مخالفت کرنا تو تکذیب ہے، اور اس کی مثال وہی ہے جو ذکر ہو چکی ہے یعنی حشر و نشر اور جنت و دوزخ اور حق تعالیٰ کے علم کا تمام امور کی تفصیلات پر محیط ہونا۔ اور جو اس میں سے ایسے ہیں کہ ان میں احتمال کی راہ ہے، اگرچہ مجاز بعید ہی کے طریق پر ہو، تو اس میں دلیل کی طرف دیکھا جائے گا۔ پس اگر دلیل قطعی ہو، تب تو اس کا قائل ہونا واجب ہے۔ لیکن اگر اس کے ظاہر کرنے میں عوام کا ضرر ہو، بوجہ ان کے قصور فہم کے، تب تو اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے۔ اور اگر دلیل قطعی نہ ہو۔ جیسے معتزلہ کا روایت باری سے انکار کرنا، پس یہ بدعت ہے۔ اور کفر نہیں ہے۔ اور وہ چیز جس کا ضرر ظاہر ہو، تو وہ مقام اجتہاد میں واقع ہو جائے گی۔ پس ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے تکفیر کی بھی جاوے، اور ممکن ہے کہ تکفیر نہ بھی کی جائے۔ (پھر آگے چل کر فرمایا ہے)

اور یہ مناسب نہیں کہ تم یہ خیال کر لو کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر جگہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے، بلکہ بات یہ ہے کہ تکفیر ایک حکم شرعی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اس سے اباحت مال اور خون کا ہدر ہونا یا خلود فی النار کا حکم لازم آتا ہے۔ سو اس کا منشا

بھی دوسرے احکام شرعیہ کے منشا کی طرح ہے کہ کبھی تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے، اور کبھی ظن غالب کے ساتھ، اور کبھی تردد کے ساتھ۔ اور جب تردد ہو تو تکفیر میں توقف کرنا بہتر ہے، اور تکفیر میں جلدی کرنا ان ہی طبیعتوں پر غالب ہوتا ہے، جن پر جہل کا غلبہ ہے۔

اور ایک اور قاعدہ پر بھی تنبیہ کر دینا ضروری ہے، وہ یہ کہ مخالف کبھی کسی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ مآول ہے۔ لیکن اس کی تاویل ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی زبان میں نہ قریب نہ بعید۔ تو یہ کفر ہے۔ اور ایسا شخص مکذب ہے۔ اگرچہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ مآول ہے۔

آخر میں کچھ اور اسی قسم کی تاویلات باطلہ کا بیان کر کے لکھا: فامثال هذا المقالات تکذیبات عبر عنها بالتاویلات۔

پس اس جیسی باتیں تکذیبات ہیں جن کا نام تاویلات رکھ لیا گیا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ کی اس مفصل تحریر سے واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں، اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو جائے، ایسی تاویل بھی تکذیب رسول ہی کے حکم میں ہے۔ جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

ائمہ اسلام کی مزید شہادتیں زندقہ کے کفر ہونے پر

اس میں سب سے پہلی اور سب سے قوی شہادت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا وہ اجماع ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ”مانعین زکوٰۃ“ کو مرتد قرار دے کر، ان سے جہاد کرنے پر ہوا۔ حالانکہ یہ سب لوگ نماز، روزہ، اور تمام شعائر اسلام کے پابند تھے۔ صرف ایک حکم شرعی ”زکوٰۃ“ کا انکار کرنے سے باجماع صحابہ کافر قرار دیئے گئے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

وفیہم من الردۃ عن شرائع الاسلام بقدر ما ارتد عنہ
من شعائر الاسلام اذ کان السلف قد سموا مانعی
الزکوٰۃ مرتدین مع کونہم یصومون و یصلون

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص: ۲۹۱ ج: ۴)

ان لوگوں میں شعائر اسلام سے مرتد ہونا پایا جاتا ہے، کیونکہ ایک شعار اسلام (زکوٰۃ) کے منکر ہیں۔ کیونکہ سلف نے ان کا نام مرتدین رکھا ہے، اگرچہ یہ نماز بھی پڑھتے تھے اور روزے بھی رکھتے تھے۔

دوسری شہادت، صحابہ کرامؓ کا وہ اجماع ہے، جو ”مسلمہ کذاب“ کے کفر و ارتداد اور اس کے مقابلہ میں جہاد پر ہوا۔ حالانکہ وہ اور اس کی پوری جماعت کلمہ کی قائل، اور حسب تصریح تاریخ ابن جریر طبری ص: ۲۴۴ ج: ۳، اپنی اذانوں میں ”اشہد ان محمد رسول اللہ“ کی شہادت مناروں پر رکارنے والے اور

نماز، روزہ کے پابند تھے، مگر اس کی ساتھ وہ آیت خاتم النبیین اور حدیث لانی بعدی میں قرآن و حدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف تاویلات کر کے ”مسلمہ کذاب“ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت کا شریک مانتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے باجماع و اتفاق ان کو کافر قرار دیا، اور ان سے جہاد کرنا ضروری سمجھا، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم الشان لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ مسلمہ کذاب کے پیروؤں میں سے چالیس ہزار مسلح جوان مقابلہ پر آئے، معرکہ نہایت سخت ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر میں بارہ سو حضرات شہید ہوئے، اور مسلمہ کے لشکر سے اٹھائیس ہزار آدمی مارے گئے، اور خود مسلمہ بھی مارا گیا۔ (تاریخ طبری)

جمہور صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا، اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ لوگ کلمہ گو، اہل قبلہ ہیں، ان کو کیسے کافر کہا جائے؟ نہ کسی کو اس کی فکر ہوئی کہ اسلامی برادری میں سے اتنی بڑی اور قوی جماعت کم ہو جائے گی۔ اسی لئے عام کتب عقائد میں اس مسئلہ کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔ ”جوہر التوحید“ میں ہے:

ومن المعلوم ضروری جحد من دیننا یقتل کفراً
لیس حداً و قال شارحہ ان هذا مجمع علیہ و ذکر ان
الماتریدیہ یکفرون بعد هذا بانکار القطعی و ان لم
یکن ضروریاً

جو شخص کسی قطعی بدیہی حکم کا انکار کرے، اس کو بوجہ کافر ہو جانے کے قتل کیا جائے گا بطور حد کے نہیں۔ اور اس کتاب کی شرح میں ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے۔ اور یہ بھی لکھا

ہے کہ علماء ماتریدیہ مطلقاً قطعی حکم کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں، خواہ بدیہی نہ ہو۔

اور حافظ حدیث امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ”اقامۃ الدلیل“ میں اجماع کو سب سے بڑی قطعی دلیل قرار دیا ہے:

واجماعہم حجة قاطعة یجب اتباعها بل ہی او کد
الحجج و ہی مقدمة علی غیرها. (اقامۃ الدلیل: ص: ۱۳۰ ج: ۳)
اور امت کا اجماع حجت قاطعہ ہے، جس کا اتباع واجب
ہے۔ بلکہ وہ تمام حجتوں سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور وہ غیر اجماع
پر مقدم ہے۔

ائمہ اسلام، مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین، سب کے سب اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ ضروریات دین یعنی اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں تاویلات باطلہ کر کے اس کو اس کے مفہوم اور صورت سے نکالنا جو قرآن و حدیث میں مصرح ہے، اور جمہور امت و ہی مفہوم سمجھتی آئی ہے، درحقیقت قرآن و حدیث اور عقائد اسلام کی تکذیب کرنا ہے۔ علم عقائد کی مشہور و مستند کتاب ”مقاصد“ میں کفر اور کافر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ
وسلم و اظہارہ شعائر الاسلام یبطن عقائد ہی کفر
بالاتفاق خص باسم الزندیق.

اور اگر کوئی ایسا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اور شعائر اسلام کے اظہار کے باوجود ایسے عقائد پوشیدہ رکھتا ہو، جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو ”زندیق“ کے

نام سے خاص کیا جاتا ہے۔

ردالمحتار میں علامہ شامیؒ نے اسی مضمون کی تشریح میں فرمایا ہے:

فان الزندیق یموه بكفره و يروج عقيدته الفاسدة
ويخرجها في الصورة الصحيحة وهذا معنى ابطانه
الكفر فلا ينافي الجهار والدعوى الى الضلال
(ص: ۲۹۶ ج: ۳)

کیونکہ زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر کے ساتھ، اور اپنے
فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے، اور نکالتا ہے اس کو صحیح صورت میں۔
اور یہی معنی ہیں ”ابطان کفر“ کے پس وہ ”جہار“ (کھلم کھلا
کفر) کے منافی نہیں۔ اور نہ گمراہی کی طرف دعوت دینے کے
منافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں اقسام
تکذیب و کفر کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ولاشبهة ان الايمان مفهومه الشرعى المعتبر به فى
كتب الكلام والعقائد والتفسير والحديث هو تصديق
النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة عما
من شأنه ذلك ليخرج الصبى والمجنون والحيوانات
والكفر عدم الايمان عما من شأنه ذلك التصديق
فمفهوم الكفر هو عدم تصديق النبي صلى الله عليه
وسلم فيما علم مجيئه ضرورة وهو بعينه ما ذكرنا من
ان من انكر واحداً من ضروريات الدين اتصف بالكفر

نعم عدم التصديق له مراتب اربع فيحصل للكفر ايضاً
اقسام اربعة الاول: كفر الجهل وهو تكذيب النبي
صلى الله عليه وسلم صريحا فيما علم مجيئه بدمع
العلم (اي فى زعمه الباطل) بكونه عليه السلام كاذباً
فى دعواه وهذا وهو كفر ابى جهل واضرابه. والثانى:
كفر الجحود والعناد وهو تكذيبه مع العلم بكونه
صادقاً فى دعواه وهو كفر اهل الكتاب لقوله تعالى
الذين اتينهم الكتب يعرفونه كما يعرفون ابناءهم و
قوله و جحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلماً و علواً
و كفر ابليس من هذا القبيل والثالث: كفر الشك
كما كان لاكثر المنافقين والرابع: كفر التاويل وهو
ان يحمل كلام النبي صلى الله عليه وسلم على غير
محملة او على التقية و مراعاة المصالح و نحو ذلك
ولما كان التوجه الى القبلة من خواص معنى الايمان
سواء كان شاملة او غير شاملة عبروا عن اهل الايمان
باهل القبلة كما ورد فى الحديث نهيت عن قتل
المصلين والمراد المؤمنين مع ان نص القرآن على ان
اهل القبلة هم المصدقون بالنبي صلى الله عليه وسلم
فى جميع ما علم مجيئه وهو قوله تعالى ”و صد عن
سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه
اكبر عند الله.“ (فتاوى عزيزى ص: ۴۲ ج: ۱)

اور اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا مفہوم شرعی جو کہ کتب کلام و

عقائد و تفسیر و حدیث میں معتبر ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا، ان تمام باتوں میں جن کا آپ سے منقول ہونا بدایہ معلوم ہے۔ یہ اس شخص پر جو تصدیق کا اہل ہے، یعنی بچہ، اور مجنون اور حیوانات اس سے خارج ہیں۔ اور کفر اسی شخص کے عدم ایمان کو کہتے ہیں۔ پس کفر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں میں تصدیق نہ کرنا۔

اور وہ بعینہ وہی بات ہے، جو ہم نے ذکر کی کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے، وہ صفت کفر کے ساتھ موصوف ہو جائے گا۔ ہاں عدم تصدیق کے چار درجات ہیں، اس لئے کفر کی بھی چار اقسام نکلیں گے۔ اول کفر جہل اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا صریحاً ان چیزوں میں جن کو آپ لے کر آئے، یہ سمجھتے ہوئے (یعنی اپنے زعم باطل میں) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذب ہیں اپنے دعوے میں۔ اور یہ ابو جہل وغیرہ کا کفر ہے۔ دوسرا کفر جو داور عناد، اور وہ یہ کہ آپ کو باوجود دل سے سچا جاننے کے تکذیب کئے جانا۔

اور یہ اہل کتاب کا کفر ہے جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“ اور دوسری جگہ فرمایا کہ: ”ان لوگوں نے انکار کیا، حالانکہ ان کے دل پر یقین ہیں، اور یہ انکار ظلم اور تعلیٰ و تکبر کے سبب سے ہے۔“ اور ابلیس کا کفر اسی قسم میں

سے ہے۔ اور تیسرا کفر شک جیسا کہ اکثر منافقین کا تھا۔ اور چوتھا کفر تاویل اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اس کے غیر محمل پر محمول کرے، یا اس کو تقیہ پر اور مراعات مصالح وغیرہ پر محمول کرے۔ اور جبکہ توجہ الی القبلہ ایمان کا خاصہ ہے، خواہ خاصہ شاملہ ہو یا غیر شاملہ اس لئے اہل ایمان کو اہل قبلہ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور مراد اس جگہ مسلمان ہیں۔ نیز نص قرآن اس پر شاہد ہے کہ اہل قبلہ وہی ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ نص حق تعالیٰ کا یہ قول ”اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام کے ساتھ اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا۔ زیادہ شدید ہے اللہ کے نزدیک۔“ خوب سمجھ لینا چاہئے۔

حافظ ابن قیمؒ نے شفاء العلیل میں انہی تاویلات باطلہ کے متعلق فرمایا:

والتاویل الباطل يتضمن تعطيل ما جاء به الرسول
و الكذب على المتكلم انه اراد ذالك المعنى فتضمن
ابطال الحق وتحقيق الباطل ونسبة المتكلم الى ما
لا يليق به من التلبیس و الالغاز مع القول عليه بلا علم
انه اراد هذا المعنى فالمتاويل عليه ان يبين صلاحية
اللفظ للمعنى الذى ذكره اولاً واستعمال المتكلم له
فى ذالك المعنى فى اكثر المواضع حتى اذا استعمله
فيما يحتمل غيره يحمل على ما عهد منه استعماله فيه
وعليه ان يقيم دليلاً سالماً عن المعارض على الموجب

بصرف اللفظ عن ظاہرہ والحقیقة الی مجازہ
واستعارتہ والا کان ذالک مجرد دعویٰ منہ فلا
يقبل.

”اور تاویل باطل متضمن ہے رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو
معطل کرنے کو اور متکلم پر جھوٹ کو کہ اس نے یہ معنی مراد لئے، پس
لازم آئے گا اس سے ابطال حق، اور باطل کا ثبوت، اور متکلم کی
نسبت ایسی چیز کی طرف جو اس کے شایان شان نہیں، یعنی تلبیس
اور معمہ کی باتیں کرنا۔ نیز اس پر یہ افتراء بلا علم کہ اس نے اس سے
یہ معنی مراد لئے۔ پس تاویل کرنے والے پر لازم ہے کہ سب سے
پہلے یہ ثابت کرے کہ لفظ مستعمل میں اس معنی کی صلاحیت ہے، جو
اس نے ذکر کئے ہیں۔ اور یہ بھی کہ متکلم نے بھی اس کو اکثر مواضع
میں انہی معنی میں استعمال کیا ہے، تاکہ جب متکلم اس کو ایسے کلام
میں استعمال کرے، جہاں دوسرا احتمال بھی ہو، تو وہ اسی معنی
پر محمول ہو، جس میں اس کا استعمال مروج رہا ہے۔ اور اس پر یہ بھی
لازم ہے کہ دلیل قائم کرے ایسی کہ جو معارض سے سالم ہو، اس
بات پر کہ جو موجب ہوا ہے لفظ کو ظاہری اور حقیقی معنی سے مجاز
اور استعارہ کی طرف پھیرنے کا، ورنہ تو یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا،
جو قابل قبول نہ ہوگا۔“

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

ثم لو قدر انهم متاؤلون لم یکن تاویلهم سائغا بل
تاویل الخوارج و مانعی الزکوۃ اوجہ من تاویلهم اما

الخوارج فانهم احياء اتباع القرآن وان ما خالفه من
السنة لا يجوز العمل به اما مانعوا الزکوۃ فقد ذکرنا
انهم قالوا ان الله قال لنبيه فقط فليس علينا ان ندفعها
لغيره فلم یكونوا يدفعونها لابی بکر ولا یخرجونها له
(فتاویٰ ابن تیمیہ ص: ۲۹۷ ج: ۴)

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لوگ متاویلین (یعنی تاویل
کرنے والے) ہیں، تو ان کی تاویل قابل قبول نہیں۔ بلکہ خوارج
اور مانعین زکوۃ کی تاویل تو اس سے زیادہ اقرب اور قابل قبول
تھی۔ کیونکہ خوارج نے دعویٰ کیا تھا اتباع قرآن کا، اور سنت
میں جو قرآن کے مخالف ہو، اس پر ترک عمل اور عدم جواز کا۔ اور
مانعین زکوۃ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
خطاب فرما کر فرمایا کہ ”آپ لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ“ اور
یہ خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پس ہم پر غیر نبی کی طرف
زکوۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ اس لئے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی
اللہ عنہ کو زکوۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

(وفی صفحہ: ۱۸۵) وقد اتفق الصحابة و الائمة
بعدهم علی قتال مانعی الزکوۃ وان كانوا یصلون
الخمس ویصومون شهر رمضان وهؤلاء لم یکن لهم
شبهة سائغة فلهذا كانوا مرتدین وهم یقاتلون علی
منعها وان اقروا بالوجوب کما امر الله

اور صفحہ ۱۸۵ میں ہے اور صحابہؓ نے اور ائمہؓ نے مانعین زکوۃ

سے جہاد کرنے پر اجماع فرمایا، اگرچہ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے تھے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھتے تھے، اور ان حضرات کو کوئی شبہ پیش نہیں آیا، لہذا یہ مرتد تھے۔ اور ان سے جہاد کیا جائے گا اس کے روکنے پر، اگرچہ وہ اس کے وجوب کا اقرار کریں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

وقال فی بغیة المرتاد ص ۶۹: وانما القصد ههنا التنبيه على ان عامة هذه التاويلات مقطوع بطلانها وان الذي يتاوله او يسوغ تاويله فقد يقع في الخطاء في نظيره او فيه بل قد يكفر من تاويله.

بغیة المرتاد کے صفحہ ۶۹ میں فرمایا ہے: یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عام طور سے یہ تاویلیں یقیناً باطل ہیں، اور جو شخص یہ تاویلیں کرتا یا ایسی تاویل کو جائز رکھتا ہے، وہ کبھی اس کے مثل میں اور کبھی خود اسی خطا میں پڑ جاتا، بلکہ کبھی تاویل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

اور شرح جمع الجوامع میں ہے:

جاحد المجمع عليه من الدين بالضرورة كافر قطعاً جس چیز پر اجماع قطعی ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے قطعاً۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی حاشیہ شرح عقائد میں لکھا ہے:

والتاويل في ضروريات الدين لا يدفع الكفر

(حاشیہ خیالی ص: ۱۲۶)

اور ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا۔ اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے: التاويل الفاسد كالکفر (باب ۲۸۹ ص: ۸۵۷ ج: ۲) تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

اور وزیریمانی کی ایثار الحق علی الخلق صفحہ: ۲۴۱ میں ہے:

لان الکفر هو جحد الضروريات من الدين او تاويلها.

کیونکہ کفر یہی ہے کہ ضروریات دین کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا۔

قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ میں ہے:

وكذلك يقطع بتكفير من كذب او انكر قاعدة من قواعد الشريعة وما عرف يقينا بالنقل المتواتر من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم و وقع الاجماع المتصل عليه كمن انكر وجوب الصلوات الخمس او عدد ركعاتها و سجاداتها و يقول انما اوجب الله علينا في الكتاب الصلوة على الجملة و كونها خمسا وعلى هذا الصفات و الشروط لا اعلمه اذ لم يرو في القرآن نص جلي. (شفاء)

اور اسی طرح قطعی طور پر کافر کہا جائے گا، اس شخص کو جھٹلا دے یا انکار کرے، قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کا یا اس چیز کا جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل متواتر کے ساتھ یقینی طور پر

معلوم ہوا ہے۔ اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جیسے کوئی پانچ نمازوں یا ان کی رکعات کے عدد یا سجدوں کا انکار کرے۔ اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز تو فی الجملہ واجب کی ہے۔ ان صفات اور شروط کے ساتھ میں اس کو نہیں مانتا، کیونکہ اس کی قرآن میں کوئی نص جلی نہیں ہے۔

اور شرح شفاء قاضی عیاضؒ میں ہے:

و کذا لک ان عقد اجماعہم علی ان مخالفة السمع
الضروری کفر و خروج عن الاسلام. (ص: ۱۲۱)

ایسے ہی سب کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ یقینی روایات کی مخالفت کفر، اور اسلام سے خروج ہے۔

تنبیہ

یہاں صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے کا ضابطہ عام نہیں، بلکہ وہ تاویل جو ضروریات دین کے خلاف کی جائے وہ تاویل نہیں، بلکہ تحریف اور الحاد ہے۔ اور باجماع امت کفر ہے۔ اور اگر تاویل مطلقاً دفع کفر کے لئے کافی سمجھی جائے، تو شیطان بھی کافر نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنے فعل کی تاویل پیش کر رہا ہے۔ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین اسی طرح بت پرست مشرکین بھی کافر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے۔ مانعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جو تاویل کسی نص صریح یا اجماع یا ضروریات دین کے مخالف ہو، وہ تاویل نہیں، بلکہ تحریف اور تکذیب رسول ہے۔ جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

جو لوگ ایمان و اسلام کا اظہار کرتے ہیں، اور نماز، روزہ وغیرہ کے پابند ہیں، مگر اسلام کے کسی قطعی اور یقینی حکم میں تاویلات باطلہ کر کے تصریحات کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف اس کا مفہوم بدلتے ہیں، ان کو کافر و مرتد قرار دینے پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ گواہل قبلہ ہیں، اور اہل قبلہ کی تکفیر باتفاق امت ممنوع ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس جگہ اہل قبلہ کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اصل اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں ہیں۔ ایک وہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں اطاعت امراء کے بارے میں حضرت انسؓ سے منقول ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا و صلی
صلوتنا و اکل ذبیحتنا فهو مسلم الا ان تروا کفراً بواحا
عند کم من الله فیہ برهان.

جو شخص لا الہ الا اللہ کی شہادت دے، اور ہمارے قبلہ کی استقبال کرے، اور ہماری نماز پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو یہی مسلمان ہے۔ مگر یہ کہ دیکھو تم کفر صریح، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں دلیل ہو۔

اور دوسری روایت ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے۔ جس کا متن یہ ہے:

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

ثلاث من اصل الايمان الكف عمن قال لا اله الا الله ولا
تكفره بذنوب ولا تخرجه من الاسلام بعمل الحديث.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں، رکنا اس شخص
سے جو لا اله الا اللہ کہے، اور نہ تکفیر کرو اس کی کسی گناہ کے
سبب، اور نہ اسے خارج از اسلام قرار دو کسی عمل کے سبب۔

اس میں سے پہلی حدیث میں تو ختم کلام پر خود ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ کلمہ
گو کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل موجب کفر
صریح اور ناقابل تاویل یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اس کی تصریح ہے کہ کسی گناہ یا عمل کی وجہ
سے خواہ وہ کتنا ہی سخت ہو، کافر نہ کہا جائے گا۔ لیکن باتفاق علماء امت، گناہ سے
مراد اس جگہ کفر کے سوا دوسرے گناہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عملی خرابیاں، فسق و فجور
کتنا ہی زیادہ ہو جائے، ان کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا۔ نہ یہ کہ وہ
قطعیات اسلام کے خلاف عقائد کا اظہار بھی کرتا رہے، تب بھی اس کو کافر نہ
سمجھا جائے۔

مانعین زکوٰۃ اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کافر و مرتد قرار
دے کر، ان سے جہاد کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع اس کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ
اہل قبلہ جن کی تکفیر ممنوع ہے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر لے یا
نماز پڑھ لے۔ اس کو کسی عقیدہ باطلہ کی وجہ سے بھی کافر نہ کہا جائے۔ بلکہ معلوم ہوا
کہ کلمہ گویا اہل قبلہ یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان کے مفہوم میں صرف وہ مسلمان داخل
ہیں، جو شعائر اسلام نماز وغیرہ کے پابند ہونے کے ساتھ تمام موجبات کفر اور

عقائد باطلہ سے پاک ہوں۔

اہل قبلہ کا یہ مفہوم تمام علماء امت کی کتابوں میں بصراحت و وضاحت موجود
ہے۔ ذیل میں چند اقوال ائمہ اسلام کے پیش کئے جاتے ہیں، جن سے دو چیزوں
کی شہادت پیش کرنا مقصود ہے۔

۱..... اہل قبلہ کا صحیح مفہوم۔

۲..... اصل موضوع بحث پر شہادت کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام میں
قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ مفہوم کے خلاف کوئی مفہوم قرار دینا
بھی تکذیب رسول کے حکم میں ہے۔ اور ایسی تکذیب کو ”زندقہ والحاذ“ کہا جاتا ہے۔
محقق ابن امیر الحاج جو حافظ ابن حجر اور شیخ ابن ہمام کے مشہور شاگرد اور
محقق ہیں۔ شرح تحریر الاصول میں ”اہل قبلہ“ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو الموافق على ما هو من ضروريات الاسلام
كحدوث العالم وحشر الاجساد من غير ان يصدر عنه
شي من موجبات الكفر قطعاً من اعتقاد راجع الى وجود
اله غير الله تعالى او حلوله في بعض اشخاص الناس او
انكار نبوة محمد صلى الله عليه وسلم او ذمه او
استخفافه ونحو ذلك المخالف في الاصول سواها
(الى ان قال) وقد ظهر من هذا ان عدم تكفير اهل القبلة
بذنوب ليس على عمومها الا ان يحمل الذنب على ما
ليس بكفر فيخرج الكفر به كما اشار اليه السبكي.

(شرح تحریر)

اہل قبلہ وہ ہے جو موافق ہو تمام ضروریات اسلام کے۔ جیسے

عالم کا حدوث، اور حشر اجساد، اس طرح پر کہ اس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر نہ ہو، مثلاً ایسا اعتقاد جو مفہمی ہو حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کے ماننے کو اور خدا تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کرنے کو، یا نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کو، یا آپ کی مذمت یا آپ کے استخفاف کو۔ اور اسی طرح کی اور باتیں (یہاں تک کہ مصنف فرماتے ہیں کہ) اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ ہاں اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ لیا جائے۔ جیسا کہ علامہ سبکی نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے، تو عموم مراد ہو سکتا ہے۔

نیز شرح مقاصد میں عدم تکفیر اہل قبلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال: المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اهل القبلة ليس بكافر مالم يخالف ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد.

قال الشارح: ومعناه ان الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الاسلام كحدوث العالم وحشر الاجساد و ما يشبه ذالك واختلفوا في اصول سواها كمسئلة الصفات وخلق الافعال وعموم الارادة وقدم الكلام وجواز الرؤية ونحو ذالك مما لا نزاع فيه ان الحق فيه واحد هل يكفر المخالف للحق بذالك الاعتقاد و بالقول به ام لا. فلا نزاع في كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى

الحشر ونفى العلم بالجزئيات ونحو ذالك وكذا بصدور شئ من موجبات الكفر عنه. (شرح مقاصد) ساتواں بحث اس شخص کے حکم میں جو مخالف حق ہو، اہل قبلہ میں سے کہ وہ کافر نہیں، جب تک مخالفت نہ کرے کسی چیز کی ضروریات دین میں سے جیسے عالم کا حادث ہونا، اور حشر و نشر۔ شارح فرماتے ہیں: اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جو لوگ ضروریات اسلام پر تو متفق ہیں، جیسے حدوث عالم اور حشر وغیرہ، اور ان کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں۔ جیسے ”مسئلہ صفات“ اور ”خلق افعال“ اور ”عموم ارادہ“ اور ”کلام اللہ کا قدیم ہونا“ اور ”رؤیۃ اللہ“ کا جواز وغیرہ، جن میں کوئی نزاع اس امر میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے۔ تو کیا اس اعتقاد اور اس کا قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالف حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ سو کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے اہل قبلہ کی تکفیر میں جو تمام عمر طاعات پر مداومت کرنے کے ساتھ ”قدم عالم“ اور ”نفی حشر“ اور ”نفی علم بالجزئیات“ وغیرہ کا قائل ہو، اور اسی طرح موجبات کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور علی قاریؒ کی شرح فقہ اکبر میں ہے:

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد و علم الله تعالى بالجزئيات و ما اشبه ذالك من

المسائل المهمات فمن واطب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفى الحشر او نفى علمه سبحانه تعالى بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد باهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يوجد شيء من امارات الكفر ولم يصدر عنه شيء من موجباته (شرح فقہ اکبر ص: ۱۸۹)

جاننا چاہیے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں۔ جیسے حدوث عالم اور حشر نشر اور علم اللہ بالجزئیات وغیرہ، پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات کا پابند ہونے کے باوجود قدم عالم اور نفی حشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے۔ اور مراد اہل قبلہ سے اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی، جب تک علامات کفر میں سے کوئی چیز اس میں نہ پائی جائے۔ اور جب تک اس سے موجبات کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو۔

اور فخر الاسلام بزدویؒ کی کشف الاصول باب الاجماع ص: ۲۳۸ ج: ۳ میں، نیز امام سیف الدین آمدی کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں اور غایۃ التحقیق شرح اصول حسامی میں ہے:

ان غلافیه (ای فی ہواہ) حتی وجب اکفارہ بہ لا یعتبر خلافہ و وفاقہ ایضاً لعدم دخوله فی مسمی الامۃ المشہود لها بالعصمة وان صلی الی القبلة واعتقد نفسه مسلماً لان الامۃ لیست عبارة عن

المصلین الی القبلة بل عن المؤمنین و هو کافر و ان کان لا یدری انه کافر. (غایۃ التحقیق)

اگر غلو کیا اپنی خواہشات نفسانیہ میں حتیٰ کہ واجب ہو گئی اس کی تکفیر، اس کی وجہ سے اجماع میں اس کے خلاف یا مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگرچہ وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو، اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو، کیونکہ ”امت“ قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ”مؤمنین“ کا نام ہے، اور وہ کافر ہے، اگرچہ اس کو اپنے کافر ہونے کا علم نہ ہو۔

اور رد المحتار باب الامامة میں علامہ شامیؒ نے بحوالہ شرح تحریر الاصول ابن ہمامؒ لکھا ہے۔

لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات کما فی شرح التحریر (شامی ص: ۲۷۷ ج: ۱)

جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو، اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو، اور تمام عمر طاعات پر پابند رہے۔

اور البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

والحاصل ان المذهب عدم تکفیر احد من المخالفین فیما لیس من الاصول المعلومة من الدین ضرورة (بحر الرائق)

اور حاصل یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ مخالفین میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، جو اصول دین کے سوا کسی چیز میں مخالف ہیں۔
اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں ہے:

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق
بضروريات الدين اى الامور التى علم ثبوتها فى الشرع
واشتهر فممن انكر شيئاً من الضروريات كحدوث العالم
وحشر الاجساد و علم الله سبحانه بالجزئيات و
فرضية الصلوة والصوم لم يكن من اهل القبلة ولو
كان مجاهداً بالطاعات وكذلك من باشر شيئاً من
امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعى
والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة ومعنى عدم تكفير
اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصى ولا بانكار
الامور الخفية غير المشهورة. (نبراس ص: ۵۷۳)

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ ہے، جو تمام ضروریات
دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شریعت میں
معلوم و مشہور ہے۔ پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریات دین
میں سے، جیسے حدوث عالم اور حشر اور علم اللہ بالجزئیات اور
فرضیت نماز و روزہ تو وہ اہل قبلہ سے نہ ہوگا، اگرچہ وہ طاعات کا
پابند ہو۔ اور اسی طرح وہ شخص بھی اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا، جو کسی
ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے۔ جیسے
بت کو سجدہ کرنا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے کہ جس سے امر شرعی

کا استہزاء اور اہانت ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ
کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے اس کی تکفیر نہ کی
جائے، یا امور خفیہ غیر مشہورہ کے انکار سے اس کی تکفیر نہ کی
جائے۔

اور علم عقائد کی معروف و مستند کتاب مواقف میں ہے:

لا يكفر اهل القبلة الا فيما فيه انكار ما علم مجيئه به
بالضرورة او اجمع عليه كاستحلال المحرمات.

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی، مگر اس صورت میں کہ اس میں
ضروریات دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم آئے، جس پر
اجماع ہو چکا ہے۔ جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔
اور شرح فقہ اکبر میں ہے:

ولا يخفى ان المراد بقول علمائنا لا يجوز تكفير
اهل القبلة بذنب ليس مجرد التوجه الى القبلة فان
الغلاة من الروافض الذين يدعون ان جبرئيل غلط في
الوحي فان الله تعالى ارسله الى على و بعضهم قالوا انه
اله وان صلوا الى القبلة ليسوا بمؤمنين وهذا هو المراد
بقوله صلى الله عليه وسلم من صلى صلوتنا و اكل
ذبيحتنا فذالك مسلم. (شرح فقہ اکبر)

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی مراد کہ اہل
قبلہ کی تکفیر کسی گناہ کے سبب جائز نہیں، محض قبلہ کی طرف رخ

کر لینے کی نہیں۔ کیونکہ بعض متشدد روافض ایسے ہیں، جو مدعی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ معبود ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے رہیں، مگر مومن نہیں۔ اور یہی مراد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ”جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو یہی مسلم ہے۔“

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے:

فلا نکفر اهل القبلة ما لم یأت بما یوجب الکفر
وهذا من قبیل قوله تعالى ان الله یغفر الذنوب جمیعاً مع
ان الکفر غیر مغفور ومختار جمہور اهل السنة من
الفقهاء والمتکلمین عدم اکفار اهل القبلة من المبتدعة
المأولة فی غیر الضرورية لكون التاویل شبهة کما فی
خزانة الجرجانی والمحیط البرهانی واحکام الرازی
واصول البزدوی ورواه الکرخی والحاکم الشہید
عن الامام ابی حنیفة والجرجانی عن الحسن بن زیاد و
شارح المواقف والمقاصد والامدی عن الشافعی
والاشعری لا مطلقاً. (کلیات ابوالبقاء ص: ۵۵۴)

پس ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں گے، جب تک ان سے
موجبات کفر کا صدور نہ ہو۔ اور یہ اسی طرح ہے، جیسے حق تعالیٰ کا
فرمان ہے کہ ”اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے“ باوجود اس

کے کہ کفر غیر مغفور ہے۔ اور مذہب جمہور اہل السنّت کا فقہاء
ومتکلمین میں سے بدعتی جو تاویلات کرتے ہیں غیر ضروریات دین
میں، ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ خزانہ
جرجانی، اور محیط برہانی، اور احکام رازی، اور اصول بزدوی میں
ہے۔ اور یہی روایت کیا ہے کرخی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہؒ
سے، اور جرجانی نے حسن بن زیاد سے اور شارح مواقف اور
المقاصد اور آمدی نے شافعی سے اور اشعری سے۔

اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے:

اذ لا یکفر احدا من اهل القبلة الا بانکار قطعی من
الشريعة. (ص: ۱۴۳)

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، مگر بسبب انکار کے
کسی قطعی حکم شرع کا۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے:

وچوں ایں فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ اندر تکفیر آ نہا جرأت نیاید نمودتا
زمانے کہ انکار ضروریات دینیہ نمایند و رد متواترات احکام شرعیہ
نکنند و قبول ما علم مجیہ من الدین بالضرورة نکنند

(مکتوبات ص: ۳۸ ج: ۲، ص: ۹ ج: ۸)

اور چونکہ یہ فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ ہیں، اس لئے ان کی تکفیر میں
جرأت نہیں کرنی چاہئے، جب تک کہ یہ ضروریات دین کا انکار اور
متواترات احکام شرعیہ کا رد نہ کریں، اور ضروریات دین کو قبول نہ

کریں۔

عقائد عضدیہ میں ہے:

لا نکفر احدا من اهل القبلة الا بما فيه نفى الصانع
المختار او بما فيه شرك او انكار النبوة وانكار ما علم
من الدين بالضرورة او انكار مجمع عليه واما غير
ذالك فالقائل مبتدع و ليس كافر.

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کریں گے، مگر اس سبب
سے کہ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی نفی ہو، اور یا جس میں شرک
ہو، یا انکار نبوت ہو، یا ضروریات دین کا انکار ہو، یا کسی مجمع علیہ امر
کا انکار ہو۔ اور اس کے سوا پس اس کا قائل مبتدع ہے کافر نہیں۔

کسی مدعی اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط

مذکور الصدر تقریر سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہر قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کو
اہل قبلہ نہیں کہتے، یہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے حق
میں بولا جاتا ہے، جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں، اور ضروریات دین میں
سے کسی چیز کا انکار یا تحریف نہ کریں۔ جس کی بناء پر بہت سے ایسے لوگوں کو بھی کافر
قرار دینا پڑے گا، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور نماز و روزہ بھی ادا کرتے
ہیں، قرآن کی تلاوت اور خدمت بھی کرتے ہیں، مگر اسلام کے قطعی اور ضروری
احکام میں سے کسی حکم کے منکر ہیں۔

لیکن اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی
تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے، جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے۔ اور ایک زمانہ سے
یہ خطرہ صرف خطرہ ہی نہیں رہا، بلکہ ایک واقعہ بن گیا ہے کہ حقائق دین سے
ناواقف کچھ نام کے علماء نے یہ پیشہ بنا لیا کہ ذرا سی بات پر مسلمان کو کافر قرار
دینے لگے۔ باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے، اس میں ان لوگوں کو کتب فقہ کے ان
مسائل سے بھی دھوکا لگا جو کلمات کفریہ کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ فلاں
فلاں باتیں کلمہ کفر ہیں، جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعیات
اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، اس کو کلمہ کفر قرار دیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ
ہی حضرات فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ان کلمات کے کلمات کفر
ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں، اس کو بے
سوچے سمجھے اور بدون تحقیق مراد کے کافر کہہ دیا جائے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو
جائے کہ اس کی مراد وہی معنی و مفہوم ہیں، جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا

انکار ہے۔

لیکن حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنا لیا، اور تکفیر بازی شروع کر دی۔ جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے، جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہو کر رہ گئی۔ جو مدعی اسلام درحقیقت کافر ہیں، ان کو یہ کہنے کو موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں، ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ کو بھی واضح کر دیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے۔ معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیق مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے۔ اس بے احتیاطی کے متعلق امام غزالیؒ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید توضیح و تاکید کیلئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیر مسلم خود کفر ہے

حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکفر رجل رجلاً الا بآء احدهما به ان کان کافراً و الا کفر بتکفیرہ و فی رواۃ فقد وجب

الکفر علیٰ احدهما۔ (ترغیب وترہیب المنذر ص: ۵۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر تھا، تب تو وہ کافر ہوا ہی۔ ورنہ یہ تکفیر کرنے والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہو گیا۔

ایک شبہ اور جواب

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے، تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ لیکن کفر کی جو تعریف بنص قرآن اوپر لکھی گئی ہے، وہ بظاہر اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی، جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط طور پر کافر کہہ دیا۔ کیوں کہ ایسا کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی، اور نہ اس کے رسول کی، اسی لئے بعض فقہاء نے اس کو محض تہدید و تخویف پر محمول کیا ہے۔ جیسے ترک صلوٰۃ پر نقد کفر کے الفاظ بطور تہدید کے آئے ہیں، جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار الملعونین ص: ۵۱) اور امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ایثار الحق علی الخلق ص: ۴۳۲ میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد و خیالات کفر ہیں، تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں، تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا، اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور

انکار ہے۔

لیکن حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار لیا، اور تکفیر بازی شروع کر دی۔ جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے، جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہو کر رہ گئی۔ جو مدعی اسلام درحقیقت کافر ہیں، ان کو یہ کہنے کو موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں، ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ کو بھی واضح کر دیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے۔ معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیق مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے۔ اس بے احتیاطی کے متعلق امام غزالیؒ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید توضیح و تاکید کیلئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیر مسلم خود کفر ہے

حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکفر رجل رجلاً الا بآء احدهما به ان کان کافراً و الا کفر بتکفیرہ و فی رواية فقد وجب

الکفر علیٰ احدهما۔ (ترغیب و ترہیب المنذر ص: ۵۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر تھا، تب تو وہ کافر ہوا ہی۔ ورنہ یہ تکفیر کرنے والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہو گیا۔

ایک شبہ اور جواب

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے، تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ لیکن کفر کی جو تعریف بنص قرآن اوپر لکھی گئی ہے، وہ بظاہر اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی، جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط طور پر کافر کہہ دیا۔ کیوں کہ ایسا کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی، اور نہ اس کے رسول کی، اسی لئے بعض فقہاء نے اس کو محض تہدید و تخویف پر محمول کیا ہے۔ جیسے ترک صلوٰۃ پر فقہ کفر کے الفاظ بطور تہدید کے آئے ہیں، جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار الملحدین ص: ۵۱) اور امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ایشار الحق علی الخلق ص: ۴۳۲ میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد و خیالات کفر ہیں، تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں، تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا، اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور

رسول کی تکذیب ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله

جو شخص ایمان سے انکار کرے اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں، اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے، اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا، تو کہنے والا باتفاق کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا، اگرچہ حضرات فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ جب تک کہ اس کے عقیدہ کفریہ یا کلمہ کفریہ کی کوئی جائز تاویل ہو سکتی ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا۔ تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمہ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا، تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدہ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہو۔ مثلاً اس کو خیال ہو کہ فلاں آدمی نے معاذ اللہ کسی نبی کی توہین کی ہے، یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے، تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا وہ اس خیال کی تحقیق کرتا، اور خلاف واقع پا کر بدگمانی سے باز آ جاتا۔ لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا، اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا، اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضرات فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے، جس میں سوا احتمال میں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں، اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بن سکتے ہوں، تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو، اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے۔ بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول و فعل سے اس کی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں، جن سے کفر عائد ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر و وجه واحد يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذالك الوجه الا اذا صرح بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه التاويل حينئذ.
جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں، اور ایک وجہ مانع کفر ہو، تو مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو۔ مگر جب کہ قائل اس وجہ کی تصریح کر دے، جو موجب کفر ہے، تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے اس کلام کے یہ معنی نہیں، جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عقائد و اقوال میں ایک عقیدہ و قول بھی ایمان کا ہو، تو اس کو مومن سمجھو۔ کیونکہ یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتیٰ کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے

رسول کی تکذیب ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله

جو شخص ایمان سے انکار کرے اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں، اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے، اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا، تو کہنے والا باتفاق کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا، اگرچہ حضرات فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ جب تک کہ اس کے عقیدہ کفریہ یا کلمہ کفریہ کی کوئی جائز تاویل ہو سکتی ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا۔ تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمہ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا، تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدہ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہو۔ مثلاً اس کو خیال ہو کہ فلاں آدمی نے معاذ اللہ کسی نبی کی توہین کی ہے، یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے، تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا وہ اس خیال کی تحقیق کرتا، اور خلاف واقع پا کر بدگمانی سے باز آ جاتا۔ لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا، اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا، اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضرات فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے، جس میں سو احتمال میں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں، اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بن سکتے ہوں، تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو، اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے۔ بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول و فعل سے اس کی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں، جن سے کفر عائد ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذالك الوجه الا اذا صرح بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه التاويل حينئذ.
جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں، اور ایک وجہ مانع کفر ہو، تو مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو۔ مگر جب کہ قائل اس وجہ کی تصریح کر دے، جو موجب کفر ہے، تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے اس کلام کے یہ معنی نہیں، جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عقائد و اقوال میں ایک عقیدہ و قول بھی ایمان کا ہو، تو اس کو مومن سمجھو۔ کیونکہ یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتیٰ کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے

موافق ہوتا ہے۔ بلکہ مقصد حضرات فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے، جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدہ کفریہ سے نکل جاتا ہے، اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدہ کفریہ ٹھہراتے ہیں، تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے اس کو مومن ہی قرار دے۔ بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیث مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے خواہ محض تہدید و تخویف کے لئے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے۔ (الیواقیت للشعرانی) یا اس سے حقیقتاً کفر مراد ہو، بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

اور اسی بناء پر محققین علماء و فقہاء نے ایسے کلمات و عقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا اس کے کوئی صحیح معنی کسی تاویل جائز سے بن سکتے ہوں۔ کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ و کلمہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی یقینی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان

قرار دینا اگر اپنے اختیار و ارادہ سے ہو، تو بلاشبہ کفر ہے۔ ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں، بلکہ پوری ملت اور اسلامی معاشرہ پر ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ اس سے پوری ملت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ نکاح، نسب، میراث، ذبیحہ، امامت، نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سبھی پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسب تقریر مذکور اصطلاح شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے، جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل سے اور زبان سے معترف بھی ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ عقائد کفریہ رکھتا ہے، یا ضرورت دین میں تاویل باطل کر کے احکام دین کی تحریف کرتا ہے۔ اس کا معاملہ نہایت خطرناک منزلۃ الاقدام ہے۔ اس میں ذرا سی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کر سکتی ہے، اور ایک دشمن اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مارا آستین بھی بنا سکتی ہے۔ اور یہ دونوں خطرے ملت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب و نتائج نہایت دور رس ہیں۔

موافق ہوتا ہے۔ بلکہ مقصد حضرات فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے، جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدہ کفریہ سے نکل جاتا ہے، اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدہ کفریہ ٹھہراتے ہیں، تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے اس کو مومن ہی قرار دے۔ بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیث مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے خواہ محض تہدید و تخویف کے لئے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے۔ (الیواقیت للشعرانی) یا اس سے حقیقتاً کفر مراد ہو، بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

اور اسی بناء پر محققین علماء و فقہاء نے ایسے کلمات و عقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا اس کے کوئی صحیح معنی کسی تاویل جائز سے بن سکتے ہوں۔ کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ و کلمہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی یقینی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان

قرار دینا اگر اپنے اختیار و ارادہ سے ہو، تو بلاشبہ کفر ہے۔ ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں، بلکہ پوری ملت اور اسلامی معاشرہ پر ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ اس سے پوری ملت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ نکاح، نسب، میراث، ذبیحہ، امامت، نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سبھی پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسب تقریر مذکور اصطلاح شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے، جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل سے اور زبان سے معترف بھی ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ عقائد کفریہ رکھتا ہے، یا ضرورت دین میں تاویل باطل کر کے احکام دین کی تحریف کرتا ہے۔ اس کا معاملہ نہایت خطرناک منزلۃ الاقدام ہے۔ اس میں ذرا سی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کر سکتی ہے، اور ایک دشمن اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مارا آستین بھی بنا سکتی ہے۔ اور یہ دونوں خطرے ملت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب و نتائج نہایت دور رس ہیں۔

فوائد ضروریہ

منقول از رسالہ وصول الافکار

ابناء زمانہ کی افراط و تفریط اور کفر و اسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی دیکھ کر آج سے تیس سال پہلے ۱۳۵۱ھ میں احقر نے ایک سوال کے جواب میں مفصل مقالہ لکھا تھا، جو بنام ”وصول الافکار الی اصول الکفار“ شائع بھی ہو چکا ہے۔ اس جگہ بھی اس کا خلاصہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے:

حقیقت یہ ہے کسی مسلمان کو کافریا کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ قَالُوا لَكُمْ السَّلَامُ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغْنَمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمِنَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ فِتْنَةٌ إِنْ اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا . (سورة نساء پ: ۵، ع: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو، تو ہر کام کو

تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے، دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں۔ پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔ سو غور کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ یعنی جب تم اول مسلمان ہوئے تھے، اگر تمہیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں، تو تم کیا کرتے؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے، تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے۔ اسی طرح اسکے مقابل یعنی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا . (نساء پ: ۵، ع: ۹)

کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں، اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر جلالین میں ان تھدوا کی تفسیر یہ کی ہے: ای تعدوہم من جملة المهتدين یعنی کفار کو اہل ہدایت شمار کرنا۔

سلف صالح صحابہ و تابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں۔ حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس

باب کو نہایت اہم اور دشوار گزار سمجھا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تیقظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ علامہ قاریؒ نے شرح شفاء، فصل: تحقیق القول فی اکفار المتداولین میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

ادخال کافر فی الملة الاسلامیة او اخراج مسلم عنها عظیم فی الدین (شرح شفاء ج: ۲ ص: ۵۰۰)

کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا دونوں سخت چیزیں ہیں۔

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کو کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات سرزد ہوئی، اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا۔ ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے، جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقت محصلہ نہیں رہتی۔ بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں، جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن و حدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے۔ انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے۔ اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہر حال مسلمان ہے۔ اور اس کو اپنے نزدیک وسعت خیال اور وسعت حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کج روی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے، اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے، وہ مسلمان ہے۔ اور جو اس قانون الہی کے کسی قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے، وہ بلاشبہ و بلا تردید دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے دائرۃ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے۔ اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے۔ اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

سوال اول..... کفر و اسلام کا معیار کیا ہے اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟

الجواب..... ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھر جانے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے۔ جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے۔ یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر دے۔

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے۔ لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے، جو انکار قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہوں۔ مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و

قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے، جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے۔ اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے، جس کے اہم جزو دو ہیں۔ ایک حق سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، لیکن جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے، بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن و حدیث میں بتلائی ہیں۔ ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود و صفات کو مانتا ہے۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ کے وجود کو مان لے، کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تریسٹھ سال عمر ہوئی، فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے، جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل میں بتلائی ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر
بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت
ویسلموا تسلیماً. (سورۃ نساء، ع: ۶)

قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں

ہو سکتے، جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات و اختلافات میں حکم نہ بنادیں۔ اور پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں، اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔
روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:

فقد روی عن الصادق رضی اللہ عنہ انہ قال لو ان
قوما عبدوا اللہ تعالیٰ و اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ
و صاموا رمضان و حجوا البیت ثم قالوا لشئ صنعہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا صنع خلاف ما صنع
او وجدوا فی انفسہم لکانوا مشرکین ثم تلا هذه
الایۃ. (روح المعانی ج: ۶، ص: ۶۵)

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، یوں کہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، اس کے خلاف کیوں نہ کیا، اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے، تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے۔ اور اس میں کسی قسم کا پس و پیش یا تردد نہ کیا جائے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہو گئی ہیں۔ تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں کفر و ارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے، جو قطعی الثبوت بھی ہوں، اور قطعی الدلالتہ بھی۔ قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو، جن کے روایت کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ (اسی کو اصطلاح میں تواتر اور ایسی احادیث کو احادیث متواترہ کہتے ہیں۔)

اور قطعی الدلالتہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے، یا حدیث متواتر سے ثابت ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو۔ اس میں کسی قسم کی الجھن یا ابہام نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلم پر موقوف نہ رہے، بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثہ وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا، چوری، شراب خوری کا گناہ ہونا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں، وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں۔ ضروریات نہیں۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہو گئی، تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح ہو گئی۔ کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے۔ (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان و کفر کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے نہ مانے، بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام قطعی و یقینی طور پر ثابت ہیں، ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے) انکار کر دیا جائے۔ اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے، اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

تنبیہ

ہاں اس جگہ دو باتیں قابل خیال ہیں۔ اول تو یہ کہ کفر و ارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے، جب کہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے۔ اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے، مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا، تو اس کو کفر و ارتداد نہ کہا جائے گا۔ اگرچہ ساری عمر ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے، مگر اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا، اگرچہ کسی وجہ سے وہ ساری عمر اس پر عمل بھی کرتا رہے، جب بھی کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے۔ اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے، مگر کبھی نہیں پڑھتا، اگرچہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریات دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا۔ اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائیگی۔

اور قطعیات محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچے، تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عام آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے انکار کر بیٹھے، تو ابھی اس کے کفر و ارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے، تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

كما في المسائرة والمسامرة لابن الهمام و لفظه
واما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق
بنت الابن السدس مع البنت الصليبه باجماع
المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحدہ بانهم
لم يشترطوا في الاكفار سوى القطع في الثبوت (الى
قوله) ويجب حملة على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعاً.
(مسامرة ص: ۱۴۹)

اور جو حکم قطعی الثبوت ہو، مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو، جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں، تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔ سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ (الی قولہ)

مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے، اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے، یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے، جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں، اور غرض معروف بدل جائے۔

ضابطہ تکفیر

اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطہ شرعیہ یہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو، اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو، اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے، جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے، تو اس شخص کے کفر میں کوئی تاویل نہ کیا جائے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

گے۔ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے، جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوا هم و قولوا امنا
بالله و ما انزل الينا . (رواہ البخاری)

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو، نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی۔
دوسری فقہی نظیر احکام خنثی ہیں:

يؤخذ فيه بالاحوط و الاوثق في امور الدين و ان لا
يحكم بثبوت حكم وقع الشك في ثبوته و اذا وقف
خلف الامام قام بين صف الرجال و النساء و يصلي
بقناع و يجلس في صلاته جلوس المرأة و يكره له في
حياته لبس الحلي و الحرير و ان يخلوا به غير محرم من
رجل او امرأة او يسافر مع غير محرم من الرجال و
الاناث و لا يغسله رجل و لا امرأة و يتمم بالصعيد و
يكفن كما يكفن الجارية و امثاله مما فصله الفقهاء
(اشعبان ۱۱ھ)

خنثی مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی
جاوے، جس میں احتیاط ہو۔ اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم
نہ کیا جاوے، جس کے ثبوت میں شک ہو۔ اور جب وہ امام کے
پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو، تو مردوں اور عورتوں کی صف کے
درمیان کھڑا ہو۔ اور عورتوں کی صف میں کھڑا ہو، تو نماز بڑھے،

تمتہ مسئلہ

ازامداد الفتاوی جلد سادس

یہ کل بیان اس صورت میں تھا، جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ کفر یہ رکھنا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے۔ لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں؟ تو اس کیلئے احوط و اسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاوی میں درج ہے، جس کو بعینہ ذیل میں بطور تمتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کا سبب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرآن کا تعارض ہو، یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا، حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاست کا فرمانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو، اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو، ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو سکوت کریں

اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے، جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں۔ اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے، یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے۔ جو اس کا محرم نہ ہو، اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت، بلکہ تیمم کرادیا جاوے، اور کفن ایسا دیا جاوے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

خلاصہ رسالہ

مع جواب بعض شبہات

اس معاملہ میں سب سے پہلی بات قابل نظریہ ہے کہ دائرۃ اسلام سے نکلنے یا کافر ہونے کے لئے اس کا قصد و ارادہ ضروری نہیں، شیطان اکبر ”ابلیس“ نے کافر ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا، مگر اس کی حرکت نے اس کو کافر بنا دیا۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے:

وكان من الكافرين

اور تھا وہ کافروں میں سے

قرن اول میں مانعین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے متبعین نے بھی ملت

اسلامیہ کو چھوڑا نہیں تھا، مگر باجماع صحابہ، اسلام سے خارج قرار دیئے گئے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر تاویل کے ساتھ انکار کرنے کو، مطلقاً انکار و تکذیب سے خارج قرار دیا جائے، تو پھر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑے کافر بھی دائرۃ اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ”بت پرست“ اور یہود و نصاریٰ سبھی کو مسلمان کہنا پڑے گا۔ کیونکہ شیطان ابلیس نے نہ کبھی خدا کا انکار کیا نہ اس کی خدائی کا، نہ اس کی کسی صفت کا، بلکہ اس نے تو صرف غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ”موحد اعظم“ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس سرکشی کو تکذیب ہی کے حکم میں رکھ کر کفر عظیم قرار دیا۔ اسی طرح عام بت پرست اپنے بتوں کی پرستش کی کبھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم بتوں کو خود خدا نہیں مانتے بلکہ ان کو قرب الہی کا ذریعہ سمجھ کر رضا جوئی کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں خود قرآن کریم نے بت پرستوں کی اس تاویل کو ذکر کر کے ناقابل التفات قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفی

ہم بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ

تعالیٰ سے قریب کر دیں۔

اور کہیں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ بت براہ راست خدا نہیں، بلکہ خدا کی ملک ہیں، مگر غایت تقرب کی وجہ سے یہ بھی علم و قدرت وغیرہ میں خدا کے شریک ہیں۔ حدیث میں ہے کہ مشرکین عرب اپنے حج میں بطور تلبیہ کہا کرتے تھے:

لا شریک لک الا شریکا ھولک

تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے جو تیری ہی ملک ہے۔ یعنی

بت وغیرہ۔

الغرض بت پرست اور مشرکین بھی کلمہ لا الہ الا اللہ کی صریح مخالفت نہیں کرتے بلکہ تاویل کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث نے ایسی تاویلات باطلہ کو تکذیب و انکار ہی کا مرادف قرار دے کر ان سب کو کافر ہی کہا ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث کی تصریحات دربارہ توحید لا شریک لک سے کسی فرد کے استثناء کی متحمل نہیں، اور لا الہ الا اللہ کا عموم اپنے ظاہری معنی پر بلا کسی تخصیص و استثناء کے امت اسلامیہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اسی طرح جو شخص آیت خاتم النبیین یا حدیث لانی بعدی میں امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی تخصیص و استثناء کی راہ نکالے کہ آپ خاتم الانبیاء تو ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، مگر بجز اس کے جو ظلی بروزی طور پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین یا ظل ہو۔ تو یہ درحقیقت مشرکین عرب کی اسی تاویل کا چر بہ ہے، جو وہ الا شریک کا ہولک سے کیا کرتے تھے۔

اگر خاتم النبیین اور لانی بعدی میں تاویلات باطلہ کرنیوالے کو دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے، تو پھر بت پرست اور مشرکین کو بلکہ ان کے معلم و امام، ابلیس کو بھی دائرہ اسلام سے خارج یا کافر نہیں کہہ سکتے۔

اور جو لوگ ایسی تاویلات باطلہ کر کے امت کے اجماعی عقائد اور قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کی تکذیب کرنے والوں کو امت اسلامیہ سے علیحدہ کرنے کو اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ اس سے اسلامی برادری کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان کی تعداد کم ہوتی ہے، یا ان میں تفرقہ پڑتا ہے، تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ اگر تفرقہ اور اختلاف سے بچنے کے یہی معنی ہیں کہ کوئی کچھ کیا کرے، اور کہا کرے، مگر اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے، تو پھر ان مٹھی بھر ملاحدہ و زنادقہ سے ملت کو

کیا سہارا لگتا ہے؟ ایسی پوچ تاویلات کے ذریعہ تو سارے جہاں کے کافروں کو ملت اسلامیہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسی ہی رواداری کرنا ہے، تو پیٹ بھر کے کی جائے، تاکہ دنیا کی ساری قومیں اور سلطنتیں اپنی ہو جائیں، اور یہ کفر و ایمان کی جنگ ہی ختم ہو جائے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس روشن خیالی اور رواداری کے ساتھ قرآن سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

منکم کافر ومنکم مؤمن

بعض تم میں کافر ہیں اور بعض تم میں مؤمن ہیں

کا اعلان کیا، اور جس نے حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تفرقہ قائم کیا، اور جس کا تقریباً آدھا حصہ کفر اور کفار کے ساتھ جہاد و خلاف سے لبریز ہے۔

یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے

آج کل بہت سے وہ لوگ جو اصول دین سے واقف نہیں، ملحدین کے ظاہری نماز روزہ وغیرہ سے متاثر ہو کر ان کو کافر قرار دینے والے علماء پر یہ الزام لگایا کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ مذکور الصدر دلائل سے واضح ہو گیا کہ وہ کسی کو کافر بناتے نہیں، البتہ جو خود اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر ہو جائے، اس کا کافر ہونا مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تکذیب رسول کی یہ صورت جس کا نام ”زندقہ والحاد“ ہے۔ تکذیب و کفر کی بدترین اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر کفر سے زیادہ خطرناک ہے۔ ”ابلیس“ جیسا کافر کفر اسی قسم تکذیب کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تکذیب چونکہ صاف تکذیب کے رنگ میں نہیں ہوئی، اس لئے خود مسلمان بھی اس میں اکثر دھوکا کھاتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ اس کا مرتکب، عام شعائر اسلام نماز، روزہ، تلاوت اور قرآن وغیرہ کا پابند ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن و حدیث اور اکابر امت کی تصریحات سے اس کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، سو بجز اللہ اس رسالہ میں اس کی مکمل تفصیل آگئی۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام کو بذریعہ تاویلات ان کے منصوص اور اجماعی مفہوم سے پھیر کر اس کے خلاف کسی مفہوم پر محمول کرنا، درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث میں جو اہل قبلہ کی تکفیر کو منع کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ جو قبلے کی طرف منہ کر لے، وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ شرع اسلام کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے، جو اسلام کے عام شعائر، نماز وغیرہ مسلمانوں کی طرح ادا کرتے ہوں، اور ان سے کوئی قول و فعل ایسا سرزد نہ ہو، جس سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب ہوتی ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

حررہ العبد الضعیف

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

جنوری ۱۹۵۴ء



وصول الأفكار الی اصول الکفار

تکفیر کے اصول

اور آغا خانی فرقہ کا حکم

سیدی حضرت حکیم الامتہ تھانوی قدس سرہ کی رائے گرامی

تاریخ تالیف _____ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ (مطابق ۱۹۳۲ء)
مقام تالیف _____ دیوبند سہارنپور
طبع اول _____ دارالاشاعت دیوبند ۱۳۵۱ھ

رسالہ وصول الافکار الی اصول الکفار کے متعلق

مولانا عبدالماجد دریابادی کے ایک مفصل خط پر تنقید کے آخر میں حضرت تھانویؒ نے مندرجہ ذیل جملے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ خط ۷ شعبان ۱۳۵۱ھ کا تحریر فرمودہ ہے۔ اور ماہنامہ ”النور“ تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا تھا اور پھر اراد الفتاویٰ مبوب کی جلد چہارم ص: ۵۳۹ پر شائع ہوا ہے وہ جملے یہ ہیں:

”مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے، بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا، مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہو گیا۔ وہ عنقریب چھپ جاوے گا، میں نے اس کا نام رکھا ہے

وصول الافکار الی اصول الکفار“

۷ شعبان ۱۳۵۱ھ

کفر اور اسلام کا معیار کیا ہے؟ کسی مسلمان کو کس وجہ سے مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟ اور کونسی گمراہیاں انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں؟ ان سوالات کا جواب اس مقالہ کا موضوع ہے، اور اس ضمن میں چکڑالوی، مرزائی اور آغا خانی فرقوں کی صحیح حیثیت واضح کی گئی۔

مسلمان ہوئے تھے اگر تمہیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں تو تم کیا کرتے۔)

الغرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے، تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے۔ اسی طرح اس کے مقابل یعنی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:

اتريدون ان تهدوا من اضل الله ومن يضل الله فلن تجد له سبيلاً (نساء : ۸۸)

کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں، اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

سلف صالح صحابہ و تابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں۔ حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار گزار سمجھا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تیقظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ قاریؒ نے شرح شفاء فصل (تحقیق القول فی اکفار المتأولين) میں فرمایا ہے:

ادخال كافر في الملة الاسلامية او اخراج مسلم عنها عظيم في الدين (شرح شفاء ص: ۵۰۰ ج: ۲)

کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا (دونوں چیزیں) سخت ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
خصوصاً سيدنا محمد المجتبی ومن بهدیه اهتدی

اما بعد !

کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:

يا ايها الذين امنوا اذا ضربتم في سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مؤمناً تبتغون عرض الحيوٰة الدنيا فعند الله مغانم كثيرة كذا لك كنتم من قبل فمن الله عليكم فتبينوا ان الله كان بما تعملون خبيراً. (نساء : ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ (یعنی جب تم اول

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کا کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات کسی سے سرزد ہوئی اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا، ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے، جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقت محصلہ نہیں رکھتے، بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن و حدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے۔ انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہر حال مسلمان ہے۔ اور اس کو اپنے نزدیک وسعت خیال اور وسعت حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور تمام سیاسی مصالح کا محور و مدار اسی کو بنا رکھا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کجروی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے، اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے، وہ مسلمان ہے۔ اور جو اس قانون الہی کے کسی ادنیٰ حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلاشبہ و بلا تردد دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے دائرۃ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے۔ اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے۔ اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج

از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اور یہ ایک مضرت ایسی ہے کہ اگر فی الواقع ہزاروں مصالح بھی اس کے مقابلے میں موجود ہوں تو وہ کسی مذہب دوست مسلمان کے لئے ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتیں۔ بالخصوص جب کہ وہ مصالح بھی محض موہوم اور خیالی ہوں۔

الغرض ابنائے زمانہ کی اس افراط و تفریط اور کفر و اسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی کو دیکھ کر مدت سے خیال ہوتا تھا کہ اس بحث پر ایک مختصر جامع رسالہ لکھا جائے، جس میں کفر و اسلام کا معیار ہو۔

اور اصولی طور پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ وہ کون سے عقائد یا اقوال و افعال ہیں، جن کی بنا پر کوئی مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی اثناء میں ذیل کے سوال کا جواب لکھنے کی ضرورت پیش آئی، تو اسی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا۔ جس سے علاوہ اصول تکفیر معلوم ہونے کے بعض فرقوں کا حکم بھی واضح ہو گیا۔ اور مرتد کے بعض احکام بھی معلوم ہو گئے اور اس مجموعے کا نام ”(۱) وصول الافکار الی اصول الکفار“ رکھا گیا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

(۱) یہ رسالہ حضرت مجدد المملۃ، عارف باللہ سیدی حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم نے باستیعاب ملاحظہ فرمایا، اور بہت سی اصلاحات سے مزین فرمایا۔ اور اس کا نام ”وصول الافکار الی اصول الکفار“ تجویز فرمایا۔

سوال اول

کفر و اسلام کا معیار کیا ہے اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟

الجواب

ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھر جانے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے۔ جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے۔ یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے۔ لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے، جو انکار قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہیں۔ مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے۔ اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ارتداد کی اس دوسری صورت میں اکثر مسلمان غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ اگرچہ بظاہر ایک سطحی اور معمولی غلطی ہے۔ لیکن اگر اس کے ہولناک نتائج پر نظر کی جائے، تو اسلام اور مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کفر و اسلام کے حدود ممتاز نہیں رہتے، کافر مؤمن میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ اسلام کے چالاک دشمن اسلامی برادری کے ارکان بن کر مسلمانوں کے لئے ”مارا ستین“ بن سکتے ہیں۔ اور دوستی کے لباس میں دشمنی کی ہر قرارداد کو مسلمانوں میں نافذ کر سکتے ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس صورت ارتداد کی توضیح کسی قدر تفصیل کے ساتھ کردی جائے۔ اور چونکہ ارتداد کی صحیح حقیقت ایمان کے مقابلہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اجمالاً ایمان کی تعریف اور پھر ارتداد کی حقیقت لکھی جاتی ہے۔

ایمان و ارتداد کی تعریف

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے۔ جس کے اہم جزو دو ہیں۔ ایک حق سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لانا۔ دوسرے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ لیکن جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں، کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے۔ بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے، جو قرآن و حدیث میں بتلائی ہیں۔ ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود و صفات کو مانتا ہے۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ کے وجود کو مان لے کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی

طرف ہجرت کی۔ تریسٹھ سال عمر ہوئی، فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے، جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات و اختلافات میں حکم نہ بنادیں۔ اور پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں، اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کو پوری طرح تسلیم نہ کر لیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:

فقد روى عن الصادق رضى الله عنه انه قال لو ان قوما عبدوا الله تعالى و اقاموا الصلوة واتوا الزكوة و صاموا رمضان و حجوا البيت ثم قالوا لشي صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم الا صنع خلاف ما صنع او وجدوا في انفسهم حرجاً لكانوا مشركين ثم تلا هذه الآية (روح المعانی ص: ۶۵ ج: ۵)

حضرت صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کے حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضور سے ثابت ہو یوں کہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، اس کے خلاف کیوں نہ کیا، اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے، تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے، اور اس میں کسی قسم کا پس و پیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہو گئی تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح ہو گئی۔ کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے۔ (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان و کفر کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے نہ مانے۔ بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام قطعی و یقینی طور پر ثابت ہیں، ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے) انکار کر دیا جائے، اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے، اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

اور وجہ یہ ہے کہ کفر و ارتداد حضرت مالک الملک و الملکوت کی بغاوت کا نام ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ بغاوت جس طرح بادشاہ کے تمام احکام کی نافرمانی اور مقابلہ پر کھڑے ہو جانے کو کہتے ہیں، اسی طرح یہ بھی بغاوت ہی سمجھی جاتی ہے کہ کسی ایک قانون شاہی کی قانون شکنی کی جائے اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کر لے۔

شیطان ابلیس جو دنیا میں سب سے بڑا کافر اور کافر گر ہے، اس کا کفر بھی اسی دوسری قسم کا کفر ہے۔ کیونکہ اس نے بھی نہ تبدیل مذہب کیا نہ خدا تعالیٰ کے وجود قدرت وغیرہ کا انکار کیا نہ ربوبیت سے منکر ہوا صرف ایک حکم سے سرتابی کی جس کی وجہ سے ابد الابد کے لئے مطرود و ملعون ہو گیا۔

حافظ ابن تیمیہ الصارم المسلمول ص: ۳۶۷ میں فرماتے ہیں:

كما ان الردة تتجرد عن السب فكذلك تتجرد
عن قصد تبديل الدين و ارادة التكذيب بالرسالة كما
تجرد كفر ابليس عن قصد التكذيب بالربوبية

جیسا کہ ارتداد بغیر اس کے بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں سب و شتم سے پیش آوے، اسی طرح بغیر اس کے بھی ارتداد متحقق ہو سکتا ہے کہ آدمی تبدیل مذہب کا یا تکذیب رسول کا قصد کرے۔ جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر تکذیب ربوبیت سے خالی ہے۔

الغرض ارتداد صرف اسی کو نہیں کہتے کہ کوئی شخص اپنا مذہب بدل دے یا صاف طور پر خدا و رسول کا منکر ہو جائے بلکہ ضروریات دین کا انکار کرنا اور قطعی الثبوت والدلالة احکام میں سے کسی ایک کا بعد علم انکار کر دینا بھی اسی درجہ کا ارتداد اور کفر ہے۔

تنبیہ

ہاں اس جگہ دو باتیں قابل خیال ہیں۔ اول تو یہ کہ کفر و ارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب کہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے۔ اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے، مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا، تو اس کو کفر و ارتداد نہ کہا جائے گا۔ اگرچہ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے۔ بلکہ اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا، اگرچہ کسی وجہ سے وہ ساری عمر اس پر

عمل بھی کرتا رہے، جب بھی کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے۔ اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے، مگر کبھی نہیں پڑھتا، وہ مسلمان ہے۔ اگرچہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہو گئی ہیں۔ تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں۔ کفر و ارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے، جو قطعی الثبوت بھی ہوں، اور قطعی الدلالة بھی۔ قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو، جن کے روایت کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں، کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ (اسی کو اصطلاح حدیث میں تواتر اور ایسی احادیث کو احادیث متواترہ کہتے ہیں)

اور قطعی الدلالة ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے، یا حدیث متواترہ سے ثابت ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو، اس میں کسی قسم کی الجھن نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکام قطعاً اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلم پر موقوف نہ رہے، بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثتاً وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا چوری، شراب خوری، کا گناہ ہونا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں، وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں، ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریات دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے۔ ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا، اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔

اور قطعیات محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچتے، تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عامی آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے انکار کر بیٹھے، تو ابھی اس کے کفر و ارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة احکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

كما في المسامرة والمسامرة لابن الهمام ولفظه و
اما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت
الابن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين
فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحدہ بانهم لم يشترطوا
في الاكفار سوى القطع في الثبوت (الى قوله) ويجب
حملة على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعاً

(مسامرة ص: ۱۳۹)

اور جو حکم قطعی الثبوت ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو، جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں، تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔ سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس

کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے، کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ (الی قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے۔ اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے۔ یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے، جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں۔ اور غرض معروف بدل جائے۔ اور ارتداد کی اس قسم دوم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے:

قال تعالى ان الذين يلحدون في اياتنا لا يخفون
علينا. الاية

جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

اور حدیث میں اس قسم کے ارتداد کا نام زندقہ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ صاحب مجمع البحار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اتى على بن نادقة هي جمع زنديق (الى قوله) ثم
استعمل في كل ملحد في الدين والمراد ههنا قوم
ارتدوا عن الاسلام. (مجمع البحار ص: ۲۹۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زنداقہ (گرفتار کر کے) لائے گئے، زنداقہ جمع زندیق کی ہے، اور لفظ زندیق ہر اس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو دین میں الحاد (بے جا تاویلات) کرے۔

اور اس جگہ مراد ایک مرتد جماعت ہے۔

اور علمائے کلام اور فقہاء اس خاص قسم ارتداد کا نام باطنیت رکھتے ہیں۔ اور کبھی وہ بھی زندقہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی اقسام کفر کی تفصیل اس طرح نقل فرماتے ہیں:

”یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ کافر اس شخص کا نام ہے، جو مومن نہ ہو، پھر اگر وہ ظاہر میں ایمان کا مدعی ہو، تو اس کو منافق کہیں گے۔ اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر میں مبتلا ہوا ہے، تو اس کا نام مرتد رکھا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ سے معبودوں کی پرستش کا قائل ہو، تو اس کو مشرک کہا جائے گا۔ اور اگر ادیان منسوخہ یہودیت و عیسائیت وغیرہ میں کسی مذہب کا پابند ہو، تو اس کو کتابی کہیں گے۔ اور اگر عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو، اور تمام واقعات و حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو، تو اس کو دہریہ کہا جائے گا۔ اور اگر وجود باری تعالیٰ ہی کا قائل نہ ہو، تو اس کو معطل کہتے ہیں۔ اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار اور شعار اسلام نماز، روزہ وغیرہ کے اظہار کے ساتھ کچھ ایسے عقائد دلی رکھتا ہو، جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو زندیق کہا جاتا ہے۔“ (ترجمہ عبارت شرح مقاصد ص: ۲۶۸ و ص: ۲۶۹ ج: ۲) و مثله فی کلیات ابی البقاء ص: ۵۵۳ ص: ۵۵۴۔

زندیق کی تعریف میں جو عقائد کفریہ کا دل میں رکھنا ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مثل منافق کے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کرتا، بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے عقیدہ کفریہ کو ملمع کر کے اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

كما ذكره الشامي حيث قال فان الزنديق يموه

کفرہ و یروج عقیدتہ الفاسدۃ و یخرجہا فی الصورۃ
الصحیحۃ و هذا معنی ابطان الکفر فلا ینافی اظہارہ
الدعویٰ (شامی باب الردص: ۳۵۸ ج: ۳)

علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ زندیق اپنے کفر پر ملمع سازی کرتا ہے۔ اور اپنے عقیدہ فاسدہ کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کو عمدہ صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور زندیق کی تعریف میں جو یہ لکھا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتا ہے، اس کا یہی مطلب ہے۔ (کہ وہ اپنے کفر کو ایسے عنوان اور صورت میں پیش کرتا ہے، جس سے لوگ مغالطہ میں پڑ جائیں۔) اس لئے یہ اخفاء کفر اظہار دعویٰ کے منافی نہیں۔

کفر کی اقسام مذکورہ بالا میں سے آخری قسم اس جگہ زیر بحث ہے، جس کے متعلق شرح مقاصد کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جس طرح اقسام سابقہ کفر کے انواع ہیں، اسی طرح یہ صورت بھی اسی درجہ کا کفر ہے کہ کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود صرف بعض احکام و عقائد میں اختلاف رکھتا ہو، اگرچہ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرے، اور تمام ارکان اسلام پر شدت کے ساتھ عامل بھی ہو۔

ایک شبہ کا جواب

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، اور کتب فقہ و عقائد میں بھی اس کی تصریحات موجود ہیں۔ نیز بعض احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

كما رواه ابو داؤد في الجهاد عن انس قال

قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلث من اصل
الايمان الكف عن قال لا اله الا الله ولا تكفره بدين و
لا تخرجه من الاسلام بعمل. (الحديث)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی اصل تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو، اس کے قتل سے باز رہو، اور کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو، اور کسی عمل بد کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ قرار دو۔

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو شخص نماز، روزہ کا پابند ہے، وہ اہل قبلہ میں داخل ہے، تو پھر بعض عقائد میں خلاف کرنے یا بعض احکام کے تسلیم نہ کرنے سے اس کو کیسے کافر کہا جاسکتا ہے۔ اور اسی شبہ کی بنیاد پر آج کل بہت سے مسلمان قسم ثانی کے مرتدین یعنی ملحدین و زنادقہ کو مرتد و کافر نہیں سمجھتے۔ اور یہ ایک بھاری غلطی ہے۔ جس کا صدمہ براہ راست اصول اسلام پر پڑتا ہے، کیونکہ میں اپنے کلام سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر قسم دوم کے ارتداد کو ارتداد نہ سمجھا جائے، تو پھر شیطان کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس شبہ کے منشاء کو بیان کر کے اس کا شافی جواب ذکر کیا جائے۔ اصل اس کی یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر وغیرہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اور حواشی شرح عقائد میں شیخ ابوالحسن اشعریؒ سے اہل سنت والجماعہ کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے:

ومن قواعد اهل السنة والجماعة ان لا يكفر واحد
من اهل القبلة (كذا في شرح العقائد النسفية ص:

۱۲۱) وفي شرح التحرير ص: ۳۱۸ ج: ۳ سياقها عن
ابى حنيفة ولا نكفر اهل القبلة بدين انتهي فقيده

بالذنب في عبارة الامام و اصله في حديث ابى داؤد
كما مر انفاً.

اہل سنت والجماعہ کے قواعد سب سے ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کی تکفیر نہ کی جائے۔ (شرح عقائد نسفی) اور شرح تحریر ص: ۳۱۸ ج: ۳ میں ہے کہ یہ مضمون امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ سو اس میں بذنب کی قید موجود ہے، اور غالباً یہ قید حدیث ابوداؤد کی بناء پر لگائی گئی ہے۔ جو ابھی گزر چکی ہے۔

جس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر مت کہو، خواہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو۔ (بشرطیکہ کفر و شرک نہ ہو) کیونکہ گناہ سے مراد اس جگہ پر وہی گناہ ہے، جو حد کفر تک نہ پہنچا ہو۔

كما في كتاب الايمان لابن تيمية حيث قال و نحن
اذا قلنا اهل السنة متفقون على ان لا يكفر بالذنب فانما
نريد المعاصي كالزنا والشرب انتهي و اوضحه
القونوي في شرح العقيدة الطحاوية.

جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الايمان میں ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعہ اس پر متفق ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہیں، تو اس جگہ گناہ سے ہماری مراد معاصی مثل زنا و شراب خوری وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور علامہ قونوی نے عقیدہ طحاوی کی شرح میں اس مضمون کو خوب واضح کر دیا ہے۔

ورنہ پھر اس عبارت کے کوئی معنی نہیں رہتے، اور لفظ بذنب کے اضافہ کی (جیسا کہ فقہ اکبر اور شرح تحریر کے حوالہ سے اوپر نقل ہوا ہے) کوئی وجہ باقی نہیں

رہتی۔ اب شبہات کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ بعض علماء کی عبارتوں میں اختصار کے مواقع میں بذنب کا لفظ بوجہ معروف و مشہور ہونے کے چھوڑ دیا گیا۔ اور مسئلہ کا عنوان عدم تکفیر اہل قبلہ ہو گیا۔ حدیث وفقہ سے نا آشنا اور غرض متکلم سے ناواقف لوگ یہاں سے یہ سمجھ بیٹھے کہ جو شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اس کو کافر کہنا جائز نہیں، خواہ کتنے ہی عقائد کفریہ رکھتا ہو۔ اور اقوال کفریہ بکتا پھرے۔ اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اگر یہی لفظ پرستی ہے، تو اہل قبلہ کے لفظوں سے تو یہ بھی نہیں نکلتا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، بلکہ ان لفظوں کا مفہوم تو اس سے زائد نہیں کہ صرف قبلہ کی طرف منہ کر لے خواہ نماز بھی پڑھے یا نہ پڑھے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں، تو پھر دنیا میں کوئی شخص کافر ہی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی ہر شخص کا منہ قبلہ کی طرف ہو ہی جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ اہل قبلہ کی مراد تمام اوقات و احوال کا استیعاب باستقبال قبلہ نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ لفظ اہل قبلہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ جس کے معنی اہل اسلام کے ہیں۔ اور اسلام وہی ہے، جس میں کوئی بات کفر کی نہ ہو۔ لہذا یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے، جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر (بشرط ثبوت) ایمان لائیں، نہ ہر اس شخص کے لئے جو قبلہ کی طرف منہ کر لے۔ جیسے دنیا کی موجودہ عدالتوں میں اہلکار کا لفظ صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے، جو باضابطہ ملازم اور قوانین ملازمت کا پابند ہو۔ اس کے مفہوم لغوی کے موافق ہر کام والے آدمی کو اہل کار نہیں کہا جاتا۔ اور یہ جو کچھ لکھا گیا علم فقہ و عقائد کی کتابیں تقریباً تمام اس پر شاہد ہیں۔ جن میں سے بعض عبارات درج ذیل ہیں۔

حضرت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروریات الدین كحدوث العالم و حشر الاجساد و علم الله تعالى بالکلیات و الجزئیات و ما اشبه ذالك من المسائل المهمات فمن و اظب طول عمره على الطاعات و العبادات مع اعتقاد قدم العالم و نفی الحشر او نفی علمه سبحانه و تعالى بالجزئیات لا یكون من اهل القبلة و ان المراد بعدم تکفیر احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا یکفر احد ما لم یوجد شیء من امارات الکفر و علاماته و لم یصدر عنه شیء من موجباته.

خوب سمجھ لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ان تمام عقائد پر متفق ہوں، جو ضروریات دین میں سے ہیں۔ جیسے حدوث عالم اور قیامت و حشر ابدان اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات و جزئیات پر حاوی ہونا اور اسی قسم کے دوسرے عقائد مہمہ پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات پر مداومت کرے، مگر ساتھ ہی عالم کے قدیم ہونے کا معتقد ہو یا قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کا یا حق تعالیٰ کے علم جزئیات کا انکار کرے، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور یہ کہ اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ ان میں سے کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہیں جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جو علامات کفر یا موجبات کفر میں سے ہے۔

اور شرح مقاصد بحث سابع میں مذکور الصدر مضمون کو مفصل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر

على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى الحشر ونفى العلم بالجزئيات ونحو ذالك و كذالك بصدور شئ من موجبات الكفر عنه .

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جاوے گا، جو اگرچہ تمام عمر طاعات و عبادات میں گزارے، مگر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے یا قیامت و حشر کا یا حق تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا انکار کرے۔ اسی طرح وہ شخص جس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر ہو جائے۔

اور علامہ شامی نے رد المحتار باب الامامة جلد اول میں بحوالہ تحریر الاصول نقل فرمایا ہے:

لا خلاف في كفر المخالف (اي للضروريات) من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحرير (ص: ۳۷۷ ج: ۱)

اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو وہ کافر ہے، اگرچہ تمام عمر طاعات و عبادات میں گزار دے۔

اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس ص: ۵۷۲ میں ہے:

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين الى قوله فمن انكر شيئاً من الضروريات (الى قوله) لم يكن من اهل القبلة و لو كان مجاهداً بالطاعات و كذالك من باشر شيئاً من امارات

التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة و معنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهور هذا ما حققه المحققون .

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے، جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرے۔ پس جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ اگرچہ عبادت و اطاعت میں مجاہدات کرنے والا ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جو علامات کفر و تکذیب میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو۔ جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی امر شرعی کی اہانت و استہزاء کرنا، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہیں، اور نہ ایسے امور کے انکار کی وجہ سے کافر کہیں، جو اسلام میں مشہور نہیں۔ یعنی ضروریات دین میں سے نہیں۔

تنبیہ

کسی مسلمان کو کافر کہنے کے معاملہ میں آج کل ایک عجیب افراط و تفریط رونما ہے، ایک جماعت ہے کہ جس نے مشغلہ یہی اختیار کر لیا ہے کہ ادنیٰ معاملات میں مسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اور جہاں ذرا سی کوئی خلاف شرع حرکت کسی سے دیکھتے ہیں، تو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ اور دوسری طرف تو تعلیم یافتہ آزاد خیال جماعت ہے، جس کے نزدیک کوئی قول و فعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائد اسلامیہ کا صریح مقابل ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ ہر مدعی اسلام کو

مسلمان کہنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو، اور ضروریات دین کا انکار کرتا ہو۔ اور جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پرخطر معاملہ ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اس سے کم نہیں۔ کیونکہ حدود کفر و اسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے۔ اس لئے علماء امت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ امر اول کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کلام خلاف شرع صادر ہو جائے، اور اس کلام کی مراد میں محاورات کے اعتبار سے چند احتمال ہوں، اور سب احتمالات میں یہ کلام ایک کلمہ کفر بنتا ہو، لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے، تو معنی کفر نہیں رہتے۔ بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ تو مفتی پر واجب ہے کہ اس احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے جب تک کہ خود وہ متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مراد یہ معنی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدہ کے قائل ہو جاوے، جو ائمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو، لیکن بعض ائمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں۔ تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔

(صرح بہ فی البحر الرائق باب المرتدین ج: ۵) ومثله فی رد المحتار و جامع الفصولین من باب کلمات الکفر.

اور امر دوم کے متعلق بھی صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے تعامل نے یہ بات متعین کر دی کہ اس میں تہاون و تکاسل کرنا اصول اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو لوگ مرتد ہوئے تھے، ان کا ارتداد قسم دوم ہی کا ارتداد تھا۔ صریح طور پر تبدیل مذہب (عموماً) نہ تھا۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان پر جہاد کرنے کو اتنا زیادہ اہم سمجھا کہ نزاکت وقت اور اپنے

ضعف کا بھی خیال نہ فرمایا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے ماننے والوں پر جہاد کیا جس میں جمہور صحابہ شریک تھے۔ جن کے اجماع سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو شخص ختم نبوت کا انکار کرے، یا نبوت کا دعویٰ کرے، وہ مرتد ہے۔ اگرچہ تمام ارکان اسلام کا پابند اور زاہد و عابد ہو۔

ضابطہ تکفیر

اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطہ شرعیہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو، اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو، اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے، جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے، تو اس شخص کے کفر میں کوئی تاثر نہ کیا جائے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ ضروری

مسئلہ زیر بحث میں اس بات کا ہر وقت خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس میں بیباکی اور جلد بازی سے کام لینا سخت خطرناک ہے۔ مسئلہ کی دونوں جانب نہایت احتیاط کی مقتضی ہیں۔ کیونکہ جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا وبال عظیم ہے۔ اور حسب تصریح حدیث اس کہنے والے کے کفر کا اندیشہ قوی ہے۔ اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا یا سمجھنا بھی اس سے کم نہیں۔ جیسا کہ عبارت شفاء سے منقول ہے۔ اور شفاء میں مسئلہ کی نزاکت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

و لمثل هذا ذهب ابو المعالي في اجوبته الى محمد
عبدالحق و كان سألہ عن المسئلة فاعتذر له بان الغلط
فيه يصعب لان ادخال كافر في الملة الاسلامية او
اخراج مسلم عنها عظيم في الدين

(شرح شفاء فصل في تحقيق القول في اكار الملتاولين ص: ۵۰۰ ج: ۲)

ابو المعالي نے جو محمد عبدالحق کے سوالات کے جواب لکھے ہیں۔ ان
میں ان کا بھی یہی مذہب ثابت ہے کیونکہ ان سے ایسا ہی سوال کیا گیا
تھا، جس کے جواب میں انہوں نے عذر کر دیا کہ اس بارہ میں غلطی سخت
مصیبت کی چیز ہے۔ کیونکہ کسی کافر کو مذہب اسلام میں داخل سمجھنا یا
مسلمان کو اس سے خارج سمجھنا دین میں بڑے خطرہ کی چیز ہے۔

اسی لئے ایک جانب تو یہ احتیاط ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی مبہم کلام
سامنے آئے، جو مختلف وجوہ کو محتمل ہو، اور سب وجوہ سے عقیدہ کفریہ قائل کا ظاہر
ہوتا ہو، لیکن صرف ایک وجہ ایسی بھی ہو، جس سے اصطلاحی معنی اور صحیح مطلب بن
سکے، گو وہ وجہ ضعیف ہی ہو، تو مفتی وقاضی کا فرض ہے کہ اس وجہ کو اختیار کر کے اس
شخص کو مسلمان کہے۔ (کما صرح به في الشفاء في هذه الصفحة و
بمثله صرح في البحر و جامع الفصولين وغيره)۔

اور دوسری طرف یہ لازم ہے کہ جس شخص میں کوئی وجہ کفر کی یقیناً ثابت ہو
جاوے۔ اس کی تکفیر میں ہرگز تاخیر نہ کرے، اور نہ اس کے متبعین کو کافر کہنے میں
دریغ کرے۔ جیسا کہ علماء امت کی تصریحات محررہ بالا سے بخوبی واضح ہو
چکا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تمتہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ جلد سادس

یہ کُل بیان اس صورت میں تھا جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ
کفریہ رکھنا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے۔ لیکن اگر خود اسی
میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے، یا
نہیں، تو اس کے لئے احوط واسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے۔ جس
کو بعینہ ذیل میں بطور تمثیل نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں
تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا
غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے، نہ اسلام کا حکم، اول میں تو خود اس
کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں
کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو
جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء
کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاست کا فرمانہ جاری کریں
گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے
بعد جو ثابت ہو، ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو
سکوت کریں گے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے، اس کی نظیر وہ حکم
ہے، جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم و قولوا امنا

بالله و ما نزل الينا. الاية، رواه البخاری.

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ

پرایمان لائے، اور اس وجہ پر جو ہم پر نازل ہوئی۔ الخ
دوسری فقہی نظیر احکام خنثی کے ہیں:

یوخذ فیہ بالاحوط والاثق فی امور الدین و ان
لا یحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوته و اذا وقف
خلف الامام قام بین صف الرجال و النساء و یصلی
بقناع و یجلس فی صلاته جلوس المرأة و یمکره له فی
حیاته لبس الحلی و الحریر و ان یخلو به غیر محرم من
رجل او امرأة او یسافر مع غیر محرم من الرجال و
الاناث ولا یغسله رجل و لا امرأة و یتیمم بالصعید و
یکفن کما یکفن الجارية و امثاله مما فصله الفقهاء

(۱۱ شعبان ۱۳۵۱ھ)

خنثی مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی
جاوے، جس میں احتیاط ہو، اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا
جاوے جس کے ثبوت میں شک ہو، اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی
صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔
اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے۔ اور قعدہ میں اس طرح
بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں۔ اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا
مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے
ساتھ خلوت میں بیٹھے۔ یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس
کا محرم نہ ہو۔ اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت،
بلکہ یتیم کرا دیا جائے۔ اور کفن ایسا دیا جائے، جیسا لڑکیوں کو دیا
جاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

مشورہ

یہ بحث کہ کن کن امور سے کوئی مسلمان خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اور حکم
تکفیر کے لئے شرعی ضابطہ کیا ہے، اور اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کی کیا مراد ہے؟ اس کے
متعلق ایک جامع مانع بہترین رسالہ رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ
صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ”اکفار المصلحین“ کے نام سے عربی زبان میں
شائع ہو چکا ہے۔ جو حضرات ان مسائل کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں، اس کی مراجعت
کریں۔

سوال دوم

اس عام سوال کے بعد چند فرقوں کے متعلق خاص طور پر سوال کی ضرورت
محسوس ہوئی۔ اول: فرقہ چکڑ الویہ، دوم: فرقہ مرزاسیہ، سوم: فرقہ رافضیہ۔ ان
تینوں فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ ان عقائد کو زیر نظر رکھتے ہوئے ان فرقوں
کے متعلق تحریر فرمایا جائے کہ یہ فرقے دائرۃ اسلام میں داخل ہیں یا نہیں؟

فرقہ چکڑ الویہ کے عقائد

پنجاب میں ایک فرقہ ہے، جو اپنے کو اہل قرآن کہتا ہے، اس کا بانی عبداللہ
چکڑ الوی ہے۔ اور اسی کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، اس فرقہ کے عقائد کا
نمونہ خود بانی فرقہ عبداللہ چکڑ الوی کی کتاب (برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن)
سے بحوالہ صفحات لکھا جاتا ہے تاکہ علماء کرام اس پر غور فرمائیں کہ یہ فرقہ اور اس
کے تبعین مسلمان ہیں یا نہیں؟ وہ عقائد بعینہ اس کے الفاظ میں یہ ہیں:

منقول از برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن از عبد اللہ چکڑالوی

۱..... قرآن مجید ہی کی سکھائی نماز پڑھنی فرض ہے، اور اس کے سوا اور کسی طرح کی نماز پڑھنا کفر و شرک ہے۔ ص: ۵، سطر: ۶

۲..... سنو کہ وہ شے محض قرآن مجید ہی ہے جو رسول اللہ کی طرف وحی کی گئی، اس کے سوا اور کوئی چیز ہرگز ہرگز خاتم النبیین پر وحی نہیں ہوئی۔ ص: ۹، سطر: ۳

۳..... آسمانی کتاب کے سوا پر ایک دینی کام کرنا شرک و کفر ہے، خواہ کوئی ہو جو ایسا کرے، وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ص: ۱۲، سطر: ۱۶

۴..... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماسوائے کتاب اللہ کے بھی احکام بتائے ہیں، وہ حقیقت میں خاتم النبیین پر سب کرتے ہیں۔ ص: ۱۵، سطر: ۱۲

۵..... سوائے اللہ تعالیٰ اور کا حکم ماننا بھی اعمال صحیح کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔

ص: ۱۶، سطر: ۲۱

۶..... لیکن شرک فی الحکم لوگوں کی طبیعتوں میں ایسا مل گیا ہے کہ اس کو اب وہ ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں، اور اس کے برا ہونے کا ان کو خیال تک بھی نہیں آتا، بلکہ اس کے برا سمجھنے والے کو برا سمجھتے ہیں۔ علانیہ بڑے زور و شور سے کہتے ہیں، اور اس اپنے کہنے پر قرآن شریف سے دلائل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ کا حکم ماننا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ العجب ثم العجب اور اس مشرکانہ خیال کو اصل اصول جانتے ہیں۔ ص: ۱۷، سطر: ۲

۷..... پس واضح ہو کہ مطابق الرحمن علم القرآن کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعلیم دی ہے اور بس، دیگر ذریعہ سے تعلیم نہیں دی۔ ص: ۱۹، سطر: ۱۵

۸..... اور جس رسول کی فرمان برداری کا حکم ہوا ہے، وہ خاص قرآن مجید ہی ہے، واجب الاتباع دو چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی شے ہے۔ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک دو چیزیں ہیں۔ لیکن آپ کی فرماں برداری کا قرآن مجید میں کسی جگہ حکم نہیں ہوا۔ ص: ۲۱، سطر: ۱۱

۹..... میں محمد رسول اللہ کو دل و جان سے رسول جانتا ہوں، مگر جن آیات میں رسول اللہ کی فرماں برداری کا حکم ہوا ہے، وہاں رسول اللہ سے مراد فقط قرآن مجید ہی ہے۔ ص: ۲۱، سطر: ۱۹

۱۰..... لیکن محمد رسول اللہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے ہی پاس آئے تھے، آج کل کے لوگوں میں سے آپ کسی کے پاس نہیں آئے، اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی آمد و رفت ہو تو بتادیں۔ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و رسولہ ولا تولوا عنہ۔

اس جگہ رسول اللہ سے مراد آپ کی ذات نہیں ہو سکتی، ورنہ معنی لغو ہو جاتے ہیں۔ لہذا رسول اللہ سے مراد اس جگہ پر قرآن مجید ہی ہے۔ ص: ۳۰، سطر: ۱

۱۱..... ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی واضح ہو کہ پیروی اور اتباع سے صرف یہ مراد ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر میں عمل کرتا ہوں، اسی طرح تم بھی عمل کرو، کسی مؤمن یا رسول کا ہر ایک فعل واجب الاتباع نہیں۔ ص: ۴۲، سطر: ۱

۱۲..... واضح ہو کہ کتاب اللہ میں جنبی کو صرف نماز سے روکا گیا ہے، جیسے کہ آیت ولا تقر بوا الصلوٰۃ سے ثابت ہے۔ لیکن قرآن مجید پڑھنے سے کہیں نہیں روکا

گیا۔ ص: ۵۸، سطر: ۱۰

۱۳..... مسواک کے بیان کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اگر بالفرض رسول اللہ سلام علیہ نے یہ باتیں کہی بھی ہیں، تو وحی خفی سے نہیں کہیں، بلکہ عقل انسانی سے۔

ص: ۶۰، سطر: ۱۴

۱۴..... یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الیٰ اخر الایۃ.

مطابق آیت بالا یقیناً پاؤں کا دھونا بھی فرض ہے، مسح جائز نہیں، خواہ ننگے پاؤں پر ہو، خواہ جرابوں پر یا موزوں پر، جس قدر ایسی احادیث ہیں، جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ سلام علیہ نے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا، اور دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی، سب باطل اور رسول اللہ پر افتراء ہیں۔ ص: ۶۴، سطر: ۱۵

۱۵..... قرآن سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے اور نکیر پھوٹنے آگ کی پکی ہو چیزیں یا اونٹ کا گوشت کھانے یا قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جن احادیث میں یہ مضمون ہے کہ یہ چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں، وہ بے ہودہ اور مردود ہیں۔ ص: ۸۲، سطر: ۱۶

عقائد فرقہ ہذا مندرجہ الصلوٰۃ للہ

عقائد فاسدہ	دلائل کا سدھ
(۱) آسمانی کتابوں میں کوئی فرق نہیں سب ہم رتبہ و ہم پلہ ہیں۔	(۱) جس چیز کا بیچ ازل سے جاری ہوا ابد تک رہے گا بدلنے کا امکان نہیں ہے ایسی ہی کتابیں ایک خدا کی ہیں سب یکساں ہوں گی لا تبدیل لخلق اللہ

دلائل کا سدھ

عقائد فاسدہ

(۲) لا نفرق بین احد من رسلہ ولن تجد لسنة اللہ تحویلا۔

(۳) تہجد کا وقت نفل کے لئے باقی کا فرض کے لئے ہے دلیل یہ ہے رب المشرق والمغرب۔ واقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الخ

(۴) دلیل رب المشرق والمغرب ہے، (غرض جب آفتاب پورب کی سمت میں ہو تو پورب کرے جیسے تہجد و فجر میں اور جب پچھتم ہو تو پچھتم کی جانب جیسے ظہر و مغرب میں)

(۵) سلیمان علیہ السلام کا قصہ انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم موجود ہے۔

(۶) انا اعطیناک الکواثر، کوثر سے مراد سبع مثانی، سبع مثانی سے مراد چودہ اور چودہ سے مراد ارکان۔

(۷) قرآن میں ذکر نہیں ہے بلکہ ان انکر الاصوات لصوت الحمیر آیا ہے۔

(۸) فاغسلوا وجوهکم و ایدیکم الیٰ المرافق۔

(۲) نبیوں میں فرق نہیں ہے سب ایک درجہ کے ہیں اور سلسلہ نبوت تا قیامت جاری رہے گا۔
(۳) اوقات نماز چار ہیں تہجد، فجر، مغرب، ظہر۔

(۴) قبلہ پورب اور پچھتم دو طرف ہے تہجد و فجر مشرق جانب اور ظہر و مغرب پچھتم جانب ہیں۔

(۵) تکبیر نماز اللہ اکبر نہیں ہے، بلکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

(۶) ارکان چودہ ہیں جو داخل نماز ہیں، اور وہ یہ نہیں ہیں، جو لوگ سمجھتے ہیں، اور عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۷) یہ اذان ممنوع ہے آثار آسمانی سے نمازی آوے گا۔

(۸) وضو کا لفظ خود ساختہ اور غلط ہے، اصل لفظ غسل سکر ہے۔

(۹) وضو میں صرف ہاتھ منہ دھونا ہے، اور سر پیر کا مسح کرنا ہے بس۔

دلائل کا سہ

عقائد فاسدہ

(۱۰) جب سے زمانہ نے رنگ بدلا اور میرے جانشین ہوئے، اصلی نماز کی صورت بگاڑ دی اور شرکانہ دعائیں شامل کر دی ہیں۔

(۱۱) رکعت کا لفظ قصر (قصر، تعریف ہو کر بنا ہے اصل قصر اولیٰ آخری ہے رکعت آخری نہیں ہے۔

(۱۲) صلوٰۃ جنازہ میں ہاتھ نہ باندھے (۱۲) واخضع جناحک للمؤمنین دلیل ہے (۱۳) رمضان شریف کا مہینہ تیس دن کا (۱۳) وواعدنا موسیٰ ثلاثین لیلة دلیل ہے۔

(۱۴) شہر رمضان سے شمسی مہینہ مراد ہے (۱۴) ورنہ آیت بالا کے معنی درست نہ ہوں گے۔

(۱۵) صورت نماز اہل قرآن یہ ہے کہ اپنی تکبیر کہتا ہوا بصورت قعدہ بیٹھ جائے پھر تکبیر کے ساتھ کھڑا ہو پھر بایاں ہاتھ دائیں بغل میں دباوے اور دایاں ہاتھ بائیں شانے پر رکھے پھر رکوع کرے، پھر سجدہ میں ٹھوڑی رکھے پھر سر، پھر جلسہ میں آوے اور سینہ میں ہاتھ رکھے، پھر سجدہ کرے، وغیرہ وغیرہ

الجواب

۱. قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ.

(ال عمران ۳۲)

۲..... قال الله تبارک و تعالیٰ: وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحیماً. (نساء: ۶۴)

۳..... یا ایہا الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوه الی الله و الرسول الایة (سورة النساء: ۵۹)

۴..... واطیعوا الله و اطیعوا الرسول فان تولیتهم فانما علی رسولنا البلغ المبین. (سورة تغابن: ۱۲)

۵..... ما کان لمؤمن و لامؤمنة اذا قضی الله و رسوله امر ان یکون لهم الخیرة من امرهم و من یعص الله و رسوله فقد ضلّ ضلالاً مبیناً. (الاحزاب: ۳۶)

۶..... فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً (سورة النساء: ۶۵)

۷..... قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبکم الله (سورة آل

عمران: ۳۰)

۸..... وما اتاکم الرسول فخذوه و مانهاکم عنه فانتھوا.

(سورة حشر: ۷)

۹:..... هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم يتلوا عليهم آياته و
يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحکمة و ان كانوا من قبل لفی ضلال مبين.
(سورة جمعة: ۲)

۱۰:..... و انزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم و لعلهم
يتفكرون.
(سورة نحل: ۳۳)

۱۱:..... و ارسلناك للناس رسولا و كفى بالله شهيدا من يطع
الرسول فقد اطاع الله و من تولیٰ فمأرسلناك عليهم حفيظاً.
(سورة النساء: ۷۹، ۸۰)

۱۲:..... لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة. (سورة احزاب: ۲۱)

۱۳:..... و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدىٰ و يتبع غير
سبيل المؤمنين نوله ما تولیٰ و نصله جهنم و ساءت مصيراً.
(سورة النساء: ۱۱۵)

۱۴:..... فامنوا بالله و رسوله النبی الامی الذی يؤمن بالله و کلماته
و اتبعوه لعلکم تهتدون. (الاعراف: ۱۵۸)

۱۵:..... فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم
عذاب الیم.
(سورة نور: ۶۳)

۱۶:..... و اذا قيل لهم تعالوا الیٰ ما انزل الله و الیٰ الرسول رأیت
المنافقين یصدون عنک صدوداً.
(سورة النساء: ۶۱)

آیات مذکورہ بالا و نیز دیگر آیات کثیرہ سے نہایت صراحت اور وضاحت
کے ساتھ دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو جس طرح احکام قرآنیہ کی اطاعت
کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت پر مجبور
کرتا ہے، جیسا کہ آیت نمبر ۸ سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ بھی
ہے کہ آپ قرآن مجید کے صحیح مطالب و صحیح تفسیر بیان فرمادیں۔ جیسا کہ آیت نمبر ۹ و
نمبر ۱۰ سے ثابت ہے۔

اسی لئے جب کسی آیت کے متعلق آپ سے کوئی تفسیر منقول ہو تو اس کے
مخالف کوئی دوسری تفسیر ہرگز قابل التفات نہ ہوگی، اگرچہ الفاظ قرآن میں باعتبار
لغت کے اس کا احتمال بھی موجود ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک تمام امت محمدیہ کا
یہی اعتقاد رہا ہے۔ اور اگر کسی نے کبھی اس کے خلاف عقیدہ ظاہر کیا ہے، تو اس کو
باجماع مسلمین کافر و مرتد سمجھا گیا، اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا، جو کفار و
مرتدین کے ساتھ شریعت میں معمول ہے۔

ایسی ہی تفسیر کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن
یلقی فی النار خیر ام من یاتی امننا یوم القیامة اعملوا ما
شئتم انه بما تعملون بصیر.
(حم سجده: ۳۰)

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

هو یضع الکلام علی غیر موضعه. اخرجہ ابن ابی

(کذا فی الاقان ص: ۱۹۱، ج: ۲)

حاتم

الحاد کرنے والا وہ شخص ہے، جو کلام کو بے محل استعمال کرے۔

اور تفسیر روح المعانی میں ہے۔

ينحرفون في تاويل آيات القرآن عن جهة الصحة و
الاستقامة يحملونها على المحامل الباطلة و هو مراد
ابن عباس بقوله يضعون الكلام في غير موضعه انتهى
(ثم قال في تفسير قوله تعالى) افمن يلقي في النار الاية.
تنبيه على كيفية الجزاء. (ثم قال في قوله) اعملوا ما
شئتم، تهديد شديد للكفرة الملحدين الذين يلقون في
النار. (روح ص: ۱۱۲ و ۱۱۳، ج: ۲۴)

وہ آیات کی تفسیر میں صحت و استقامت سے علیحدہ ہوتے ہیں، اور
ان کو معانی باطلہ پر محمول کرتے ہیں، اور یہی مراد حضرت ابن عباسؓ کی
ہے اس ارشاد سے کہ وہ لوگ کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں۔ (اس
کے بعد حق تعالیٰ کے ارشاد افمن یلقى فی النار الایۃ کی تفسیر میں لکھا ہے)
کہ یہ اس پر تنبیہ ہے کہ کفار ملحدین کی سزا کیسی ہوگی، (پھر اعملوا ما شئتم
کی تفسیر میں فرماتے ہیں) کہ یہ تہدید شدید ہے کفار ملحدین کے لئے جو
جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

عقائد نفسی میں ہے:

النصوص على ظاهرها و العدول عنها الى معان
يدعيها اهل الباطل الحاد

نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں۔ اور ان معانی سے ایسے
معانی کی طرف عدول کرنا، جن کا اہل باطل دعویٰ کرتے ہیں، الحاد
ہے۔

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص آیت کریمہ من ذا
الذي يشفع عنده کے الفاظ کو تحلیل کر کے من ذل ذی قرار دے کر یہ تفسیر کرتا تھا
کہ جو شخص اپنے نفس کو ذلیل کرے، وہ اللہ کے نزدیک سفارش کر سکتا ہے۔
شیخ الاسلام سراج الدین بلقینیؒ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو یہ فتویٰ دیا
کہ وہ ملحد زندیق ہے۔ (اتقان مصری ص: ۱۹۱، ج: ۲ فصل ما يحتاج الیه المفسر)
اور قرآن شریف میں ہے:

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و
قرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علينا بيانه.

اے پیغمبر! آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو
جلدی جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا، اور اس کا پڑھنا
دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے
پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔

الغرض آیات و عبارات مذکورہ سے واضح ہوا کہ جو شخص وہ عقائد رکھے، جو
فرقہ چکڑ الویہ کی کتابوں سے سوال میں ظاہر کئے گئے ہیں، وہ بلاشبہ ملحد و زندیق اور
کافر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی ضروریات دین کا منکر ہے۔ جیسا کہ
عقائد مذکورہ کے دیکھنے والے پر مخفی نہیں رہ سکتا، عقائد مذکور کا ضروریات دین کے
خلاف ہونا چونکہ بالکل بدیہی اور آفتاب کی طرح روشن ہے، اس لئے ضرورت
نہیں کہ ہر عقیدے کے متعلق جدا جدا کچھ لکھا جاوے۔

علاوہ ازیں اس وقت ہجوم مشاغل کے سبب فرصت بھی نہیں، آئندہ اگر
فرصت ملی یا کسی دوسرے صاحب نے ہمت کی اور اس کی تفصیل لکھ دی تو انشاء اللہ
تعالیٰ اس کو اس رسالہ کا ضمیمہ بنا دیا جاوے گا۔

فرقہ مرزائیہ کے عقائد

مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور پنجاب اس فرقہ کا بانی ہے، اور اس وقت اس فرقہ کی تین پارٹیاں مشہور ہیں۔ ایک ظہیر الدین اروبی کی متبع اور دوسری مرزا محمود کی متبع جس کو قادیانی پارٹی کہا جاتا ہے۔ تیسرے مسٹر محمد علی لاہوری کی متبع جس کو لاہوری پارٹی کہا جاتا ہے۔

پہلی پارٹی مرزا غلام احمد کے مذہب کو بغیر کسی نفاق و تاویل کے ظاہر کرتی ہے۔ اور ان کو ان کی تعلیم کے مطابق نبی اور رسول مستقل ناسخ شریعت مانتی ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو معاذ اللہ منسوخ کہتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں مرزا کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری پارٹی خواہ اپنی چالاکی کی وجہ سے مسلمان ایسے شدید کفر سے فوراً متنفر ہو جائیں گے، یا اپنی کم فہمی کی وجہ سے مرزا کی تصریحات کے خلاف اس کو صاحب شریعت ناسخ القرآن نہیں مانتی، لیکن نبی اور رسول ہونے کا بلکہ دوسرے انبیاء سے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتی اور ظاہر کرتی ہے۔

تیسری پارٹی اس کو مسیح موعود اور مہدی و امام کہتی ہے۔ نبی اور رسول کا لفظ بھی اس کے لئے استعمال کرتی ہے۔ مگر یہ کہہ کر کہ لغوی اور مجازی امتی نبی ہیں۔ ایسے نہیں جیسے پہلے انبیاء گزرے ہیں۔

ان تینوں پارٹیوں کے عقائد مفصل حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دام مجدہم نے اپنے رسالہ ”اشد العذاب“ میں ان کی کتابوں میں سے بقید صفحات نقل کئے ہیں۔ جن میں سے بعض بطور نمونہ اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

اروپی مرزائی کے عقائد

رسالہ المبارک ص: ۳ میں اروبی کہتا ہے۔ اپنے عقائد کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوئے احسن طور پر یہ بیان کرنا ہوگا کہ لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ اور اسی کتاب کے صفحہ مذکور پر ہے، قرآن کریم کو سچے دل سے منجانب اللہ یقین کرتے ہوئے اس تازہ وحی الہی پر یقین لانا مقدم سمجھنا ہوگا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

پھر اسی صفحہ میں لکھتا ہے، اور خدا کی عبادت کرتے وقت مسجد اقصیٰ اور مسیح موعود کے مقام قادیان کی طرف منہ کرنے کو ترجیح دینی ہوگی۔ پھر رسالہ ”تبدیل قانون“ ص: ۲، ۳ میں مفصل تحریر کے ذیل میں لکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے لئے وہ شریعت نہیں رہی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھی۔ دیکھو حضرت مسیح موعود کیسی وضاحت سے لکھتے ہیں۔ الخ

قادیانی پارٹی کے عقائد

مرزا محمود خلیفہ قادیان اپنی کتاب حقیقۃ النبوة ص: ۱۷۴ میں لکھتے ہیں۔ ”پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے، اس کے معنی سے حضرت صاحب ہر گز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔“

اور اخبار الفضل جلد دوم (۲۲)، ۱۲۳ مورخہ ۶، ۴ اپریل ۱۹۱۵ء میں ہے محکم کیا ہے حضرت مسیح موعود نبی ہیں یہ بلحاظ نفس نبوت یقیناً ایسے ایسے ہمارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم محکم کیا ہے، نبی کا منکر اولئک ہم الکفرون حقا کے فتوے کے نیچے داخل ہے۔ (اشد العذاب ص: ۴۵ بحوالہ رسالہ موجودہ قادیانی مذہب)

اور رسالہ موجودہ قادیانی مذہب ص: ۳ میں بحوالہ تشہید الاذہان جلد ۲ نمبر ۱۴۰ لکھا ہے، قرآن شریف میں انبیاء کے منکرین کو کافر کہا گیا ہے۔ اور ہم لوگ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ مانتے ہیں، اس سے ہم آپ کے منکروں کو کافر کہتے ہیں۔

لاہوری پارٹی کے عقائد

اشد العذاب ص: ۵۷ میں بحوالہ ہنڈیل نمبر ۲ ص: ۱ قبل اس کے کہ جناب میاں صاحب اور ان کے مریدین کے عقائد کو خلاف عقائد حضرت مسیح موعود دکھایا جاوے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ امام الزمان مجدد ملہم من اللہ جزوی ظلی بروزی مجازی امتی نبی بمعنی محدث نہ بمعنی نبی مہدی و مسیح موعود ہیں۔

یہ تو وہ عقیدہ ہے جو لاہوری پارٹی مرزا کے متعلق رکھتی ہے، اس کے علاوہ خود اس کے رئیس مسٹر محمد علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں بہت سی آیات قرآنیہ کی ایسی تحریف کی ہے جن میں سے ہر ایک مستقل وجہ کفر معلوم ہوتی ہے، ان عقائد پر غور کرتے ہوئے ہر ایک پارٹی کے متعلق جدا جدا تحریر فرمایا جاوے کہ یہ پارٹیاں خارج از اسلام ہیں یا ان میں کوئی تفصیل ہے؟

الجواب

ان تینوں پارٹیوں میں چند مشترک وجوہ تو کفر ہیں۔ اور بعض وجوہ خاص خاص پارٹیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس جگہ مشترک وجوہ میں سے چند وجوہ پر تفتاء کیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

۱..... مرزا کو باوجود ایسے صاف دعویٰ نبوت کے جس میں کسی تاویل کی ہرگز

گنجائش نہیں مسلمان بلکہ مہدی و مسیح سمجھنا۔

۲..... ختم نبوت کے مسئلہ میں جو کہ ضروریات دین میں سے ہے تاویل فاسد کرنا اور اس کے اجماعی مفہوم کو بدلنا۔

۳..... مرزا کو باوجود کھلی ہوئی توہین انبیاء کے مسلمان سمجھنا یہ وجوہ کفر ایسی ہیں جو تینوں پارٹیوں میں مشترک ہیں۔ اور ان کے کفر کے لئے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری بہت سی وجوہ اور بھی ہیں جن کے استیعاب کی اس جگہ ضرورت نہیں اور وجوہ مذکورہ بالا کے کفر ہونے کا ثبوت تمام کتب مذہب میں موجود ہے جن میں سے چند عبارات اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

و کذا لک ابن القاسم فی من تنبأ وزعم انه یوحی الیہ و قالہ سحنون و قال ابن القاسم فیمن تنبأ انه کالمرتد سواء کان دعا ذالک الی متابعة نبوتہ سرّاً او جہراً کمسیلمة لعنہ اللہ و قال اصبع بن الفرع ہو ای من زعم انه نبی یوحی الیہ کالمرتد فی احکامہ لانہ قد کفر بکتاب اللہ لانہ کذبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قوله انه خاتم النبیین و لانی بعدہ مع الفریة علی اللہ.

ابن قاسم اس شخص کے متعلق کہتے ہیں، جو نبوت کا دعویٰ کرے کہ وہ مثل مرتد کے ہے خواہ اپنی نبوت کی طرف وہ لوگوں کو سرادعوت دے، یا جہراً، جیسے سیلۃ کذاب لعنہ اللہ تعالیٰ اور اصبع بن فرح فرماتے ہیں کہ وہ یعنی وہ شخص جو یہ کہے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے، تمام احکام میں مثل مرتد کے ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا منکر ہے،

اور شرح شفاء میں ہے:

و کذا لک نکفر من ادعی نبوة احد مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ای فی زمنہ کمسیلمة الکذاب والاسود العنسی او ادعی نبوة احد بعده فانه خاتم النبیین بنص القرآن و الحدیث فهذا تکذیب اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کالعیسویۃ. (شرح شفاء)

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر سمجھتے ہیں، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کو نبی مانے۔ یعنی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کسی کو نبی تسلیم کرے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی یا آپ کے بعد کسی شخص کی نبوت کا قائل ہو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنص قرآن و حدیث خاتم النبیین ہیں، تو (آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کو نبی قرار دینا) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب ہے۔ جیسے عیسویہ کہتے ہیں۔

اور صبح الاغشی ص: ۳۰۵ میں ہے:

وهاتان المسئلتان من جملة ما كفروا به بتجويز النبوة بعد النبي صلی اللہ علیہ وسلم الذی اخبر تعالیٰ انه خاتم النبیین.

اور یہ دونوں مسئلے ان مسائل میں سے ہیں، جن کی وجہ سے اُن لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری رہنے کو جائز قرار دیا، جن کے متعلق حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکم میں تکذیب کی کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر افتراء بھی کرتا ہے۔ (کیونکہ اس نے اس کو نبی صاحب وحی نہیں بنایا یہ محض افتراء کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔) ابن حبان فرماتے ہیں۔

من ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع او الى ان الولی افضل من النبی فهو زنديق يجب قتله

(زرقاتی ص: ۱۸۸ ج: ۶)
جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبوت کسب و عمل سے حاصل ہو سکتی ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگی یا یہ کہ نبی سے ولی افضل ہے وہ زندقہ ہے اس کا قتل واجب ہے۔

اور شفاء قاضی عیاض میں ہے۔

وقد قتل عبد الملك ابن مروان الحارث المتنبی و صلبه و فعل ذالک غیر واحد من الخلفاء والملوک بأشباههم واجمع علماء وقتهم علی صواب فعلهم والمخالف فی ذالک من کفرهم کافر.

(ازاکفار ص: ۴۳)

عبد الملک بن مروان نے حارث مدعی نبوت کو قتل کیا، اور سولی پر چڑھایا۔ اور یہی معاملہ بہت سے خلفاء اور شاہان اسلام نے مدعیان نبوت کے ساتھ کیا ہے۔ اور ہر زمانہ کے علماء نے اس پر اجماع و اتفاق کیا کہ ان خلفاء اور ملوک کا فعل درست ہے۔ اور جو شخص ان مدعیان نبوت کے کفر میں اختلاف کرے وہ بھی کافر ہے۔

صغر اسمہ مریداً تحقیرہ او جوز نبوة احد بعد وجود نبوة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و عیسیٰ علیہ السلام نبی قبل فلا یرد۔ (ازاکفار ص: ۴۲)

یا کسی رسول و نبی کی تکذیب کرے، یا اُن کی کسی طرح تنقیص شان کرے، خواہ اسی طرح ہو کہ ان کے نام کی تصغیر بقصد تحقیر کرے یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کے لئے نبوت کو جائز رکھے۔ (وہ کافر ہے) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (باوجود نبی ہونے کے آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اس سے ختم نبوت پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ) وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔

اور ملل ص: ۲۴۹ ج: ۳ میں فرماتے ہیں:

و کذا لک من قال (الی قولہ) او ان بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا غیر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحة قیام الحجة بکل۔ ایسے ہی وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بجز عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور نبی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ اس میں دو آدمی بھی اختلاف نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اس پر حجت قائم ہے۔

اور شیخ ابوشکور سالمی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:

وقالت الروافض ان العالم لا یكون خالیا من النبی قط و هذا کفر لان اللہ تعالیٰ قال و خاتم النبیین و من ادعی النبوة فی زماننا فانہ یصیر کافرا و من طلب منه

المعجزات فانہ یصیر کافرا لانه لا شک فی النص فیجب الاعتقاد بانہ لا شركة لاحد فی النبوة لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف ما قاله الروافض ان علیا کان شریکا لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی النبوة و هذا منهم کفر

روافض کہتے ہیں کہ عالم کسی وقت ہرگز نبی سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے و خاتم النبیین اور جو شخص ہمارے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اس سے (بنظر اعتقاد) معجزات طلب کرے، وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس نے نص قرآنی میں شک کیا، پس واجب ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جاوے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں کسی کی شرکت نہیں ہے۔ بخلاف روافض کے جو کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک تھے۔ اور یہ ان کا (کھلا ہوا) کفر ہے۔

اور امام غزالی اپنی کتاب اقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامة فہمت من هذا اللفظ انه افہم عدم نبی بعده ابدا و عدم رسول بعده ابدا و انه لیس فیہ تاویل ولا تخصیص فکلامہ من انواع الہدیان لا یمنع الحکم بتکفیرہ لانه مکذب لهذا النص الذی اجمعت الامة علی انه غیر مأل و لا مخصوص۔

تمام امت محمدیہ نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین) سے یہی سمجھا ہے کہ اس نے یہ بتلایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک

نہ کوئی نبی ہوگا، نہ رسول۔ اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل ہے نہ تخصیص، اور جو شخص اس میں کسی قسم کی تخصیص و تاویل کرے اس کا کلام مجنونانہ ہدیان (بڑ) ہے۔ اور یہ تاویل اس پر حکم کفر کرنے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ وہ اس نص قرآنی کی تکذیب کرنے والا ہے جس کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ نہ مؤول ہے نہ مخصوص۔

اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

ادعت ای الروافض ایضا ان علیا نبی (الی قوله) لعنہم اللہ و الملائکة و سائر خلقہ الی یوم الدین و قلع اباد خضرائہم و لاجعل منہم فی الارض دیارا فانہم بالغوا فی غلوہم و مردوا علی الکفر و ترکوا الاسلام و فارقوا الایمان و حجدوا لا الہ الا اللہ و الرسل و التنزیل فنعود باللہ من ذہب الی ہذہ المقالة.

روافض نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علیؑ نبی ہیں، لعنت کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام مخلوق ان پر قیامت تک، اور برباد کرے ان کی کھیتیوں کو اور نہ چھوڑے ان میں سے کوئی گھر میں بسنے والا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے غلو میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اور کفر میں جم گئے، اور اسلام و ایمان کو چھوڑا، اور انبیاء اور قرآن کا انکار کیا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس شخص سے جس نے یہ قول اختیار کیا۔

اور علامہ عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ شرح فراید میں روافض کی تکفیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فساد مذہبہم غنی عن البیان لشہادة العیان کیف و ہو یؤدی الی تجویز نبی مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم او بعدہ و ذالک یستلزم تکذیب القرآن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین و آخر المرسلین و فی السنۃ أنا العاقب لانبی بعدی و اجمعت الامۃ علی ابقاء ہذا الکلام علی ظاہرہ و ہذا احد المسائل المشہورۃ الی کفرنا بها الفلاسفۃ لعنہم اللہ تعالیٰ. (از اکفار ص: ۴۲)

ان کے مذہب کا فساد محتاج بیان نہیں بلکہ مشاہد ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے، اور اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کی تصریح کردی گئی ہے کہ آپ خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر بغیر کسی تاویل و تخصیص کے رکھا جائے، اور یہ بھی انہیں مسائل میں سے ہے جن کی وجہ سے ہم نے فلاسفہ ملاعنہ کی تکفیر کی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ مرزا کو باوجود ان خیالات و عقائد باطلہ کفریہ کے جو باجماع امت کفر ہیں، اور جن سے مرزائی کتابیں لبریز ہیں، نہ صرف مسلمان بلکہ مسیح موعود مہدی موعود، محدث وغیرہ مانتے ہیں۔ جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) تمام اسلاف امت صحابہ و تابعین اور ائمہ اجتہاد اور ساڑھے تیرہ سو برس تک کے تمام علماء گمراہی و ضلالت میں تھے۔ کہ وہ جن اقوال و افعال کو باجماع کفر و ضلال کہتے ہیں، وہ بجائے کفر و ضلالت کے ہدایت مجسمہ اور مسیحیت موعودہ ہے۔ اور کوئی ایسا عقیدہ رکھنا جس سے تمام امت کا گمراہی پر ہونا لازم آئے باتفاق کفر ہے۔

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے:

و کذا لک نقطع بتکفیر کل قائل قال قولاً يتوصل به الى تضلیل الامۃ المرحومة و تکفیر جمیع الصحابة (شرح شفاء للقاری ص: ۵۸۱ ج: ۲)

اور ایسے ہی ہم اس شخص کے کفر کا بھی یقین رکھتے ہیں، جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس سے تمام امت مرحومہ اور تمام صحابہ کی تکفیر لازم آتی ہو۔

اور علامہ ابن حجر مکی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

و فی معنی ذالک کل من فعل فعلاً اجمع المسلمون علی انه لا یصدر الا عن کافر (الی قولہ) او یشک فی نبوة نبی (الی قولہ) او فی تکفیر کل قائل قولاً يتوصل به الى تضلیل الامۃ (زواجر ص: ۲۴ ج: ۱)

اور اسی حکم میں ہے وہ شخص جو کوئی ایسا فعل کرے جس کے متعلق مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ فعل سوائے کافر کے کسی سے صادر نہیں ہو سکتا، یا کسی نبی کی نبوت میں شک کرے یا اس شخص کی تکفیر میں شک کرے جو ایسا قول اختیار کرتا ہے کہ جس سے تمام امت کا گمراہ ہونا سمجھا جاوے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے کفر میں جو شخص شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ پس جب کسی کافر کو جس کا کفر کھلا ہوا اور صاف ہو صرف مسلمان کہنا بلکہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ زواجر کی عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا اگرچہ کسی تاویل کے ساتھ ہو تو پھر مرزا کو اس کے عقائد معلوم ہونے کے بعد مہدی

اور مسیح وغیرہ کہنے والا ضرور بالضرور کافر اور خارج از اسلام ہے۔ اور قاضی عیاض نے شفاء میں اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ولفظ ہذا:

فالاجماع علی کفر من لم یکفر احدا من النصارى و اليهود و کل من فارق دین المسلمین او وقف او شک قال القاضی ابوبکر لان التوقیف و الاجماع اتفقا علی کفرهم فمن وقف فی ذالک فقد کذب النص و التوقیف او شک فیہ و التکذیب و الشک فیہ لا یقع الا من کافر. (متن الشفاء از شرح قاری ص: ۵۱۰ ج: ۲)

اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نصاری و یہود میں سے کسی کو کافر نہ سمجھے یا اس شخص کو کافر نہ سمجھے جو مسلمانوں کے دین سے جدا ہو، یا اس میں (بلا وجہ شرعی) توقف یا شک کرے، قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ نقل شرعی اور اجماع دونوں ان کے کفر پر متفق ہیں، پس جو شخص اس میں (بلا وجہ شرعی) توقف یا شک کرے، اس نے نص شرعی کی تکذیب کی اور اس میں تکذیب یا شک کافر ہی کر سکتا ہے۔

اسی طرح درمختار باب المرتدین میں اس شخص کے متعلق جس نے کسی نبی کی توہین کی ہو تصریح کرتے ہیں۔

ومن شک فی کفره و عذابه کفر (درمختار) واقره الشامی اور جو شخص اس کے کفر اور معذب ہونے میں شک کرے ہو بھی کافر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہ کہا جاوے کہ یہود و نصاریٰ اور ہندو، آریہ وغیرہ کو مسلمان کہنا تو بے شک حسب تصریحات مذکورہ کفر ہے، لیکن قادیانی کا کفر اس درجہ میں نہیں، اس کے متعلق اگر کوئی شخص بوجہ حسن ظن کے تاویل کرے، تو گنجائش ہے کیونکہ وہ مدعی اسلام اور ظاہر میں قرآن و حدیث کا اقرار کرتا ہے، اور نماز، روزہ وغیرہ احکام و شرائع اسلامیہ کا پابند ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ ضروریات دین کے خلاف میں تاویل معتبر نہیں، اور نہ اس کی گنجائش ہے ورنہ اگر یہی حسن ظن اور تاویل کی وسعت کی جائے، تو دنیا میں کوئی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ عموماً کفار کے طبقات کچھ نہ کچھ تاویل رکھتے ہیں۔ بت پرست اور مشرکین کی تاویل خود قرآن میں مذکور ہے۔ ما نعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ زلفی۔ اور یہ ان کی تاویل بلاشبہ مرزا کی تاویلات سے زیادہ بہتر ہے۔

مرزا کے عقائد کفریہ، نبوت کا دعویٰ، وحی کا دعویٰ، ختم نبوت کا انکار، ختم نبوت کے اجماعی معانی اور اس بارہ میں آیات قرآنیہ کی تحریف، عیسیٰ علیہ السلام کی سخت ترین توہین، دوسرے انبیاء کی توہین وغیرہ وغیرہ ان کی تمام تصانیف میں اس قدر واضح اور صاف ہیں کہ ان میں تاویل کرنا اس سے کم نہیں جو مشرکین کی تاویل بت پرستی کے متعلق آیت مذکورہ میں گزری ہے، یا حدیث میں ہے کہ مشرکین بوقت طواف تلبیہ میں کہا کرتے تھے: لا شریک لک الا شریکا ہو لک۔ (ترمذی)

اس لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضروریات دین کے بارہ میں اجماعی معانی کے سوا آیات و روایات کی کسی دوسرے معنی کی طرف تاویل کرنا عذر مسموع نہیں۔ اور یہ تاویل ان پر حکم تکفیر کے لئے مانع نہیں ہو سکتی، حضرت مولانا سید محمد انور

شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اکفار الملحدین میں اس کے متعلق کافی نقول جمع فرمادی ہیں (من شاء فلیراجع ثمہ) واللہ الحمد اولہ و آخرہ۔

عقائد روافض و شیعہ

روافض و اہل تشیع میں بہت سے مختلف العقائد فرقتے ہیں۔ اور ہر فرقہ کے عقائد کو جدا جدا منضبط کرنا بھی دشوار ہے، ایک دوسری مشکل یہ ہے کہ کسی فرقہ کی کتابوں میں ان کے بعض عقائد معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، تو وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً کتب شیعہ میں جا بجا اس قسم کی عبارتیں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ قرآن کو محرف و ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں، مگر جب کہا جاتا ہے کہ تم موجودہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ شدت کے ساتھ تبری کرتے ہیں۔ ایک مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں عوام روافض کے متعلق یہ فیصلہ بھی دشوار ہے کہ وہ کس فرقہ میں درج ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں ہم روافض کے ساتھ کیا معاملہ کریں ان کو مسلمان سمجھیں یا کافران کے فرقوں کے جس قدر عقائد معلوم ہو سکے وہ لکھے جاتے ہیں۔

۱..... بعض شیعہ مسلمانوں سے صرف اس میں اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ خلافت کے مستحق اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قرار دیتے ہیں۔ مگر باقی صحابہ کرام پر بھی تبری نہیں کرتے؟

۲..... بعض روافض وہ ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ اول قرار دیتے ہیں، اور باقی حضرات صحابہ پر تبرا بھی کرتے ہیں؟

۳..... بعض وہ ہیں جو (معاذ اللہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خود معبود سمجھتے ہیں۔

۴..... بعض وہ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، اصل میں وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آئی تھی، وہ غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ (نعوذ باللہ منہ) گو حقیقتاً نبی و رسول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مانتے ہیں؟

۵..... بعض وہ ہیں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھتے ہیں، یا تمام حضرات صحابہ کرام کو معاذ اللہ کافر مرتد کہتے ہیں؟

الجواب

مختصر اور محقق و جامع کلام روافض کے بارہ میں یہ ہے کہ بلحاظ احکام روافض کی تین صورتیں ہیں۔

اول: یہ کہ ان میں سے کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور سے یہ بات ثابت ہو جاوے کہ وہ ضروریات (۱) دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے۔ اگرچہ انکار میں تاویل بھی کرتا ہو اور صاف انکار کرنے سے تبریٰ بھی کرتا ہو۔ مثلاً قرآن مجید کے محرف و ناقابل اعتبار ہونے پر اگر کسی شخص کی ایسی صاف عبارت ہے کہ اس سے یقینی طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے، پھر باوجود اس کے وہ اپنی عبارت کو غلط مان کر اس سے رجوع ظاہر نہیں کرتا، مگر عقیدہ تحریف قرآن سے تبریٰ کرتا ہے تو اس تبریٰ کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ وہ باتفاق و باجماع کافر مرتد ہے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا اسلامی معاملہ رکھنا جائز نہیں۔ نہ اس سے کسی مسلمان کا نکاح جائز۔ اور اگر نکاح

(۱) ضروریات دین اصطلاح میں ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کا ثبوت اسلام میں قطعی و یقینی اور ایسا بدیہی ہو کہ عام مسلمان اس سے واقف ہوں اس کا مفصل تعریف اور احکام اسی رسالہ کے ص: ۶ میں گذر چکے ہیں ۱۲

کے بعد اس کا عقیدہ ایسا ہو گیا، تو نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال، نہ اس پر نماز جنازہ جائز وغیرہ ذالک من الاحکام۔ اور دلیل اس کی وہ تمام عبارات فقہاء ہیں، جو سوال اول کے جواب میں ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ نیز علامہ شامی کی عبارت ذیل بھی اس کے لئے کافی ہے۔ نعم لاشک فی تکفیر من قذف السيدة عائشة او انکر صحبة الصديق او اعتقد الالوهية فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی الخ۔ شامی استنبولی ص: ۴۰۶ ج: ۳۔

دوم: صورت یہ ہے کہ کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہو جاوے کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہیں مگر صرف اس میں اختلاف رکھتا ہے کہ جمہور امت کے خلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل الصحابہ اور خلیفہ اول سمجھتا ہے تو وہ شخص فاسق (۱) و گمراہ ہے۔ مگر کافر و مرتد نہیں۔ اس کے ساتھ وہ اسلامی معاملات جائز ہیں۔ جو کسی فاسق و گمراہ کے ساتھ کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ذبیحہ اس کا حلال ہے۔ اس کے جنازہ پر نماز جائز ہے۔ نکاح کے معاملہ میں اس سے بھی اجتناب کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ فاسق کی معاشرت کے اثرات و نتائج خطرناک ہیں لیکن اگر کسی مسلمان سنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا گیا، تو اگرچہ بلا ضرورت شدیدہ ایسا کرنا اچھا نہیں، لیکن یہ نکاح اس شرط سے جائز و منعقد ہو جاوے گا، کہ لڑکی بالغہ اور اس کے اولیاء دونوں کو نکاح کے وقت اس کا عقیدہ معلوم ہو۔ اور وہ دونوں اس عقیدہ کے باوجود نکاح کی اجازت دے دیں۔ اور اگر

(۱) لما فی الشامی عن الاختیار اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع و تخطیہم و سب احد من الصحابة و بغضه لا یكون کفراً لکن یضلل (شامی ص: ۴۰۵ ج: ۳)

دونوں میں سے کسی ایک نے بھی نکاح کی اجازت دینے سے انکار کیا تو یہ نکاح (مذہب مفتی بہ کے مطابق) منعقد و صحیح نہیں ہوگا۔ لڑکی کو شرعاً اختیار ہوگا کہ اپنا نکاح دوسری جگہ کسی سنی مسلمان سے کرے۔

اور اگر بوقت نکاح اس شخص نے دھوکہ دے کر اپنے آپ کو سنی مسلمان ظاہر کیا اس بناء پر لڑکی اور اس کے اولیاء نے نکاح کر دیا، بعد نکاح حقیقت حال معلوم ہوئی، تو لڑکی اور اس کے اولیاء کو حق ہوگا کہ مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے نکاح فسخ کرا لیں اور اگر مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانا اختیار میں نہ ہو، تو اہل محلہ یا اہل شہر میں سے دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے معاملہ پیش کر کے ان سے فسخ نکاح کرایا جائے (لیکن اس صورت میں قانونی گرفت سے بچنے کے لئے) بہتر یہ ہے کہ پہلے موجودہ حکومت میں درخواست دے کر نکاح فسخ کرائیں، خواہ حاکم مسلم ہو یا غیر مسلم۔ پھر اگر حاکم مسلم ہو تو یہی فسخ شرعاً بھی معتبر ہوگا، اور اگر حاکم غیر مسلم تھا۔ تو دوبارہ مسلمانوں کی پنچائیت میں معاملہ پیش کر کے نکاح فسخ کرایا جاوے۔ مسلمانوں کی پنچائیت جس کا فیصلہ شرعاً معتبر ہو سکتا ہے اس کے لئے چند شرائط ہیں، جو رسالہ حیلہ ناجزہ میں مدلل و مفصل اور رسالہ المرقومات للمظلمات میں مختصر مگر کافی طور سے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر ضرورت پیش آوے، تو بغیر اس کے دیکھے ہوئے عمل نہ کیا جاوے، اس قسم دوم کے احکام کے دلائل بھی رسالہ حیلہ ناجزہ کے تتمہ میں خیار کفایت کے ذیل میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھ لینا چاہئے، اور اجمالی طور پر عبارات ذیل بھی ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

فی الدر المختار فی الباب الخامس من نکاح العالمگیریہ: تعتبر کفائة فی الديانة وهذا قول ابی حنیفة و ابی یوسف و هو الصحيح کذا

فی الهدایة فلا یكون الفاسق كفواً للصالحة کذا فی المجمع سواء کان معین الفسق او لم یکن کذا فی المحيط (عالمگیری ص: ۱۳ ج: ۲ مطبوعہ کانپور) نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی و له اذا کان عصبه و لو غیر محرم (الی قولہ) الاعتراض فی غیر الکفوء مالم تلد و یفتی بعدم جوازہ اصلاً الخ و فی رد المحتار هذه رواية الحسن عن ابی حنیفة و ائیدہ صاحب الدر بقوله و هو المختار للفتویٰ و العلامة الشامی و غیرہ بقول شمس الائمة و هذا اقرب الی الاحتیاط، انتھی۔ و کذا لک فی کفاءة الدر المختار و لو زوجها برضاها و لم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا لاخيار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی ذالک ثم ظهر انه غیر كفوء کان لهم الخيار و لو الجیه۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یقینی طور پر کسی امر کا ثبوت نہ ملے یعنی نہ اس کا یقین ہے کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے، اور نہ اس کا کہ منکر نہیں، بلکہ ایک مشتبہ حالت ہے خواہ اشتباہ اس وجہ سے ہو کہ اس فرقہ کے اقوال و عقائد ہی مشتبہ ہیں یا اس وجہ سے کہ اس شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کہ اس کا تعلق باعتبار مذہب و عقائد کے کس فرقہ سے ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق شرعی فیصلہ بھی دشوار ہے اس میں سب سے زیادہ احوط و اسلم وہ حکم ہے جو فقیہ العصر امام وقت مجدد الملت حکیم الامت سیدنا و سندا حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے امداد الفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے جو رسالہ ہذا کے ص: ۲۱ میں بعینہا مذکور ہے اور اس جگہ مکرر نقل کیا جاتا ہے۔

عبارت امداد الفتاویٰ جلد سادس

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے، نہ اسلام کا، حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاست کا فرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو، ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو سکوت کریں گے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے، جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لاتصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم و قولوا امنا
بالله و ما نزل الينا. الاية، رواه البخاری.

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی۔ الخ
دوسری فقہی نظیر احکام خنثی کے ہیں:

يوخذ فيه بالاحوط و الاوثق في امور الدين و ان لا يحكم بثبوت
حكم وقع الشك في ثبوته و اذا وقف خلف الامام قام بين صف الرجال
و النساء و يصلى بقناع و يجلس في صلاته جلوس المرأة و يكره له في

حياته لبس الحلى و الحرير و ان يخلو به غير محرم من رجل او امرأة او
يسافر مع غير محرم من الرجال و الاناث و لا يغسله رجل و لا امرأة و
يتيمم بالصعيد و يكفن كما يكفن الجارية و امثاله مما فصله الفقهاء
(ترجمہ اس عبارت کا پہلے گزر چکا ہے) و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

العبد الضعيف محمد شفيع عفا عنه

مدرس دارالعلوم دیوبند
رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ

کھاتہ تبدیل کرتا ہے، علاوہ اس کے اور بھی بعض مراسم مشرکانہ ادا کرتا ہے۔ مثلاً
۴:..... اپنے کھاتہ کی ابتداء میں بجائے بسم اللہ الخ کے لفظ اوم لکھتا ہے۔

۵:..... سر آغا خان کے اندر خدائی حلول کا معتقد ہے۔

مسلمانوں کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ وہ کلمہ گو ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس کو کسی طرح کافر نہیں کہہ سکتے۔

خود تاجر موصوف سے جو دریافت کیا گیا، تو اس نے بھی بیان کیا کہ میں مسلمان ہوں، کلمہ پڑھتا ہوں، مسلمانوں کی ضروریات میں چندہ دیتا ہوں، فرق صرف یہ ہے کہ میں سر آغا خان کو اپنا رہنما اور مرشد سمجھتا ہوں، جیسے عام طور پر مسلمان کسی نہ کسی پیر کے مرید ہوا کرتے ہیں، و بس۔

فریق اول اس تمام بیان کو تاجر مذکور کے ضرورت اور مصلحت وقت پر محمول کرتا ہے، اب حضور سے چند امور دریافت طلب ہیں۔

سوال اول: سر آغا خانیوں کے متعلق حضور کی کیا تحقیق ہے؟ ان کو شرعاً مسلمان کہیں گے، یا کافر؟

سوال دوم: اگر کافر ہیں، تو تاجر مذکور کا اپنی صفائی میں یہ پیش کرنا کہ مسلمان ہوں، کلمہ گو ہوں۔ وغیرہ وغیرہ اس بیان سے اس کو مسلمان سمجھا جائے گا، یا نہیں؟

سوال سوم: اگر نہیں تو ایک مدعی اسلام کی تکفیر کیسے ہو سکتی ہے، کافر اور مسلمان ہونے کا آخر کیا معیار ہے؟

سوال چہارم: بعض بھی خواہان قوم کا خیال ہے کہ گو تاجر مذکور شرعی نقطہ نگاہ سے اسلام سے خارج ہو، لیکن اس وقت ہم مسلمانوں کو اتحاد قومی اور ترقی کی

الحکم الحقانی

فی الحزب الاغاخانی

مصنفہ حضرت مجدد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں، علماء دین اور مفتیان شرع متین صورت مسئلہ میں کہ ہمارے شہر کٹک میں ایک شخص..... اطراف بمبئی کا باشندہ قوم سے خوجہ، سوداگر رہتا ہے، اپنے آپ کو آغا خان کا مرید اور پیر و ظاہر کرتا ہے، اتفاق سے اس کے یہاں ایک میت ہو گئی، تاجر مذکور نے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا، اس پر یہاں کے مسلمانوں میں کچھ کش مکش پیدا ہو گئی ہے۔ ایک فریق کی رائے ہے کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہ کیا جائے۔ کیونکہ سر آغا خان دائرۃ اسلام سے خارج ہیں۔ اور اپنی رائے کی تائید میں امور ذیل پیش کرتا ہے:

۱:..... سر آغا خان کی تصویر کی پرستش کرتا ہے۔

۲:..... ہندوؤں نے مشہور اوتار کرشن جی کی مورت اپنے عبادت خانہ میں رکھ چھوڑی ہے۔

۳:..... دیوالی جو ہندوؤں کا مشہور تیوہار ہے، اس میں اپنے حساب کا بھی

ضرورت ہے۔ لہذا ایسے جھگڑے بکھیروں کو نکالنا مناسب نہیں۔ یہ وقت نازک ہے، سب مدعیان اسلام کو مسلمان کہنا اور سمجھنا چاہئے۔ ان کو اسلام سے خارج کر کے اپنی تعداد اور مردم شماری کو گھٹانا نہیں چاہئے۔ یہی خواہان قوم اور ہمدردان اسلام کا یہ خیال شرعاً کس قدر وقعت رکھتا ہے؟

سوال پنجم: سر آغا خانیوں کے معتقدات کا خواہ اسلام روادار ہو، یا نہ ہو، سر دست یہ امر حل طلب ہے کہ خصوصیت کے ساتھ تاجر موصوف کا بیان اور دعوائے اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو کافر کہیں گے، یا مسلمان سمجھیں گے، اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ دی جائے، یا کیا معاملہ کرنا چاہئے؟

سوال ششم: جو نام نہاد مولوی تاجر مذکور کی میت کی نماز جنازہ پڑھتے، اور اس کو مسلمان کہتے ہیں، اور کہلواتے ہیں، اور اس میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: اسی اثناء میں گجراتی زبان میں ایک استفتاء دستیاب ہو گیا، جس میں ان کے عقائد و طریقہ نماز کا تذکرہ موجود ہے۔ مزید بصیرت کے لئے منسلک لفافہ ہذا ہے۔

محمد طاہر

طریقہ نماز یا اصول دعا تعلیم کردہ آغا خان

منقول از ترجمہ رسالہ تقویۃ الایمان بزبان گجراتی

نماز پڑھو، نماز پڑھو، خدا تم کو برکت دے، خدا کا نام لو، خداوند شاہ علی تم کو ایمان اور اخلاق دے، یا شاہ! میری شام کی نماز اور دعاء قبول کر، جو حق تم کو ملا

ہے، میں اس کا واسطہ دیتا ہوں، اے ہمارے آقا! آغا سلطان محمد شاہ، اس کے بعد سجدہ کرو۔ اور اگر رات کی نماز ہو، تو اس طرح کہو، میری شام اور رات کی دعائیں، دوسری مرتبہ سجدہ کرو۔ اور تسبیح پڑھو، اور حسب ذیل طریقہ پر دعاء و درود پڑھو۔

تسبیح: میں اپنے گناہوں پر پچھتا رہا ہوں، دو مرتبہ۔ میں سر سے پاؤں تک تیرا تقصیر وار ہوں، اے غفور، رحیم شاہ میرا گناہ معاف کر۔ پیر تیری ہی عبادت کرتے ہیں، بندہ دعا مانگتا ہے، اے سچے شاہ! تو منظور رکھنے والا ہے، میں شاہ کے اسی فرمان کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں، جو پیر کے ذریعہ مجھ کو ملا ہے۔ یہ کہہ کر تسبیح زمین پر رکھ دو، اور نیچے بتایا ہوا ورد کرو۔

اشھد، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الرحمن، ذی الجلال و الاکرام۔

ان تمام صفتوں سے بنا ہوا قدوس، سب پر طاقت ور خدا، ایران کے ضلع جالندیا میں انسان کا جسم لے کر ستر باپ کی پیٹھ سے نکلا۔ انھر (۶۹) خدا ہو جانے کے بعد سترھویں (اوتار کے لفظ سے) اڑتالیسواں امام، دسواں بے عیب اوتار، ہمارا خداوند آغا سلطان محمد شاہ داتا۔

اس کے بعد سجدہ کرو، حق شاہ اچھا، دنیا اور زمین کا شاہ، خلیفہ اور گدی کے جانشینوں کا نام کا وظیفہ کرو۔ دنیا اور زمین کے اچھوں کا نام یہ ہے، شاہ کے خلیفہ ابوطالب ولی کا نام حسب ذیل:

- ۱: ہمارا سچا خداوند شاہ علی۔
- ۲: ہمارا سچا خداوند شاہ حسین۔
- ۳: ہمارا سچا خداوند شاہ زین العابدین۔
- ۴: ہمارا سچا خداوند شاہ اسماعیل۔
- ۵: ہمارا سچا خداوند شاہ محمد ابی اسماعیل۔
- ۶: ہمارا سچا خداوند شاہ رفیع احمد ہکذا الی نمبر ۴۹

۴: ہمارا سچا خداوند شاہ محمد باقر۔ ۷: ہمارا سچا خداوند شاہ آغا علی شاہ۔

۵: ہمارا سچا خداوند شاہ محمد جعفر۔ ۸: ہمارا سچا خداوند شاہ آغا محمد شاہ داتا۔

اور اس وقت کی امامت کا مالک خداوند زمان، امام شیخ المشائخ امامت کی طاقت رکھنے والا مانو، آغا سلطان محمد شاہ داتا بے شمار کروڑوں آدمیوں کا دستگیر اس وقت کی امامت کا مالک، اے شاہ! جو حق تم کو ملا ہے، بہ طفیل اس کے اپنے حضور میں میری دعا منظور کر، اے ہمارے خداوند! آغا سلطان محمد شاہ۔

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اول چند مقدمات مہمہد کرتا ہوں۔

الف:..... قال الله تعالى لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن

مريم.

ب:..... قال الله تعالى ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة ولا وصيلة ولا حام ولكن الذين كفروا يفترون على الله الكذب.

ج:..... قال الله تعالى ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار.

د:..... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم. رواه البخاري

ه:..... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اية المنافق ثلاث. رواه الشيخان زاد مسلم وان صام وصلى وزعم انه مسلم.

و:..... عن حذيفة قال انما النفاق كان على عهد رسول صلى الله عليه وسلم فاما اليوم فانما هو الكفر او الايمان. رواه البخاري

ز:..... في اللمعات في شرح الحديث اي الحكم بعدم التعرض لاهله والستر عليهم كان على عهد رسول صلى الله عليه وسلم لمصالح كانت مقتصرة على ذالك الزمان اما اليوم فلم تبق تلك المصالح فنحن ان علمنا انه كافر سرا قتلناه حتى يؤمن. اه.

في رد المحتار احكام المرتد تحت قول الدر المختار لان التلفظ لها صار علامة على الاسلام مانصه افاد بقوله صار الى ان ما كان في زمن الامام محمد تغير لانه في زمنه ما كانوا يمتنعون عن النطق بها فلم تكن علامة الاسلام فلذا شرطوا معها التبري واما في زمان قاري الهداية فقد صارت علامة الاسلام لانه لا ياتي بها الا المسلم. الخ

ط:..... في الدر المختار احكام غسل الميت ومحل دفنهم كدفن ذمية حبلى من مسلم. الخ

ي:..... في مختصر المعاني بحث الاسناد ما نصه و قولنا في التعريف بتأول يخرج نحو ما مر من قول الجاهل انبت الربيع البقل رائيا الانبات من الربيع الخ فيه بحث وجوب القرينة للاسناد المجازي ما نصه و صدوره عطف على استحالة اي او كصدوره عن الموحد في مثل اشاب الصغير الخ.

آیات وروایات و عبارات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

ثانی: جو رسوم و عادات کفار کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتی ہوں کہ بمنزلہ ان کے شعار کے ہو گئے ہوں، اگر عرفاً وہ شعار مذہبی سمجھے جاتے ہوں، وہ بھی کفر ہیں۔ (الایۃ: ب) اس اصول پر فقہاء نے شد زنا رکوکفر فرمایا ہے۔ ورنہ تشبہ بالکفار ہے، جو مستلزم رکون الی الکفار ہونے کے سبب معصیت و حرام ہے۔ (آیت: ج) جس طرح عادات مخصوصہ بالمسلمین دلیل اسلام ہیں۔ (آیت: د) بشرطیکہ کوئی یقینی دلیل کفر کی نہ ہو، ورنہ کفر ہی کا حکم کیا جائے گا۔

لقوله تعالى ان الذين يكفرون بالله ورسوله ويريدون ان يفرقوا بين الله ورسوله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون ان يتخذوا بين ذالك سبيلاً. اولئك هم الكافرون حقاً.

اور اسلام کی وجہ واحد کو کفر کی وجہ متعددہ پر ترجیح اس وقت ہے، جب وہ وجہ متحمل ہوں، متیقن نہ ہوں۔

ثالث: موجبات کفر کے ہوتے ہوئے بعض کا دعویٰ اسلام و صلوٰۃ و صیام اور استقبال بیت الحرام ترتیب احکام اسلام کے لئے کافی نہیں، جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہو جائے۔ (روایت: ہ)

رابع: باوجود ثبوت کفر کے اسلام ظاہر کرنے والوں کے ساتھ بنا بر مصالح اسلامیہ مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا گو بعض اوقات ان کے کفر کا بھی ظہور ہو جاتا تھا۔ کما نقل عنهم قولهم انؤمن کما امن السفهاء و نحوه مخصوص تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ اب وہ حکم باقی نہیں رہا۔ (روایت و عبارات: ز) بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد میں معاملہ کالمسلمین میں تغیر ہو گیا تھا چنانچہ آیت لا تصل

على احد منهم مات ابدا و لا تقم على قبره میں مصرح ہے۔
و النهی عن الزیارة يستلزم النهی عن الدفن فی مقابر المسلمین لان الدفن يستلزم الزیارة عادة.

البتہ تعرض بالقتل والنهب کی ممانعت باقی رہ گئی تھی۔

خامس: جو کافر اصول اسلامیہ کا بھی مقرر ہو، اس کے حکم بالا سلام کے لئے محض تلفظ بکلمتہ الشہادۃ کافی نہیں، جب تک اپنے کفریات سے تبری کا اعلان نہ کرے۔ (عبارت: ح)

سادس: کافر کو مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔ (عبارت: ط)

سابع: جس شخص کا کفر ثابت ہو جائے، اس کے اقوال و افعال محتملہ للکفر و الاسلام میں تاویل کرنے سے اس کا کفر مانع ہوگا۔ (عبارت: ی)

اب مقدمات کے بعد سب سوالات کا جواب ظاہر ہے، مگر تبرعاً جدا جدا بھی عرض کرتا ہوں، سوال میں دو قسم کے امور مذکور ہیں، ایک قسم وہ جو یقیناً موجب کفر ہیں۔ جیسے تصویر کی پرستش کرنا یا کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا جو شعار کفار کا ہے، یا بجائے بسم اللہ کے لفظ اوم لکھنا یا حلول کا قائل ہونا، جو سوال کی تمہید اور ترکیب نماز کے آغاز میں مذکور ہے۔ اور دوسری قسم وہ جو صرف محتمل کفر ہیں، جیسے دیوالی سے بھی کھاتہ کا حساب شروع کرنا، یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا، یا ان سے دعاء مانگنا۔ پس قسم اول پر تو حکم بالکفر ظاہر ہے۔ (للامر الاول والثانی)

اور قسم ثانی کا صدور اگر مسلمان سے ہوتا، تو اس میں تاویل کر کے مباح یا معصیت پر محمول کیا جاتا۔ مگر جب اس کا صدور کافر سے ہے، تو تاویل کی ضرورت نہیں۔ (للامر السابع) اور ان کفریات کے ہوتے ہوئے نہ ایسے شخص کا دعویٰ

اسلام کافی ہے، اور نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی ہے۔ اور نہ اس پر نماز جنازہ جائز ہے، نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے۔ (للامر الثالث والسادس) اور نہ مصلحت کے سبب کافر کو مسلمان کہنا، یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا سامعاملہ کرنا جائز ہے۔ (للامر الرابع و الخامس) البتہ بلا ضرورت کسی سے لڑائی جھگڑا بھی نہ چاہئے، اور ایسے مصالحوں کی بناء پر ایسی رعایت کرنا، ان مصالحوں سے زیادہ مفاسد کا موجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مصالحوں تو محض دنیوی ہیں، اور مفاسد دینیہ۔ ان مفاسد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جاوے گا، تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح کم ہو جاوے گا۔ اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہو سکیں گے۔ تو کافروں کو اسلام میں داخل کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کر سکے گی؟ ایسے مصالح و مضار کے اجتماع کا یہ فیصلہ فرمایا گیا۔

قل فیہما اثم کبیر و منافع للناس و اثمہما اکبر من نفعہما و قال
تعالیٰ یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ. فقط واللہ اعلم

اشرف علی

۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ



مسیح موعود کی پہچان

قرآن و حدیث کی روشنی میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آخری دور میں بہ تقاضائی حکمت الہیہ دجال اکبر کا خروج مقدر و مقرر تھا جس کے شر سے تمام انبیائے سابقین (۱) اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے آئے تھے اور حسب تصریحات احادیث متواترہ اس کا فتنہ تمام اگلے پچھلے فتنوں سے اشد ہوگا۔ اس کے ساتھ ساحرانہ قوتیں اور خوارق عادات بے شمار ہوں گے۔

اسی کے ساتھ زمرہ انبیاء میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص شان اور خاتم الامم کے ساتھ خاص عنایات حق کے اظہار کے لئے باقتضائی حکمت الہیہ یہ بھی مقدر و مقرر تھا کہ فتنہ دجال سے امت کا بچانے اور دجال کو شکست دینے کے لئے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ جو اپنی مخصوص شان مسیحی سے مسیح دجال کا خاتمہ کریں گے۔

خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات امت مرحومہ کے آگے آنے والے تمام فتن اور واقعات میں سب سے اہم تھے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اپنی امت پر سب سے زیادہ رحیم و شفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کی تبیین و تعیین میں اور مسیح دجال مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی علامات و نشانات بتلانے میں انتہائی تفصیل و توضیح سے کام لیا سو سے زیادہ احادیث ہیں جو مختلف

تاریخ تالیف _____ صفر ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۹۲۶ء)
مقام تالیف _____ دارالعلوم کراچی

اس رسالہ میں مسیح موعود سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام نشانیاں اور علامات قرآن و حدیث کے حوالہ سے جمع کر دی گئی ہیں تاکہ وہ لوگ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نعوذ باللہ مسیح موعود مانتے ہیں ان پر ایک نظر ہی میں واضح ہو جائے کہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ علامات میں سے کوئی بھی علامت مرزا پر صادق نہیں آتی۔

اوقات میں صحابہؓ کے مختلف مجامع میں مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے حالات و علامات اور بوقت نزول ان کی مکمل کیفیات کا اظہار فرمایا۔

یہ احادیث درجہ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔ اکابر محدثین ان کو متواتر قرار دیا ہے اور خبر متواتر سے جو چیز ثابت ہو اس کا قطعی اور یقینی ہونا تمام اہل عقل اور اہل دین کے نزدیک باتفاق مسلم ہے۔

ان تمام احادیث معتبرہ کو احقر نے اپنے عربی رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمع کر دیا ہے اور اس میں ہر حدیث پر نمبر ڈال دیئے ہیں اس رسالہ میں صرف حدیث کا نمبر اور کتاب کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور انشاء اللہ کسی وقت ان احادیث کو مع ترجمہ و تشریح (۱) بھی شائع کر دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جتنی علامات اور نشانیاں بتلائی ہیں اتنی کسی رسول اور نبی کے متعلق نہیں بتلائیں یہاں تک کہ خود سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن اترا ہے ان کی بھی مادی اور جسمانی علامات و نشانات قرآن کے اس نے تفصیل سے نہیں بتلائے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا یہ معاملہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اس پر مزید درمزیٰ اضافہ بلاشبہ اس لئے تھا کہ آخر زمانہ میں ان کا اس امت میں تشریف لانا مقدر تھا۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان کی علامات و نشانات امت کو ایسی وضاحت سے بتلا دیئے جائیں کہ پھر کسی کو کسی اشتباہ و التباس کی ادنیٰ گنجائش نہ رہے۔ اس رسالہ میں جمع

(۱) اب یہ ترجمہ و تشریح کا کام برخوردار عزیز مولوی محمد رفیع عثمانی سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی نے کر دیا ہے جو علامات قیامت اور نزول مسیح کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ محمد شفیع ۳۰ صفر ۱۳۹۴ھ

کی ہوئی تمام علامات و نشانات کو دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ کہہ اٹھے گا کہ کسی انسان کی تعیین کے لئے اس سے زیادہ نشانات و علامات نہیں بتلائے جاسکتے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام میں سے اس کام کے لئے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتخاب میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ ان کی پیدائش اور خلقت و تربیت تمام بنی نوع انسان سے جدا ایک خاص معجزانہ طریق پر ہوئی ہے۔ ان کے حالات کسی دوسرے انسان کے ساتھ ملتبس اور مشتبہ ہو ہی نہیں سکتے۔

الغرض قرآن (۱) و حدیث نے آخر زمانہ میں آنے والے مسیح علیہ السلام کی تعیین اور اس میں پیدا ہونے والے ہر التباس و اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے اس قدر اہتمام فرمایا کہ اس سے زیادہ اہتمام عادتاً ناممکن ہے تاکہ کوئی جھوٹا مدعی اپنے آپ کو مسیح موعود کہہ کر امت کو گمراہ نہ کر سکے۔

لیکن شاباش ہے قادیانی مرزا غلام احمد کو کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے اس تمام اہتمام کے مقابلہ میں اکھاڑا جمادیا اور ان میں بیان کی ہوئی تمام چیزوں پر پانی پھیر کر خود مسیح موعود بن بیٹھے اور اس سے زیادہ حیرت ان لوگ پر ہے جنہوں نے قرآن و حدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہوتے ہوئے ان کو مسیح موعود مان لیا۔ لیکن اس امت میں سے کسی شخص کو مسیح موعود بننا بغیر اس کے ممکن نہیں تھا کہ قرآن و حدیث کی قائم کی ہوئی تمام مضبوط و مستحکم بنیادوں کو اکھاڑ کر ایک نیا دین نئی ملت بنائی جائے۔ اس لئے مرزا صاحب نے:-

(۱) قرآن مجید سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مکمل ثبوت حضرت الاستاذ العلامة مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کی کتاب عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام میں اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی کتاب کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور اس مسئلہ سے متعلق احادیث احقر کے عربی رسالہ التصریح لما تواتر فی نزول مسیح میں مذکور ہیں ۱۲ منہ

دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی۔ ان کی قبر کشمیر میں ہے۔

۲..... پھر یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئیں گے بلکہ ان کا کوئی شبیہ و مثیل آئے گا۔

۳..... پھر وہ شبیہ و مثیل خود بننے کی کوشش جاری فرمائی۔

۴..... اور چونکہ حسب تصریح قرآن و حدیث و اجماع اُمت ہر قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اب کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے نبی ہیں ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں تھا۔ اگر کوئی ان کا مثیل و شبیہ آئے تو مسئلہ ختم نبوت اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے اس لئے اس اجماعی مسئلہ کی تحریف کرنا پڑی اور نبوت کی خود ساختہ قسمیں بنا کر بعض اقسام کا سلسلہ جاری قرار دیا۔

۵..... آخر کار خود نبی و رسول بن گئے۔

۶..... دعوائی نبوت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو ان کو نہ مانے وہ کافر قرار دیا جائے اس کے نتیجے میں اپنی ایک مٹھی جماعت کے سوا امت کے ستر کروڑ مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا۔

۷..... اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مدعی نبوت کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک ملت نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کسی نبی کے ماننے والے بھی مسلمان کہلائیں اور اس کو جھوٹا سمجھنے والے بھی مسلمان رہیں۔ اس طرح ملت اسلامیہ کے ٹکڑے کر کے ایک علیحدہ ملت کی تعمیر کی گئی۔ یہ سارے کفریات اس کے نتیجے میں آئے کہ قرآن و حدیث کی بے شمار تصریحات کے خلاف اپنے آپ کو مسیح موعود قرار دیا۔

اس لئے احقر نے اس مختصر رسالہ میں آخر زمانہ میں آنے والے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی تمام نشانیاں اور علامات بحوالہ قرآن و حدیث جمع کر دی ہیں تاکہ ہر دیکھنے والا ایک نظر میں دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جو

علامات بیان کی ہیں قادیانی مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی موجود ہے یا نہیں۔ ہم نے سہولت کے لئے ان حالات و علامات کو ایک جدول کی صورت میں پیش کیا ہے جس کے ایک خانے میں آنے والے مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علامات ذکر کی گئی ہیں۔ دوسرے خانے میں ان کا حوالہ قرآن یا حدیث سے دیا گیا ہے۔ احادیث کی عبارت طویل تھی اس لئے تمام احادیث کو مع ترجمہ کے آخر رسالہ میں بطور ضمیمہ لکھا گیا ہے ان پر نمبر ڈال دیئے ہیں۔ اس جدول میں صرف حدیث کا نمبر لکھا جائے گا جس کو اصل حدیث دیکھنا ہو اس نمبر کے حوالہ سے آخر رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ تیسرے خانے میں مرزا صاحب کے حالات و علامات کا مقابلہ دکھلانا تھا۔

مگر ہمیں تو ان علامات میں سے کوئی بھی مرزا صاحب میں نظر نہیں آئی بلکہ صراحتہً اس کے مخالف علامات و حالات معلوم ہوئے۔ مخالف حالات اور وہ بھی ذاتی اور گھریلو معاملات سے متعلق اگر بیان کیے جائیں تو دیکھنے والے شاید اس کو تہذیب کے خلاف سمجھیں۔

اس لئے ہم نے یہ خانہ سب جگہ خالی چھوڑ دیا ہے کہ مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے والے خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایمان داری سے اس خانہ کو خود پر کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اسی کو ان کے لئے ذریعہ ہدایت بنادیں۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مدرس دارالعلوم دیوبند

شعبان ۱۳۴۵ھ

ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مسیح موعود کا نام، کنیت اور لقب

۱ آپ کا نام عیسیٰ ہے۔ علیہ السلام	ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
۲ آپ کی کنیت عیسیٰ ابن مریم ہے۔	ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ
۳ آپ کا لقب مسیح ہے۔	إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ
۴ // // کلمۃ اللہ ہے۔	الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
۵ // // روح اللہ ہے۔	// //
مسیح موعود کے خاندان کی پوری تفصیل	
۶ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مریم ہے	ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
۷ آپ بغیر باپ کے بقدرت خداوندی	أَنِّي يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ
۸ صرف ماں سے پیدا ہوئے	يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكْ بَغِيًّا
۹ آپ کے نانا عمران علیہ السلام ہیں	مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي
۱۰ آپ کی نانی امراۃ عمران (حنہ) ہیں۔	إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ
آپ کے ماموں ہارون ہیں (۱)	يَاخُذُ هَرُونَ

(۱) ہارون سے اس جگہ ہارون نبی علیہ السلام مراد نہیں۔ کیونکہ وہ تو مریمؑ سے بہت پہلے گزر چکے تھے، بلکہ ان کے نام پر حضرت مریمؑ کے بھائی کا نام ہارون رکھا گیا تھا (ہکذا رواہ مسلم ولسانی والترندی مرفوعاً)

إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا

۱۱ آپ کی نانی کی یہ نذر کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کے لئے وقف کروں گی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا الْآيَةَ

۱۲ پھر حمل سے لڑکی کا پیدا ہونا۔

إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ

۱۳ پھر ان کا عذر کرنا کہ یہ عورت ہونے کی وجہ سے وقف کے قابل نہیں

إِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

۱۴ اس لڑکی کا نام مریم رکھنا۔

والدہ مسیح علیہ السلام موعود حضرت مریمؑ کے بعض حالات

إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَانْتَبَهَا نَبَاتًا حَسَنًا

۱۵ مَسْ شيطان سے محفوظ رہنا۔

إِذْ يَخْتَصِمُونَ

۱۶ ان کا نشوونما غیر عادی طور پر ایک دن میں سال بھر کے برابر ہونا۔

۱۷ مجاورین بیت المقدس کا مریمؑ کی تربیت میں جھگڑنا اور حضرت زکریاؑ کا کفیل ہونا

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

۱۸ اُن کو محراب میں ٹھہرانا اور ان کے پاس غیبی رزق آنا۔

۱۹ زکریاؑ کا سوال اور مریمؑ کا جواب کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُكُمْ

۲۰ فرشتوں کا ان سے کلام کرنا۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ

۲۱ ان کا اللہ کے نزدیک مقبول ہونا۔

وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ

۲۲ ان کا حیض سے پاک ہونا۔

۲۳ تمام دنیا کی موجودہ عورتوں سے

افضل ہونا

حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی حالات - استقرار حمل وغیرہ

۲۴	مریم کا ایک گوشہ میں جانا۔	إِذَا نَبَذْتُ
۲۵	اس گوشہ کا شرقی جانب میں ہونا۔	مَكَانًا شَرْقِيًّا
۲۶	ان کا پردہ ڈالنا۔	فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا
۲۷	ان کے پاس بشکل انسان فرشتہ کا	فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ
۲۸	فرشتہ کا من جانب اللہ ولادت	لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا
۲۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دینا۔	إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ
۳۰	مریم کا اس خبر پر تعجب کرنا کہ بغیر صحبت مرد کے کیسے بچہ ہوگا؟	لَا هَبَ لَكَ غُلَامًا زَكِيًّا
۳۱	فرشتہ کا منجانب اللہ یہ پیغام دینا کہ اللہ تعالیٰ پر یہ سب آسان ہے۔	أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ
۳۲	بحکم خداوندی بغیر صحبت مرد کے ان کا حاملہ ہونا۔	يَمْسَسَنِي بَشَرٌ
۳۳	دورِ درزہ کے وقت ایک کھجور کے درخت کے نیچے جانا	قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ
		فَحَمَلَتْهُ
		فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى
		جِدْعِ النَّخْلَةِ

آپ کی ولادت کس جگہ اور کس طرح پر ہوئی؟

۳۴	مسکونہ مکان سے دور ایک باغ کے گوشہ میں ولادت ہوئی۔	فَانْتَبَذْتُ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا
----	--	--------------------------------------

إِلَى جِدْعِ النَّخْلَةِ

۳۵ حضرت مریم ایک کھجور کے درخت کے تنہ پر ٹیک لگائے ہوئی تھیں۔

۳۶ ولادت کے بعد مریم کا بوجہ حیا کے پریشان ہونا اور لوگوں کی تہمت سے ڈرنا۔

۳۷ درخت کے نیچے سے فرشتہ کا آواز دینا کہ گھبراؤ نہیں اللہ نے تمہیں ایک سردار دیا ہے۔

۳۸ ولادت کے بعد حضرت مریم کی غذا تازہ کھجوریں۔

۳۹ حضرت مریم کا آپ کو گود میں اٹھا کر گھرانہ۔

۴۰ ان کی قوم کا تہمت رکھنا اور بدنام کرنا۔

۴۱ حضرت مریم سے رفع تہمت کے لئے من جانب اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام فرمانا۔ اور فرمانا کہ میں نبی ہوں۔

قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا۔

أَلَا تَحْزَنُنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتِكَ سَرِيًّا

تُسَاقِطُ عَلَيْكَ رُطْبًا غَنِيًّا

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ

يَمْرُئِمُ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي

الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے خصائص

۴۲	مسیح موعود کا مردوں کو بحکم خدا زندہ کرنا۔	وَأُحْيِي الْمَوْتَى
----	--	----------------------

۴۳	برص کے بیمار کو شفاء دینا	أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ
----	---------------------------	------------------------------------

۴۴ مادر زاد اندھے کو بحکم الہی شفاء دینا۔

۴۵ مٹی کی چڑیوں میں بحکم الہی جان ڈالنا

۴۶ آدمیوں کے کھائے ہوئے کھانے کو بتا دینا کہ کیا کھایا تھا۔؟

۴۷ جو چیزیں لوگوں کے گھروں میں چھپی ہوئی رکھی ہیں ان کو دین دیکھے بتا دینا

۴۸ کفار بنی اسرائیل کا حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کرنا اور حفاظت الہی۔

۴۹ کفار کے نزعہ کے وقت آپ کو آسمان پر زندہ اٹھانا۔

أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

فَأَنْفَخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ

وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ

" " "

وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حلیہ

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

حدیث نمبر ۱۰ بروایت ابوداؤد ابن ابی شیبہ و احمد و ابن حبان و صحیح ابن حجر فی الفتح

" " "

" " "

" " "

۵۰ آپ کا وجیہ ہونا۔

۵۱ آپ کا قد و قامت درمیانہ ہے۔

۵۲

۵۳ رنگ سفید سرخی مائل ہے۔

بالوں کی لمبائی دونوں شانوں تک

۵۴ ہوگی۔

بالوں کا رنگ بہت سیاہ چمک دار ہوگا۔

جیسے نہانے کے بعد بال ہوتے ہیں۔

۵۵ بال کھنکریا لے ہوں گے۔

" (بعض روایات میں ہے کہ سیدھے بال ہونگے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں ہے ممکن ہے کہ اختلاف دو وقتوں کے لحاظ سے ہو) حدیث مذکور

۵۶ صحابہ میں آپ کے مشابہ عروہ بن مسعود ہیں۔

۵۷ آپ کی خوراک لوبیا اور جو چیزیں آگ پر نہ پکیں۔

حدیث نمبر ۷۲ رواہ الدیلمی

آخر زمانہ میں آپ کا دوبارہ نزول

حدیث نمبر الغایت نمبر ۷۵

۵۸ قرب قیامت میں پھر آسمان سے اترنا۔

حدیث نمبر ۱۱۰ ابوداؤد وغیرہ

۵۹ نزول کے وقت آپ کا لباس دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔

حدیث نمبر ۱۶۸ ابن عساکر

۶۰ آپ کے سر پر ایک لمبی ٹوپی ہوگی۔

حدیث نمبر ۴۸ درمنثور

۶۱ آپ ایک زرہ پہنیں گے۔

بوقت نزول آپ کے بعض حالات

حدیث نمبر ۵ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، احمد۔

۶۲ دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے اتریں گے۔

۶۳ آپ کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا جس سے دجال کو قتل کریں گے۔

حدیث نمبر ۱۴۸ ابن عساکر۔

۶۴ اُس وقت جس کسی کافر پر آپ کے سانس کی ہوا پہنچ جائے گی وہ مر جائے گا۔

۶۵ سانس کی ہوا اتنی دور تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر جائے گی۔

مقام نزول اور وقت نزول کی مکمل تعیین و توضیح

۶۶ آپ کا نزول دمشق میں ہوگا۔

۶۷ دمشق کی جامع مسجد میں نزول ہوگا۔

۶۸ جامع مسجد دمشق کے بھی شرقی گوشہ میں نزول ہوگا۔

۶۹ نماز صبح کے وقت آپ نازل ہوں گے۔

بوقت نزول حاضرین کا مجمع اور ان کی کیفیت

۷۰ مسلمانوں کی ایک جماعت مع امام مہدیؑ کے مسجد میں موجود ہوگی۔ جو دجال سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہونگے۔

۷۱ ان کی تعداد آٹھ سو (۸۰۰) مرد اور چار سو (۴۰۰) عورتیں ہوں گی۔

حدیث نمبر ۷ مسلم۔

حدیث نمبر ۶۹ دیلمی۔

۷۲ بوقت نزول عیسیٰ علیہ السلام یہ لوگ نماز کے لئے صفیں درست کرتے ہوئے ہوں گے۔

۷۳ اس جماعت کے امام اس وقت حضرت مہدی ہوں گے۔

۷۴ حضرت مہدی عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کے لئے بلائیں گے اور وہ انکار کریں گے۔

۷۵ جب حضرت مہدیؑ پیچھے ہٹنے لگیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر انہیں کو امام بنائیں گے۔

۷۶ پھر حضرت مہدیؑ نماز پڑھائیں گے۔

حدیث نمبر ۱۳ و نمبر ۴۱ تا نمبر ۴۳

حدیث نمبر ۳ مسلم واحد

حدیث نمبر ۳۱، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خزیمہ۔

حدیث نمبر ۴۱ ابونعیم

بعد نزول آپ کتنے دنوں تک دنیا میں رہیں گے؟

۷۷ آپ چالیس سال دنیا میں قیام فرمائیں گے۔

بعد نزول آپ کا نکاح اور اولاد

۷۸ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں نکاح ہوگا۔

۷۹ بعد نزول آپ کے اولاد ہوگی۔

حدیث نمبر ۷۳، فتح الباری و نمبر ۵۸ حدیث نمبر ۱۰۱، کتاب الخلل للمقریری۔

حدیث نمبر ۷۳، مذکور

۹۰ اس وقت اسلام کے سوا تمام مذاہب مٹ جائیں گے۔	حدیث نمبر ۱۰۰ البوداؤد، احمد، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، ابن جریر۔
۹۱ اور جہاد موقوف ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی کافر ہی باقی نہ رہے گا۔	حدیث نمبر ۱ بخاری و مسلم
۹۲ اور اس لیے جزیہ کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔	حدیث نمبر ۴ مسند احمد
۹۳ مال و زر لوگوں میں اتنا عام کر دیں گے کہ کوئی قبول نہ کرے گا۔	حدیث نمبر مذکور
۹۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کی امامت کریں گے۔	حدیث نمبر ۴ مسلم، مسند احمد
۹۵ حضرت مسیح مقام نوح الروحاء میں تشریف لے جائیں گے۔	" "
۹۶ حج یا عمرہ یا دونوں کریں گے۔	" "
۹۷ رسول اللہ کے روضہ اقدس پر تشریف لے جائیں گے۔	" درمنثور
۹۸ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سلام کا جواب دیں گے جس کو سب حاضرین سنیں گے۔	" "
مسیح موعود ﷺ لوگوں کو کس مذہب پر چلائیں گے	
۹۹ آپ قرآن و حدیث پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے	حدیث نمبر ۱۵۵ اشاعہ

نزول کے بعد مسیح موعود کے کارنامے

۸۰ آپ صلیب توڑیں گے یعنی صلیب پرستی کو اٹھادیں گے۔	حدیث نمبر ۱ بخاری، و مسلم۔
۸۱ خنزیر کو قتل کریں گے یعنی نصرانیت کو مٹائیں گے۔	حدیث نمبر ۱ بخاری و مسلم
۸۲ آپ نماز سے فارغ ہو کر دروازہ مسجد کھلوائیں گے اور اس کے پیچھے دجال ہوگا۔	حدیث نمبر ۱۳
۸۳ دجال اور اس کے ساتھیوں سے جہاد کریں گے۔	" " "
۸۴ دجال کو قتل فرمائیں گے۔	حدیث نمبر ۱۳
۸۵ دجال کا قتل ارضِ فلسطین میں باب لد کے پاس واقع ہوگا۔	" "
۸۶ اس کے بعد تمام دنیا مسلمان ہو جائے گی۔	" "
۸۷ جو یہودی باقی ہوں گے چن چن کر قتل کر دیے جائیں گے۔	" "
۸۸ کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دے سکے گی۔	" "
۸۹ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بول اٹھیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔	" "

مسح موعود ﷺ کے زمانہ میں ظاہری و باطنی برکات

۱۰۰ ہر قسم کی دینی و دنیوی برکات نازل ہونگے۔	حدیث نمبر ۵ مسلم، ابوداؤد، ترمذی مسند احمد۔
۱۰۱ سب کے دلوں سے بغض و حسد اور کینہ نکل جائے گا۔	حدیث نمبر ۱ مسلم وغیرہ۔
۱۰۲ ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا	حدیث نمبر ۵ مذکور۔
۱۰۳ یک دودھ دینے والی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کے لئے کافی ہوگی۔	" "
۱۰۴ ایک دودھ والی بکری ایک قبیلہ کے لیے کافی ہو جائے گی۔	" "
۱۰۵ ہر ڈنگ والے زہریلے جانور کا ڈنگ وغیرہ نکال لیا جائے گا۔	حدیث نمبر ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ۔
۱۰۶ یہاں تک کہ ایک لڑکی اگر سانپ کے منہ میں ہاتھ دے گی تو وہ اس کو نقصان نہ پہنچائے گا۔	" "
۱۰۷ ایک لڑکی شیر کو بھگا دے گی اور وہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔	" "
۱۰۸ بھیڑیا، بکریوں کے ساتھ ایسا رہے گا جیسے کتا ریوڑ کی حفاظت کے لئے رہتا ہے۔	" "

۱۰۹ ساری زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھر جاتا ہے۔	حدیث نمبر ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ۔
۱۱۰ صدقات کا وصول کرنا چھوڑ دیا جائے گا۔	" "

یہ برکات کتنی مدت تک رہیں گی؟

۱۱۱ یہ برکات سات سال تک رہیں گی۔	حدیث نمبر ۶، مسلم و احمد، حاکم
----------------------------------	--------------------------------

لوگوں کے حالات متفرقہ جو مسیح موعود کے وقت میں ہوں گے

۱۱۲ رومی لشکر مقام اعماق یا وابق میں اترے گا۔	حدیث نمبر ۷، مسلم
---	-------------------

۱۱۳ ان کے جہاد کے لئے مدینہ منورہ سے ایک لشکر چلے گا۔	" "
---	-----

۱۱۴ یہ لشکر اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں کا مجمع ہوگا۔	" "
--	-----

۱۱۵ اُن کے جہاد میں لوگوں کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے۔	" "
--	-----

۱۱۶ ایک تہائی حصہ شکست کھائے گا۔	" "
----------------------------------	-----

۱۱۷ ایک تہائی شہید ہو جائے گا۔	" "
--------------------------------	-----

۱۱۸ ایک تہائی فتح پا جائیں گے۔	" "
--------------------------------	-----

۱۱۹ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔	" "
---------------------------	-----

پہلے خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہونا

۱۲۰ جس وقت وہ غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول ہونگے تو خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہو جائے گی۔	حدیث نمبر ۷، مسلم
۱۲۱ لیکن جب یہ لوگ ملک شام میں واپس آئیں گے تو دجال نکل آئے گا۔	حدیث نمبر ۷، مسلم
اس زمانہ میں عرب کا حال	
۱۲۲ عرب اس زمانہ میں بہت کم ہونگے اور سب کے سب بیت المقدس میں ہونگے۔	حدیث نمبر ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ
لوگوں کے بقیہ حالات	
۱۲۳ مسلمان دجال سے بچ کر اقیق پہاڑ پر جمع ہو جائیں گے (یہ پہاڑ ملک شام میں ہے)۔	حدیث نمبر ۱۶، احمد، حاکم، طبرانی۔
۱۲۴ اس وقت مسلمان سخت فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں گے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اپنی کمان کا چلہ جلا کر کھا جائیں گے۔	" "
۱۲۵ اس وقت اچانک ایک منادی آواز دے گا کہ تمہارا فریاد رس آگیا۔	" "
۱۲۶ لوگ تعجب سے کہیں گے کہ یہ تو کسی پیٹ بھرے ہوئے کی آواز ہے۔	حدیث نمبر ۱۶، احمد، حاکم، طبرانی۔

غزوہ ہندوستان کا ذکر

۱۲۷ مسلمان کا ایک لشکر ہندوستان پر جہاد کرے گا اور اس کے بادشاہوں کو قید کر لے گا۔	حدیث نمبر ۱۳۶، ابونعیم
۱۲۸ یہ لشکر اللہ کے نزدیک مقبول اور مغفور ہوگا۔	" "
۱۲۹ جس وقت یہ لشکر واپس ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام کو ملک شام میں پائے گا۔	حدیث نمبر ۴۹، ابن نجار
۱۳۰ بنی عباس اس وقت گاؤں میں رہیں گے۔	" "
۱۳۱ اور سیاہ کپڑے پہنیں گے۔	" "
۱۳۲ اور ان کے متبعین اہل خراسان ہونگے۔	" "
۱۳۳ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعتماد پر تمام دنیا سے مستغنی ہو جائیں گے۔	" "
مسیح موعود کے زمانہ کے اہم واقعات	
آپ کے نزول سے پہلے دجال کا خروج	
۱۳۴ شام و عراق کے درمیان دجال نکلے گا۔	حدیث نمبر ۵ مذکور
دجال کی علامات	
۱۳۵ اس کی پیشانی پر کافراں صورت میں لکھا ہوگا ک، ف، ر۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد

۱۳۶	وہ بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد
۱۳۷	دائیں آنکھ میں سخت ناخن ہوگا۔	
۱۳۸	تمام دنیا میں پھر جائے گا۔ کوئی جگہ باقی نہ رہے گی جس کو وہ فتح نہ کرے	" "
	البتہ حرمین مکہ و مدینہ اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔	
۱۳۹	مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ہر راستہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ جو دجال کو اندر نہ گھسنے دیں گے۔	" "
۱۴۰	جب مکہ و مدینہ سے دفع کر دیا جائے گا تو ظریب احمر میں سب بخہ (کھاری زمین) کے ختم پر جا کر ٹھیرے گا۔	حدیث نمبر ۱۳
۱۴۱	اس وقت میں تین زلزلے آئیں گے جو منافقین کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے اور تمام منافق مرد و عورت دجال کے ساتھ ہو جائیں گے۔	" "
۱۴۲	اس کے ساتھ ظاہری طور پر جنت و دوزخ ہوگی مگر حقیقت میں اس کی جنت دوزخ اور دوزخ جنت ہوگی۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد

۱۴۴	اس کے زمانہ میں ایک دن سال بھر کے برابر اور دوسرا مہینہ کے برابر اور تیسرا ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور پھر باقی ایام عادت کے موافق ہوں گے۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد
۱۴۵	وہ ایک گدھے پر سوار ہوگا جس کے دونوں ہاتھوں کا درمیانی فاصلہ چالیس ہاتھ ہوگا۔	" "
۱۴۶	اس کے ساتھ شیاطین ہوں گے جو لوگوں سے کلام کریں گے۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد
۱۴۷	جب وہ بادل کو کہے گا فوراً بارش ہو جائے گی۔	حدیث نمبر ۵، مسند احمد
۱۴۸	اور جب چاہے گا تو قحط پڑ جائے گا۔	حدیث نمبر ۵، مذکور
۱۴۹	مادر زادانڈھے اور ابرص کو تندرست کر دے گا۔	حدیث نمبر ۳۸، طبرانی
۱۵۰	زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو فوراً باہر آ کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔	" "
۱۵۱	دجال ایک نوجوان آدمی کو بلائیگا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے بیچ سے کر دے گا اور پھر اس کو بلائیگا تو وہ صحیح سالم ہو کر ہنستا ہوا سامنے آ جائے گا۔	" "

۱۵۲ اُس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے جن کے پاس جڑاوتکواریں اور سانج ہوں گے۔

۱۵۳ لوگوں کے تین فرقے ہو جائیں گے ایک فرقہ دجال کا اتباع کرے گا اور ایک فرقہ اپنی کاشت کاری میں لگا رہے گا اور ایک فرقہ دریائے فرات کے کنارے پر اس کے ساتھ جہاد کرے گا۔

۱۵۴ مسلمان ملک شام کی بستیوں میں جمع ہو جائیں گے اور دجال کے پاس ایک ابتدائی لشکر بھیجیں گے۔

۱۵۵ سیاہ، سفید) گھوڑے پر سوار ہوگا اور یہ سارا لشکر شہید ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک بھی واپس نہ آئے گا۔

دجال کی ہلاکت اور اُس کے لشکر کی شکست

۱۵۶ دجال جب حضرت عیسیٰؑ کو دیکھے گا تو اس طرح پکھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پکھلتا ہے۔

۱۵۷ اس وقت تمام یہودیوں کو شکست ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۳، ابو داؤد، وابن ماجہ وغیرہ

حدیث نمبر ۷۰، ابن ابی شیبہ، عباس بن حمید، حاکم، بیہقی، ابن ابی حاتم۔

" " "

حدیث نمبر ۷۰، ابن ابی شیبہ، عباس بن حمید، حاکم، بیہقی، ابن ابی حاتم

حدیث نمبر ۱۳ مذکور۔

حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴

یاجوج ماجوج کا نکلنا اور ان کے بعض حالات

۱۵۸ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا جن کا سیلاب تمام عالم کو گھیر لے گا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام مسلمانوں کو طور پہاڑ پر جمع فرمادیں گے۔

یاجوج ماجوج کا ابتدائی حصہ جب دریائے طبریہ پر گزرے گا تو سب دریا کو پی کر صاف کر دے گا۔

۱۶۰ اس وقت ایک بیل لوگوں کے لئے سودینار سے بہتر ہوگا (بوجہ قحط) کے یاد دنیا سے قلتِ رغبت کی وجہ سے) ۱۶۱

مسیح موعود کا یاجوج ماجوج کے لئے بددعا فرمانا اور ان کی ہلاکت

۱۶۲ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لئے بددعا فرمائیں گے۔

۱۶۳ اللہ تعالیٰ ان کے گلوں میں ایک گلی نکال دے گا جس سے سب کے سب دفعۃً مرے ہوئے رہ جائیں گے

حدیث نمبر ۵ مذکور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جبل طور سے اترنا

حدیث نمبر ۵ مذکور

۱۶۳ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو لیکر جبل طور سے زمین پر اتریں گے۔

۱۶۵ مگر تمام زمین یا جوج ماجوج کے مردوں کی بدبویں سے بھری ہوئی ہوگی۔

۱۶۶ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعاء فرمائیں گے کہ بدبودور ہو جائے۔

۱۶۷ اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس سے تمام زمین دھل جائے گی پھر زمین اپنی اصلی حالت پر پھولوں اور پھلوں سے بھر جائے گی۔

مسیح موعود کی وفات اور اس سے قبل و بعد کے حالات

حدیث نمبر ۵۵ الاشاعۃ للبرزنجی

۱۶۹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو فرمائیں گے کہ میرے بعد ایک شخص کو خلیفہ بنائیں جس کا نام مُقعد ہے

حدیث نمبر ۵۵ و نمبر ۱۵ مسند

احمد و حافظ

" "

۱۷۰ اس کے بعد آپ کی وفات ہو جائے گی۔

۱۷۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر میں چوتھی قبر آپ کی ہوگی۔

۱۷۲ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعمیل ارشاد کے لئے مُقعد کو خلیفہ بنائیں گے۔

۱۷۳ پھر مُقعد کا بھی انتقال ہو جائے گا

۱۷۴ یہ واقعہ مُقعد کی موت سے تین سال بعد ہوگا۔

۱۷۵ اس کے بعد قیامت کا حال ایسا ہوگا جیسے کوئی پورے نو مہینہ کی

۱۷۶ حاملہ کہ معلوم نہیں کب ولادت ہو جائے۔

اس کے بعد قیامت کی بالکل قریبی علامات ظاہر ہوں گی۔

۱۷۷

حدیث نمبر ۵۵ و نمبر ۱۵، مسند

احمد

و حافظ

" "

ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

مسیح موعود کی مکمل سوانح حیات اور عمر بھر کی کارنامے اور اُن کے مسکن و مدفن کا پورا جغرافیہ اس تفصیل و تحقیق کے ساتھ قرآنی آیات اور حدیثی روایات میں جب ایک سمجھ دار آدمی کے سامنے آتا ہے تو خود بخود یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی عظیم الشان جماعت میں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے کہ اُن کے تذکرہ کو قرآن و حدیث نے اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ کسی اور نبی کے لئے اس کا عشر عشر بھی مذکور نہیں۔ یہاں تک کہ سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبات اور سیرت و شمائل بھی قرآن عزیز میں اس تفصیل و توضیح کے ساتھ نظر نہیں نہیں آتے۔ حالانکہ تمام انبیاء و رسل کی جماعت پر آپ کی سیادت و عظمت باجماع اُمت ثابت ہونے کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں بتصریح قرآن مجید یہ بھی ایک اہم مقصد ہے کہ دُنیا میں آپ کی تشریف آوری کا اعلان فرماتے ہوئے آپ کی سیادت کا سکھ قلوب پر بٹھلا دیں۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی یہ اہمیت ضرور کسی بڑی مصلحت و حکمت پر مبنی ہے۔

پھر جب ذرا تامل سے کام لیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ خصوصی اہمیت بھی اُن عنایاتِ الہیہ کا نتیجہ ہے جو ازل سے اُمتِ امیہ کی قسمت میں مقدّر ہو چکی تھی اور حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین کا ایک مظہر ہے جس نے اُمت کے لئے مذہبی شاہ راہ کو اتنا ہموار اور صاف کر چھوڑا ہے کہ اُس کا لیل و نہار برابر ہے۔ اس راستہ کے قدم قدم پر ایسے نشانات بتلا دیئے ہیں کہ چلنے والے کو کہیں التباس پیش نہیں آسکتا۔

یعنی قیامت تک جتنے قابل اقتداء انسان پیدا ہونے والے تھے اُن میں اکثر کے نام لے لے کر اُن کی مفصل کیفیات پر اُمت کو مطلع فرما دیں تاکہ اپنے اپنے وقت میں جب یہ بزرگانِ دین ظاہر ہوں تو اُمت ان کے قدم لے اور اُن کے افعال و اقوال کو اپنا

اُسوہ بنائے۔

پھر ارشاد و ہدایت کے سلسلہ میں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نبوت کی شان امتیاز رکھتے ہیں۔ اس لئے اُن کے ذکر کی اہمیت سب سے زیادہ ہونا لازمی تھی۔ کیونکہ نبی کی شان تمام دنیا سے برتر ہے۔ اُس کی ادنیٰ توہین و تنقیص کا اشارہ بھی کفر صریح ہے۔ تمام مرشدین اور مجددین اُمت کی شخصی معرفت میں اگر کوئی شبہ باقی بھی رہے تو بجز اسکے کہ اُن کی برکات و فیوض سے محرومی ہو اُمت کے ایمان کا خطرہ نہیں ہے۔ بخلاف مسیح موعود علیہ السلام کے کہ اگر اُن کی علامات اور پہچان میں کوئی شبہ کا موقع یا التباس کی گنجائش رہی اور اُمت مرحومہ اُن کو نہ پہچانے تو یہاں کفر و ایمان کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کا ایمان خطرہ میں آ جاتا ہے۔ اندیشہ قوی ہوتا ہے کہ نہ پہچاننے کی وجہ سے اُمت آپ کی توہین و تنقیص میں مبتلا ہو کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور پھر دجالی فتنوں اور یاجوج ماجوج کی بلاؤں کا شکار ہو جائے۔

اس لئے رحمۃ اللعالمین کا فرض تھا کہ مسیح موعود کی پہچان کو اتنا روشن فرما دیں کہ کسی بصیر انسان کو اُن سے آنکھ چرانے کی مجال نہ رہے۔ خدا کی ہزاراں ہزار رحمتیں اور بے شمار درود اُس حریص بالمؤمنین اور رؤف و رحیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے اس مسئلہ کو اتنا صاف اور روشن فرما دیا ہے کہ اس سے زیادہ عادتہ ناممکن ہے۔

دنیا میں ایک شخص کی تعریف اور پہچان کے لئے اس کا نام اور ولدیت و سکونت وغیرہ دو تین اوصاف بتلا دینا ایسا کافی ہو جاتا ہے کہ اُس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ ایک کارڈ پر جب یہ دو تین نشان لکھ دیے جاتے ہیں تو مشرق سے مغرب میں ٹھیک اپنے مکتوب الیہ کے پاس پہنچنا ہے اور کسی دوسرے کو یہ مجال نہیں ہوتی کہ اس پر اپنا حق ثابت کر دے یا چٹھی رساں سے یہ کہہ کر لے لے کہ میں ہی اس کا مکتوب الیہ ہوں۔

لیکن ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہیں نشانات کے بتلا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ مسیح موعود کے نام کی جو چھٹی مسلمانوں کے ہاتھوں میں وی ہے اُس

کی پشت پر پتہ کی جگہ ان کی ساری سوانح عمری اور شمائل و خصائل، حلیہ، لباس اور علمی کارنامے بلکہ اُن کے مقام نزول اور جائے قرار اور مسکن و مہل کا پورا جغرافیہ تحریر فرما دیا ہے اور پھر اُسی پر بس نہیں فرمائی بلکہ آپ کا شجرہ نسب اور آپ کے متعلقین اور تبعین تک کے احوال کو مفصل لکھ دیا ہے۔

مگر افسوس کہ اس پر بھی بعض قزاق اس فکر میں ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تمام کوشش پر (خاکش بدہن) خاک ڈال کر اس چٹھی کو قبضالیں اور اس طرح دنیا میں مسیح موعود بن بیٹھیں۔

مرزائیوں سے چند سوال

مجھ کو یہ پوچھنا ہے مرزا سے

یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

وہ لوگ جو ناواقفیت یا کسی مغالطہ غلط فہمی سے مرزائیت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں، میں اُن کو خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر دلی خیر خواہی اور ہمدردی سے عرض کرتا ہوں کہ یہ دین و آخرت کا معاملہ ہے۔ ہر شخص کو اپنی قبر میں اکیلا جانا اور حساب دینا ہے۔ کوئی جتھا اور جماعت وہاں کام نہ آئے گی۔ خدا کے لئے ہوش میں آئیں اور عقل خدا داد سے کام لیں اور سمجھیں کہ کیا مرزا غلام احمد صاحب انہیں اوصاف و علامات اور نشانات کے آدمی تھے جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کی پہچان کے لئے اُمت کے سامنے رکھے ہیں۔

کیا مرزا جی کا نام ”غلام احمد“ نہیں بلکہ ”عیسیٰ“ ہے؟

کیا اُن کی والدہ کا نام ”چراغ بی“ نہیں بلکہ ”مریم“ ہے؟

کیا اُن کے والد ”غلام مرتضیٰ“ نہیں، بلکہ بے باپ کی پیدائش ہیں؟

کیا اُن کا مولد ”قادیان“ جیسا کوردہ نہیں، بلکہ ”دمشق“ ہے یا قادیان دمشق کے ضلع یا صوبہ میں واقع ہے؟

کیا اُن کا مدفن ”قادیان“ نہیں بلکہ ”مدینہ طیبہ“ ہے؟

کیا اُن کے نانا ”عمران“ اور ماموں ”ہارون“ اور نانی ”حنہ“ ہیں؟

کیا اُن کی والدہ کی تربیت حضرت مریم کی طرح ہوئی ہے؟

کیا اُن کا نشوونما ایک دن میں اتنا ہوا ہے جتنا ایک سال میں بچہ کا ہوتا ہے؟ کیا

اُن کے پاس غیبی رزق آتا تھا؟ کیا فرشتے اُن سے کلام کرتے تھے؟

کیا مرزا جی کی پیدائش جنگل میں کھجور کے درخت کے نیچے ہوئی؟

اور کیا اُن کی والدہ نے پیدائش کے بعد درخت کھجور کو ہلا کر کھجوریں کھائی تھیں؟

کیا مرزا جی نے کسی مُردے کو زندہ کیا ہے؟ کیا انہوں نے کسی برص کے بیمار یا

مادر زاد اندھے کو خدا سے اذن پا کر شفا دی ہے؟

کیا مٹی کی چڑیوں میں حکم خداوندی جان ڈالی ہے؟

کیا وہ آسمان پر گئے ہیں اور پھر اترے ہیں؟

کیا اُن کے سانس کی ہوا سے کافر مر جاتے تھے (۱)؟

کیا اُن کے سانس کی ہوا اتنی دور پہنچتی تھی جہاں تک اُن کی نظر پہنچے؟

کیا وہ دمشق کی جامع مسجد میں گئے ہیں؟

کیا اُن کا نکاح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں ہوا ہے؟ کیا انہوں نے دنیا سے

صلیب پرستی اور نصرانیت کو مٹایا ہے یا اور اُن کے زمانہ میں نصرانیت کو ترقی ہوئی؟

(۱) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مرزا جی میں باوجود مسیح یا مثیل مسیح کے دعویٰ کے یہ وصف نہ ہوا۔ ورنہ ساری دنیا خالی

ہو جاتی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور واقعی کافر ہیں ہی۔ مرزا جی کے نزدیک دنیا کے کروڑوں مسلمان بھی کافر ہیں۔

دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۷۹ اور بعین نمبر ۴ ص ۶ و سیرت الابدال ص ۴۱ و انجام آتھم ص ۶۲ وغیرہ۔ ۱۲ منہ

کیا اُن کے زمانہ میں اُن اوصاف کا دجال نکلا ہے جو بحوالہ احادیث ہم نے نقشہ میں درج کئے ہیں؟

کیا انہوں نے ایسے دجال کو حربہ سے قتل کیا ہے؟ کیا انہوں نے اور اُن کی جماعت نے یہودیوں کو قتل کیا ہے؟ کیا کسی نے اُن کے زمانہ میں پتھروں اور درختوں کو بوتلے دیکھا ہے؟

کیا انہوں نے مال و دولت کو اتنا عام کر دیا ہے کہ اب کوئی لینے والا نہیں ملتا اور افلاس، فقر و فاقہ اور ذلت اُن کے قدموں کی برکت سے دنیا میں پھیل گئے۔ آسمانی برکات پھلوں اور درختوں میں اس طرح ظاہر ہوئیں کہ ایک انار ایک جماعت کے لئے، ایک بکری کا دودھ ایک قبیلہ کے لئے کافی ہو جائے؟

کیا انہوں نے لوگوں کے قلوب میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا یا نفاق و خلاف کی طرح ڈالی؟

کیا بغض و حسد لوگوں کے قلوب سے اُٹھ گیا اور زیادہ ہو گیا؟

کیا بچھو، سانپ وغیرہ کا زہر بے کار ہو گیا؟

کیا مرزا جی کو حج یا عمرہ یا دونوں کرنا نصیب ہوا ہے؟ کیا مرزا جی کبھی مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے ہیں؟

کیا اُن کے زمانہ میں یا جوج ماجوج نکلے ہیں؟ کیا اُن کے مُردوں سے تمام زمین آلودہ نجاست و بدبو ہوئی اور مرزا جی کی دُعا سے بارش نے اُس کو دھویا ہے؟

کیا مرزا جی نے کسی مُقعد نامی آدمی کو خلیفہ بنایا ہے؟

کیا مرزا جی کو مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی؟

الغرض مسیح موعود کے حالات و نشانات کا مکمل نقشہ بحوالہ قرآن

و حدیث آپ کے سامنے ہے۔ آنکھیں کھول کر ایک ایک نشان اور ایک ایک علامت کو مرزا

صاحب میں تلاش کیجئے اور خدا تعالیٰ نظروں سے غائب ہے تو مخلوق ہی سے شرمائیے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چٹھی جس پر یہ نشانات اور یہ پتہ لکھا ہوا ہے۔ آپ کس کے سپرد کرتے ہیں اور اگر کہیں کہ غلام احمد سے مراد عیسیٰ اور چراغ بی بی سے مریم اور دمشق و مدینہ سے قادیان اور نصرانیت کے مٹانے سے مراد اُس کی ترقی اور عزت سے مراد ذلت ہے تو اس خانہ ساز مرزائی لغت پر قرآن اور احادیث نبویہ کی اس تحریف بلکہ ان کا مضحکہ بنانے کو کیا واقعی تمہاری عقل قبول کرتی ہے؟ اور کیا دنیا میں کوئی انسان اس پر راضی ہو سکتا ہے؟ اور اگر تحریفات و تاویلات اور استعارات کی یہی گرم بازاری ہے تو پھر کیا دنیا کا کوئی کام یا کوئی معاملہ درست رہ سکتا ہے؟

ہم تو جب جانیں کہ مرزا صاحب یا اُن کی امت کسی عیسیٰ نامی دمشقی آدمی کا ایک کارڈ چٹھی رساں سے یہ کہہ کر وصول کر لیں کہ آسمان میں قادیان ہی کا نام دمشق ہے اور میرا ہی نام عیسیٰ ہے اور چراغ بی بی ہی کا نام مریم ہے کبھی یہ کہہ کر دیکھو کہ چٹھی رساں اور ساری دنیا تمہیں کیا کہے گی۔

ہاں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چٹھی کو لا وارث سمجھ کر راستہ میں اڑانا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ وارث موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی لکیر کے فقیر ہیں اور اسی کو اپنی بادشاہی سمجھتے ہیں اور اسی عہد پر جان دے دینے کو اپنی فلاح دارین جانتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ چکے ہیں۔

اگرچہ خرمن عمرم غم تو داد بباد

بخاک پائے عزیزت کہ عہدِ نشکستم

اس لئے ہم بعون اللہ تعالیٰ بباغِ دہل کہتے ہیں کہ مرزائی اُمت کتنا ہی زور

لگائے مگر یہ والا نامہ اُسی مکتوب الیہ کو ملے گا جس کے نام آج سے تیرہ سو برس پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا اور بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو سلام پہنچایا ہے۔

واللہ باللہ ہمیں مرزا صاحب سے کوئی عدوات نہیں۔ کون چاہتا ہے۔ کہ گھر آئے ہوئے مسح کو اور اُن کی مسیحائی کو ٹھکرا دے۔ بالخصوص ایسے وقت جب کہ قوم کو مسیح کی سخت حاجت ہے۔ مگر بات وہی ہے کہ مسح تو ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کوئی مسیحائی بھی تو دکھلائے

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو دل بھی حاضر سر تسلیم بھی خم کو موجود کوئی مرکز ہو کوئی قبلہ حاجات تو ہو دل تو بے چین ہے اظہار ارادت کے لئے کسی جانب سے کچھ اظہار کرامات تو ہو دل کشا بادہ صافی کا کسے ذوق نہیں باطن افروز کوئی پیر خرابات تو ہو

مسلمانو! آپ کی مذہبی غیرت و حمیت اور خداداد عقل و فہم کو کیا ہوا کہ آپ کو مشاہدات اور بدیہیات کے انکار کی طرف بلایا جاتا ہے اور آپ ذرا عقل سے کام نہیں لیتے۔ ع

اے کشتہ ستم ! تری غیرت کو کیا ہوا؟

خدا کے لئے ذرا ہوش میں آؤ اور اس فتنہ کے انجام پر نظر ڈالو کہ اگر یہی مرزائی لغت اور قادیانی زبان اور اس کے عجیب استعارات رہے تو قرآن و حدیث اور مذہب و اسلام کا تو کہنا کیا ساری دنیا کا گھر وندہ اور عالم کا نظام برباد ہو جائے گا۔ ایک شخص اگر زید کے گھر پر دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے اور مرزا صاحب کی طرح کہے کہ آسمانی دفتروں میں میرا ہی نام زید لکھا ہوا ہے اور مالک مکان کی جتنی علامات اور نشانات سرکاری کاغذوں میں درج ہیں اُن سب کا مستحق برنگ استعارات میں ہوں تو بتلائیے کہ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اسی طرح اگر ایک مرد کسی غیر منکوحہ پر اسی حیلہ سے اپنی بی بی ہونے کا دعویٰ کرے یا کوئی عورت اسی مرزائی استعارہ کے بل پر کسی غیر مرد کو اپنا خاوند بنائے۔ یا کوئی ملازم دوسرے ملازم کی تنخواہ وصول کرے۔ یا کوئی بھنگی بادشاہی محل میں گھس کر شاہی بیگمات

کو اسی مرزائی فلسفہ کی طرف دعوت دے۔ یا ایک قتلِ عمد کا مجرم اپنا جرم اسی مرزائی استعارات کے ذریعہ کسی دوسرے غریب کے سر ڈال دے اور کہے کہ آسمانی دفتروں میں اسی کا نام وہ ہے جو قاتل کیلئے لکھا ہوا ہے۔ تو فرمائیے کہ مرزائی اصول اور اُن کے استعارات کی دنیا کو جائز رکھتے ہوئے کسی کو کیا حق ہے کہ ان لوگوں کی زبان بند کر سکے یا ہاتھ روک سکے؟ اور جب نوبت اس پر پہنچ گئی تو خود سمجھئے کہ دین و مذہب تو کیا خود دنیا داری کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔

الغرض دنیا کے تمام معاملات بیع و شراء لین دین، نکاح و طلاق جزاء، و سزا میں ایک شخص کی تعیین کے لئے جب اُس کا نام اور ولدیت و سکونت وغیرہ دو چار وصف ذکر کر دیے جاتے ہیں تو اُس شخص کی تعیین و تمیز ایسی حتمی اور یقینی ہو جاتی ہے کہ اُس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی دوسرے کی مجال نہیں ہوتی کہ اُس کے احوال و اقوال کو اپنی طرف منسوب کر سکے اور اُس کی مملوکات میں تصرف کر سکے۔ نہ یہاں کوئی استعارہ چل سکتا ہے نہ مجاز۔ دنیا کے تمام کارخانے اسی اسلوب پر قائم ہیں۔

غضب ہے کہ جس شخص کے متعلق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چار نہیں دس ہیں نہیں ایک سوا سی (۱۸۰) علامات و نشانات اُمت کو بتلائے ہوں۔ اُمت کو اب بھی اُس کی تعیین میں شبہ رہے اور آپ کے صاف و صریح ارشادات کو استعارات و مجاز کہہ کر ٹال دے۔

ہرگز باور نہ آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ ہاگفتن و دینِ پیمبر داشتن



الافصاح عن تصرفات الجن والارواح

الافصاح عن تصرفات الجن والارواح

سوال: (۱۵) ایک شخص مثلاً زید بظاہر نیک سیرت بااخلاق متقی پرہیزگار ہے اس پر یہ دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ جنات آتے ہیں اور کبھی ارواح طیبہ آکر گفتگو کرتے ہیں نہ ان خباثت و اجنہ کی صورت نظر آتی ہے نہ ان ارواح طیبہ کی شکل ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ جس کے سر پر ان کا ورود ہوتا ہے وہ نہایت سچے طریقے سے اس کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ان کی صورت و اشکال کو بھی دیکھتے ہیں کوئی بصورت بزرگان دین ہوتا ہے اور کسی کی اشکال نہایت مکروہ و بدنما ہوا کرتی ہے۔ گفتگو اس امر میں ہے کہ آیا جنات و خباثت و ارواح بزرگان دین کا کسی کے سر پر آکر بولنا کوئی امر واقعی ہے جس کا ثبوت شریعت طیبہ سے ملتا ہو یا نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق عمر و بکر میں اختلاف شدید ہو رہا ہے ہر ایک کے استدلال حسب ذیل ہیں۔

عمر و کہتا ہے یہ سب غلط باتیں ہیں ان کا شریعت سے کہیں ثبوت نہیں۔ بزرگوں کے سر پر آکر بولنا بھی خرافات میں سے ہے چنانچہ اس پر سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد مرحوم و دیگر علما شریعت کا فتویٰ موجود ہے نیز جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو ”دو حالت سے خالی نہیں یا اعمال صالحہ کئے ہوں گے یا اعمال سیئہ کئے ہوں گے صورت اول میں اس کی روح علیین میں ہوگی اور صورت ثانیہ میں سجدین میں روح معذب ہوگی۔ اگر علیین میں ہے تو وہ لذائذ و انعام کو چھوڑ کر کیوں دنیا میں آوے گی اور اگر متعلق معذب فی السجدین ہے تو اس کو رنج و الم سے کہاں فرصت کے کسی کے سر آکر مکالمہ کریگی۔ چنانچہ اچھے بندوں کے متعلق خود حدیث میں وارد ہے کہ قبر میں ان سے سوال و جواب کے بعد ملائکہ کہیں گے کہ کنوۃ العروس اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آرام و خواب شیریں کو چھوڑ کر کب آسکتے ہیں۔ و نیز چونکہ اس کا ثبوت بھی کہیں سے نہیں ملتا اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا لغو ہے اور لغوشے پر یقین رکھنا بھی حماقت ہے۔

تاریخ تالیف _____
مقام تالیف _____
ماخوذ از امداد المفتین

جنات اور ارواح کا تصرف زندہ انسانوں یا دوسری چیزوں میں ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ مدلل تحریر ہے جو اب تک امداد المفتین کا حصہ رہی ہے اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

بکر کہتا ہے کہ سوال زید تین اشخاص کے متعلق ہے خباثت اور اجنہ اور ارواح طیبہ تو ان تینوں کے متعلق یہ گزارش ہے کہ خباثت و شیطین و بلفظ دیگر بھوت پریت۔ تو ان ہر ایک کو منجانب اللہ یہ حق حاصل رہتا ہے کہ غیروں کو ستاتے پھریں۔ اور سرچڑھ کر ایذا میں دیں گالیاں سنائیں وغیرہ وغیرہ کیوں کہ امراض کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک ظاہری دوسری باطنی جس طرح ظاہری امراض بخار و لرزہ وغیرہ ایذا رساں ہوتے ہیں بعینہ اسی طرح امراض باطنیہ کے اسباب یہی شیطین وغیرہ ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ طاعون کو نبٹ اللجن کہیں الطاعون اللجن حدیثوں میں وارد ہے کہ شیطین اجنہ کی شرارت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عذاب الہی چند قسم کے ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہوا کرتا ہے راندہ دربار فرما کر دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے کہ در بدر ٹھوکریں کھاتے پھر ورہا کسی کے سر پر چڑھ کر بولنا تو یہ بھی ممکن ہے اور مشاہدات اس کی مصداق ہیں و نیز شیطین کے متعلق مذکور ہے کہ یجری مجری الدم و نیز خیشوم میں اس کا صبح کو آ کر بیٹھا رہنا۔ ان امور سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر سرایت کئے ہوئے رہتا ہے پھر اس کا سر چڑھ کر بولنا کچھ بھی مستبعد نہیں جب کہ وہ گمراہی کا خواہاں اور اس کی تدابیر میں سرگرداں رہتا ہے چنانچہ احد میں کفار کی شکست خوردہ جماعت کو اسی نے آواز دیکر واپس کیا تھا۔ و نیز تلک الغرائق العلیٰ کا قصہ مشہور ہے اگرچہ کل صحیح نہ ہوتا ہم نفس شیطان کا اختلاف بالتکلم ثابت ہوتا ہے و نیز ”و ما من مولود یصیح الا لمس الشیطان او کما قال سے بھی ظاہر ہے۔

الغرض شیطانوں کا وجود اور ان کا انسان کے ساتھ متعلق رہنا و نیز تکلم یہ بھی کچھ مستبعد نہیں بلکہ صد ہا اس کی نظیریں موجود ہیں اجنہ بھی موجود ہیں ان کے وجود میں کلام نہیں و نیز ان کا انسان کے ساتھ تعلق بھی منکر نہیں ہو سکتا۔ خرافہ کی حدیث شائل ترمذی و دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے۔ و نیز ابو تمیم الفاری کا واقعہ بھی مشہور ہے لیلۃ اللجن کی حدیث بھی ان کے وجود و مکالمہ پر شاہد ہے اجنہ کا مختلف اشکال میں بدل جانے پر بھی قادر ہونا پایہ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے جنات بھی عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ان میں اختیار و شرار ہر قسم کے

ہوتے ہیں کبھی اگر اچھوں کا تسلط ہوا تو نیکی کی باتیں بتلاتے ہیں اور اگر بروں کا تسلط ہوا تو ایذا میں دیتے ہیں اشرار جنہ کا سر پر چڑھ کر بولنا ستانا کچھ بھی منکر و مستبعد نہیں بلکہ اس کا تو مشاہدہ بھی ہوتا ہے چنانچہ ”اکام المرجان فی احکام الجن و نیز المرجان فی اخبار الجن“ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ و نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی قلمی تحریر موجود ہے اس میں یہ مصرح ہے کہ ان کا سر پر چڑھ کر بولنا یا ستانا سب کچھ ثابت ہے اور ہر قسم کے جنات آتے ہیں اور سر پر چڑھ کر بولتے ہیں۔ ان ہر ایک میں امتیازی کی صورت بھی بیان فرمائی ہے و نیز ان کے فتاویٰ میں بھی مسطور ہے و نیز مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا اس امر پر فتویٰ موجود ہے غالباً فتاویٰ جلد سوم میں مرقوم ہے کہ جنات کا تصرف علی الانسان ممکن و مشاہد ہے۔ اور نیز صد ہا واقعات و شواہدات ایسے موجود ہیں کہ ان کا انکار قابل انکار ہے۔

ارواح طیبہ شہداء کے متعلق تو خود قرآن مجید میں ان کی حیات کے متعلق مصرح ہے کہ ان کے متعلق ہمارے اکابر رحمہم اللہ اجمعین فرماتے ہیں کہ وہ بالکل آزاد ہیں اور انہیں کے حکم میں اولیائے کرام بھی داخل ہیں اور داخل نہ ہونے کی وجہ بھی نہیں دونوں عشق الہی میں جان بحق ہوئے۔ البتہ اس باب میں موت کے ظہور و خفا کا فرق ہے چنانچہ جناب حکیم الامتہ مدظلہ العالی کے اکثر مواعظ میں مذکور ہے و نیز اکابر علماء سے اس کے متعلق تصریح موجود ہے کہ شہداء کی آزادی کے حکم میں اولیاء کرام کی ارواح طیبہ بھی داخل ہیں۔ غالباً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بزرگوں کی ارواح بھی عالم برزخ میں ترقی کرتی ہیں چنانچہ انبیاء کی ارواح کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ اکثر انبیاء کو مشغول بصلوہ و صوم پایا۔ اس سے ان کی زندگی و آزادی کا ثبوت ہوتا ہے والا مثل فالامثل۔ و نیز وہ خدا کے مقرب ہوتے ہیں (ان کو ان پر انعامات ہوتے ہیں منجملہ انعامات کے آزادی بھی تو ایک انعام ہے) ”نم کنومة العروس“ اس کے مخالف نہیں کیونکہ نائم کے لئے آزادی معارض نہیں ہے رہ گیا ان کا آنا اور سر چڑھ کر بولنا۔ اس پر بھی شاہ عبدالعزیز کے

فتوے میں روشنی ڈالی گئی ہے ان کے آنے کی تصریح و نیز تکلم کی بھی تصریح موجود ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی اسی پر فتویٰ دیا و نیز مشارق الانوار میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ارواح طیبہ آکر بول سکتی ہیں۔ و نیز قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الروح من بدن ابن ادم و مضی ثلثة ايام يقول الروح یارب ائذن لی حتی مشی وانظر الی جسدی الذی كنت فیہ فیاذن اللہ له فیجئ الی قبره وینظر الیه من بعید الی آخر الحدیث قال ابن عباس اذا کان یوم العید و یوم عاشوراء و یوم الجمعة الاولی من رجب و لیلة النصف من شعبان و لیلة القدر و لیلة الجمعة تخرج ارواح الاموات من قبورهم و یقفون علی ابوابهم او علی ابواب بیوتهم الخ و روی عن ابی ہریرۃ انه قال اذا مات المؤمن دارت روحه حول داره شهرًا کذا فی دقائق الاخبار ص ۸۸ للام الشیخ عبدالرحیم ابن احمد القاضی و بہامشہ کتاب الدرر الحسان فی البعث و نعیم الجنان للسیوطی۔

اس کے علاوہ مشاہدات و واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں خود ہمارے اکابر بھی اس کے مخالف نہیں۔

سوال: یہ ہے کہ آیا عمر کی رائے بحق ہے یا بکر کا قول۔ اگر عمر کا قول درست ہے تو کس بناء پر۔ اور اگر بکر کا قول صحیح قول ہے تو کیا اس کے قول کی صحت کے مذکورہ بالا دلائل کافی ہیں یا دیگر دلائل کی ضرورت پڑے گی۔ مدلل جواب عنایت کریں؟

الجواب: مکالمہ مذکورہ میں اصولی طور پر اتنا تو صحیح ہے کہ جنات اور ارواح مفارقتہ عن البدن خواہ ارواح طیبہ ہوں یا خبیثہ۔ ان کا تصرف زندہ انسان یا دوسری چیزوں میں ہو سکتا ہے۔ کوئی دلیل شرعی، عقلی یا نقلی اس کے منافی نہیں اور واقعات و تجارب اس کی صحت پر شاہد ہیں لیکن اس کی یہ مخصوص صورت کہ بزرگان دین کی ارواح کسی کے سر پر آکر بولیں، کلام کریں، اور اسے ستاویں یہ امر معقول نہیں بلکہ ان کی طرف ایسی حرکت کا منسوب کرنا بے ادبی اور ان پر تہمت ہے اور جہاں کہیں ایسا واقعہ پیش آوے کہ کسی بزرگ یا شہید کا

نام۔ بتلا کر کوئی مخفی چیز کلام کرتی ہے وہ بعض شیاطین و جنات کا تصرف ہوتا ہے وہ جھوٹ موٹ بزرگان دین کا نام لے لیتے ہیں تاکہ ان کی بات مانی جائے۔

ارواح خبیثہ میں البتہ اس کا احتمال ہے لیکن حجت اس میں بھی کچھ نہیں کہ یہ قول اور اس روح کا ہے جس کا نام لیا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں بھی شیاطین کے جھوٹ کا احتمال موجود ہے اور اس روح کا فعل و قول ہونے کی دلیل ہمارے پاس موجود نہیں۔ تو ایسی صورت میں بلا دلیل کسی قول و فعل کو کسی روح کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

الغرض فیصلہ یہ ہے کہ اصولاً تو بکر کا قول صحیح ہے کہ اشیاء ثلاثہ کے تصرفات ہو سکتے ہیں اور فروعات و واقعات خاصہ کے متعلق عمر کا قول فی الجملہ صحیح ہے۔ مگر نہ اس بناء پر کہ ایسے واقعات کا پیش آنا عقلاً محال یا شرعاً ممنوع ہے بلکہ اس لئے کہ واقعات مخصوصہ کا ارواح مخصوصہ کی طرف منسوب کرنا مخصوص اس بناء پر کہ ایک بے ہوش کی زبان پر اسکی طرف نسبت کی گئی ہے شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس میں احتمالات بہت ہیں مثلاً اول تو یہ بھی ممکن بلکہ اقرب ہے کہ یہ اس بے ہوش کا ہڈیاں ہو یا اگر صحیح واقعات بیان کرتا ہے۔ تو اس کا کشف ہو جیسا کہ مجنون کو واقعات آئندہ کا کشف ہو جانا شرح اسباب وغیرہ کتب طب میں مصرح۔ اور خارجی ہی اثر مانا جاوے تو شیطان و جن کا اثر ممکن ہے۔ البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے اسی روح کا قول و فعل ہو کیونکہ اصولاً یہ کوئی ناممکن چیز نہیں مگر اتنے احتمال کے ہوتے ہوئے کسی روح کے طرف واقعات مخصوصہ کی نسبت کرنا ایک قول بلا دلیل ہے جو آیت لا تقف مالیس لک بہ علم سے ممنوع و مخطور ہے۔ اور اگر کسی ایسے قول و فعل کی نسبت کی جاوے جو عاری یا گناہ ہے تو تہمت و افتراء ہے جس کا گناہ ہونا منصوص و مشہور ہے۔

جو دلائل بکر نے پیش کئے ہیں اصولاً تصرفات جنات و ارواح کے ثبوت کے لیے وہ بھی کافی ہیں مزید توضیح کیلئے اتنا اور عرض ہے کہ کلام تین چیزوں کے آثار و تصرفات وغیرہ میں ہے جنات ارواح طیبہ ارواح خبیثہ۔ جنات کا وجود اور ان کے واقعات غریبہ تو قرآن کی بے شمار آیات اور احادیث نبویہ غیر محصور تصریحات میں اس طرح ثابت ہیں کہ یہ

ضروریات دین میں داخل ہو چکا ہے۔ جس کا انکار کرنا درحقیقت قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے اور اسی لئے جنات کے وجود کا مطلقاً انکار کر دینا کفر ہے اسی طرح جنات کا انسان کے بدن اور دوسرے اشیاء میں تصرف و تاثر کرنا اور اشکال مختلفہ میں پایا جانا یہ بھی احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔

قال عليه الصلوة والسلام ان الشيطان يجرى من الانسان مجرى الدم.
وقال عليه الصلوة والسلام. اقتلوا ذوالطفيتين والابتروا ياكم والحية
البیضاء فانها من الجن. وروی الترمذی وقال حسن غریب عن ابی
ایوب الانصاری انه كانت له سهوة فيها تمر وكانت تجی الغول فتأخذ
منه. الحديث الى قوله والغول بضم الغين المعجمه هو شيطان ياكل
الناس وقيل هو من يتلون من الجن والترغيب والترهيب للمندري باب
القرأة وعن ابی بن كعب ان اباہ اخبره فی حدیث طویل اخذ بدابة
كالغلام المحتلم وله يد كيد الكلب وشعر كشعره فقال هذا خلق الجن
(ترغيب و ترهيب باب القرأة) قال رواه ابن حبان فی صحيحه وغيره.

نیر حدیث خرافہ شامک ترمذی وغیرہ میں مشہور و معروف ہے اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس باب میں صریح ہیں۔ حاجت استیعاب نہیں۔

باقی رہا ارواح خبیثہ یا طیبہ کے افعال اور بولنا وغیرہ یہ بھی آثار سلف اور تجارب صادقہ سے ثابت ہے اور شریعت میں کہیں اس کی نفی و ممانعت مذکور نہیں اس لئے جس طرح دوسری تجربہ کی چیزیں عادتاً تسلیم کی جاتی ہیں اور اس کے لئے قرآن و حدیث کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ہیں اسی طرح یہ بھی کیا جائے گا۔ مثلاً سناء کی کامسہل ہونا سب کو تسلیم ہے اور اس کے لئے کوئی نص قرآن و حدیث میں تلاش نہیں کرتا۔ تجربہ کی بنا پر مانا جاتا ہے۔ اسی لئے حکماء محققین بھی ارواح خبیثہ کے تصرفات کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف افعال

واقوال ارواح پر تو بعض روایات حدیث بھی موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل آثار و اقوال ہمارے مدعا کے لئے مثبت ہیں۔

قال ابن قیم فی زاد المعاد فی ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علاج الصرع
قلت الصرع صرعان صرع من الارواح الخبیثة الارضية و صرع من
الاخلاق الردیة والثانی هو الذی یتکلم فیہ الاتباع فی سببہ وعالجہ واما
صرع الارواح فائمتهم وعقلاہم یعتبرون بہ ولا یدفعونہ، ویعترفون بانہ
علاجہ بمقابلة الارواح الشریفة الخیرة العلویة لتلك الارواح الخبیثة
فدافع اثارها وتعارض افعالها وقد نص علی ذلک بقراط فی بعض کتبہ
وباقی التفصیل فراجعہ فی زاد المعاد: ۷۸/۲.

اور حدیث ”نم کنومة العروس“ یا حدیث ارواح کے جنت میں مستقر ہونے کی ان احوال و افعال کے کسی طرح معارض نہیں، حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں اس کو خوب مفصل لکھا ہے جس میں سے بعض آثار نقل کئے جاتے۔

ولا یضیق عطنک عن کون الارواح فی الملاء الاعلیٰ تسرح فی
الجنة حیث شاءتہ و تسمع سلاما المسلم علیہا عند قبرہا وتدنو منه
حتى ترد علیہ السلام وللروح شان آخر غیر شان البدن (کتاب الروح
: ۱۶۳) مطبوعہ دار المعارف وأیضا قال ان ما ذکرناه من شان الروح
یختلف بحسب حال الأرواح من القوة والضعف والكبر والصغر (الی
قوله) والروح المطلقة من امر البدن وعلاقته وعوائقه من التصرف
والقوة والنفوذ والهمة وسرعة الصعود الى الله تعالى والتعلق بالله ما
لیس للروح المہینة المحبوسة فی علائق البدن وعوائقه (الی قوله)
و کم قد رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ ابو بکر وعمر فی النوم

قد هزمت ارواحهم عساكر الكفر والظلم فاذا بجيوشهم مغلوبه
مكسورة (كتاب الروح: ۱۶۵) ثم قال واما قول من قال ان ارواح
المؤمنين في برزخ من الارض تذهب حيث شاءت فهذا مروي عن
سلمان الفارسي البرزخ هو الحاجز بين شيئين وكان سلمان اراد بها في
ارض بين الدنيا والاخره مرسله هناك تذهب حيث شاءت وهذا
القول قوي الخ (كتاب الروح ۱۷۳)

عبارات مذکورہ کے علاوہ اور بھی بکثرت تصریحات کتب حدیث میں اور بالخصوص
ارباب سلوک کے اقوال میں موجود ہیں اور جس قدر ذکر کیا گیا ہے کافی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جنات اور ارواح کا اس عالم میں آکر انسان یا غیر انسان پر کسی
قسم کا تصرف کرنا نہ عقلاً محال ہے اور نہ شرعاً ممنوع اور نہ کوئی دلیل عقلی یا نقلی ایسے تصرفات کی
نفی پر موجود ہے اور جو دلائل عمرو نے پیش کئے ہیں سب مخدوش، مگر کسی خاص واقعہ کو کسی
خاص روح کی طرف منسوب کرنا اس لیے درست نہیں کہ ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں
اور کسی بے ہوش کا کہہ دینا حجت نہیں اور یہ بالکل ویسا ہے جیسے کسی زندہ انسان کی طرف
واقعہ خاصہ کی نسبت کرنا بغیر دلیل کے جائز نہیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان
اس واقعہ پر کسی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

تنبیہ: یہ تمام آثار و افعال اور تصرفات جو جنات اور ارواح کے ذکر کئے گئے ہیں ان
کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہم انسان مختلف قسم کے کاروبار کرنے کی باذن اللہ قدرت
رکھتے ہیں اور کرتے ہیں، اسی طرح یہ اشیاء بھی قادر باذن اللہ ہیں اور جب چاہیں اللہ تعالیٰ ان
کے افعال کو روک دیں ان کو کوئی اختیار اور تاثیر نہیں محض مشین کے کل پرزوں کی طرح چلانے
والے کے تابع مشیت و ارادہ ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ ۸ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ۔



دعاویٰ مرزا

شعبہ تبلیغ و اشاعت

دارالافتاء..... آرام باغ کراچی

تاریخ تالیف _____ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ (مطابق ۱۹۲۶ء)
مقام تالیف _____ دیوبند

آج کل دین اور علم دین سے مسلمانوں کی عام غفلت و بے پروائی کے نتائج بد اور ان کی اصلاح کے لئے وعظ و تبلیغ اور نشر و اشاعت کے ذرائع کے استعمال کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔

یہ شعبہ اسی غرض کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ الحاد و زندقہ کے سیلاب عظیم کی روک تھام اور صحیح عقائد اور احکام کی اشاعت کے لئے مستند رسائل شائع کئے جاویں خواہ پہلے کسی عالم کی تصنیف ہوں یا عصری اور وقتی ضرورت کے ماتحت خود یہ ادارہ تصنیف کرائے۔

اس سلسلہ کے تمام رسائل مفت تقسیم کئے جائیں گے بجز اس کے کوئی صاحب ادارہ کی امداد کے لئے اس کے نسخے خرید کر شائع کریں۔ سر دست یہ سلسلہ نہایت مختصر پیمانہ پر چند مخلص احباب کے تعاون سے شروع ہوا ہے۔ اہل خیر مسلمانوں نے اس کو مفید سمجھ کر توجہ دی تو عجب نہیں کہ کسی وقت یہ ادارہ بہت اہم کتابیں اور احکام قرآن و حدیث کی اشاعت کے لئے مساجد میں آویزاں کرنے کے قابل پوسٹروں کا بہترین و مفید سلسلہ شائع کر سکے واللہ الموفق والمعين۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

اس رسالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف دعوؤں کو اس کی اپنی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے تاکہ عام مسلمان اس کے دعوؤں کی حقیقت سامنے آجائے اور مرزا کا باطل ہونا کھلی آنکھوں سے ثابت ہو جائے۔

سے معلوم ہوتا ہے۔

نوٹ..... اگر کوئی مرزائی (۱) یہ ثابت کر دے کہ یہ عبارت مرزا صاحب کی نہیں تو فی عبارت دس روپیہ انعام۔

مرزائیوں کے تمام فرقوں کو کھلا چیلنج

دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مرزائی امت کے تینوں فرقے مل کر قیامت تک یہ بھی متعین نہیں کر سکتے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کون ہیں اور کیا ہیں دنیا سے اپنے آپ کو کیا کھلوانا چاہتے ہیں لیکن جب ہم ان کی تصانیف کو غور سے پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاوی میں اختلاط و اختلاف بھی ان کی ایک گہری چال ہے وہ اصل میں خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سمجھے کہ قوم اس کو تسلیم نہ کرے گی اس لئے تدریج سے کام لیا۔ پہلے خادم اسلام مبلغ پھر مجدد بنے پھر مہدی ہو گئے۔ اور جب دیکھا کہ قوم میں ایسے بے وقوفوں کی کمی نہیں جو ان کے ہر دعوے کو مان لیں تو پھر کھلے بندوں نبی رسول۔ خاتم الانبیاء وغیرہ بھی کچھ ہو گئے اور ہونہار مرد نے اپنے آخری دعوے خدائی کی بھی تمہید ڈال دی تھی جس کی تصدیق عبارات مذکورہ نمبر ۲۶ لغایت نمبر ۳۰ سے بخوبی ہوتی ہے لیکن قسمت سے عمر نے وفات کی ورنہ مرزائی دنیا کا خدا بھی نئی روشنی اور نئے فیشن کا بن گیا ہوتا۔ خود مرزا صاحب کی عبارات ذیل میں اس تدریجی ترقی اور اس کے سبب ہر ہمارے دعوے کے گواہ ہیں۔ نصرۃ الحق ص ۵۳ پر فرماتے ہیں۔ میری دعوت کے مشکلات میں سے ایک رسالت ایک وحی الہی ایک مسیح موعود کا دعویٰ تھا اور پھر فرماتے ہیں (علاوہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً و
على سيدنا محمد بن المجتبی ومن بهدیه اهتدی۔

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو مسلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دنیا میں بہت سے گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں لیکن مرزائی فرقہ ایک عجیب معمر ہے کہ اس کے دعویٰ اور عقیدے کا پتہ آج تک خود مرزائیوں کو بھی نہیں لگا جس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ اس فرقہ کے بانی مرزا قادیانی نے خود اپنے وجود کو دنیا کے سامنے ایک لائیکل معمر کی شکل میں پیش کیا ہے اور ایسے متناقض اور متضاد دعویٰ کئے کہ وہ ان کی امت بھی مصیبت میں ہے کہ اس کو کیا سمجھیں اور کیا کہیں کوئی تو ان کو مستقل صاحب شریعت بنی کہتا ہے کوئی غیر تشریحی بنی مانتا ہے اور کسی نے ان کی خاطر ایک نئی قسم کا نبی لغوی تراشا ہے اور ان کو مسیح موعود مہدی۔ اور لغوی یا مجازی بنی کہتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کا وجود ایک ایسی چیستان ہے جس کا حل نہیں انہوں نے اپنی تصانیف میں جو کچھ اپنے متعلق لکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ متعین کرنا بھی دشوار ہے کہ مرزا صاحب انسان ہیں یا اینٹ پتھر، مرد ہیں یا عورت، مسلمان ہیں یا ہندو، مہدی ہیں یا حارث، ولی ہیں یا نبی، فرشتے ہیں یا دیو۔ جیسا کہ دعاوی مندرجہ رسالہ ہذا

(۱) یہ رسالہ ۱۳۳۵ھ میں اول شائع ہوا۔ چھبیس سال کے طویل عرصہ میں بار بار ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا رہا۔ مگر آج تک کسی مرزائی کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس کی ایک عبارت کو غلط ثابت کرے حال یہ اشاعت میں نظر ثانی کے ساتھ اس میں کچھ مزید اضافات بھی کئے گئے ہیں۔ ۱۲۱۸ھ

اس کے اور مشکلات یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض امور اس دعوت میں ایسے تھے کہ ہرگز امید نہ تھی کہ قوم ان کو قبول کر سکے اور قوم پر تو اس قدر بھی امید نہ تھی کہ وہ اس امر کو بھی تسلیم کر سکیں کہ بعد زمانہ نبوت وحی غیر تشریحی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ اور قیامت تک باقی ہے۔ نیز حقیقۃ الوحی کی عبارت ذیل بھی خود اس تدریجی ترقی کی شاہد ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مرزا صاحب ختم نبوت کے قائل تھے اور کسی نبی کا پیدا ہونا جائز نہ رکھتے تھے اور اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے۔ بعد میں ارزانی غلہ نہیں بلکہ ارزانی ایمان نے نبی اور رسول سب کچھ بنادیا دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹ و ص ۱۱۵۰ اسی طرح ادائل میں میرا عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی تھے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کے متعلق ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدائے تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ اس کے بعد ہم مرزا صاحب کے دعاوی خود ان کی تصانیف سے مع صفحات نقل کرتے ہیں جو دعوے مختلف کتابوں اور متعدد مقامات پر موجود ہیں بغرض اختصار عبارت تو ان میں سے ایک ہی نقل کر دی گئی ہے باقی کے حوالہ صفحات درج کردئے گئے ہیں۔

بندہ

محمد شفیع دیوبندی عفی اللہ عنہ وعافاہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

دعوے

نقل عبارت مرزا مع حوالہ کتاب مرزائی

۱..... مبلغ اسلام اور مصلح ہونے کا دعویٰ ۱۸۸۰ھ

یہ عاجز مولف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ بنی اسرائیلی مسیح کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی اور غربت اور تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے۔ خط مندرجہ مقدمہ براہین احمدیہ ص ۸۱۔

۲..... مجدد ہونے کا دعویٰ ۱۸۹۱ھ

اب بتلادیں کہ اگر یہ عاجز اگر حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودہویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا ازالہ اوہام ص ۱۵۴ خور و حصہ اولیٰ و ۶۶ کلاں۔

۳..... محدث ہونے کا دعویٰ

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ توضیح المرام ص ۹ و ازالہ اوہام ص ۴۲ خور و ۷۴ کلاں۔

۴..... امام زماں ہونے کا دعویٰ

میں لوگوں کے لئے تجھے امام بناؤں گا تو ان کا رہبر ہوگا حقیقۃ الوحی ص ۷۹ ضرورۃ
الامام ص ۲۴ کتاب البریہ ص ۷۶۔

۵..... خدا کے جانشین ہونے کا دعویٰ

میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا۔
کتاب البریہ ص ۷۶۔

۶..... مہدی ہونے کا دعویٰ ۱۸۹۱ء

اشتہار معیار الاخیار و ریویو آف ریلیجنز نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء انوار الاسلام طبع قادیان
۹ ستمبر ص ۳۱ وغیرہ یہ دعویٰ مرزا صاحب کی اکثر تصانیف میں بکثرت موجود ہے اس لئے
نقل عبارت کی حاجت نہیں۔

۷..... حارث مددگار مہدی ہونے کا دعویٰ

واضح ہو کہ یہ پیشین گوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی
حارث ماوراء النہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا جس
کی امداد اور نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ
پیشین گوئی اور مسیح کے آنے کی پیشین گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا
در اصل یہ دونوں پیشین گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے انا لہ
ص ۷۹ خورد ۳۳ کلاں۔

۸..... بروزی نبی ہونے کا دعویٰ

اور چونکہ وہ بروزی محمدی جو قدیم (۱) سے موعود تھا وہ میں ہوں اس سے بروزی رنگ
کی نبوت مجھے عطا کی گئی۔ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ منقول از ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶۸
چشمہ معرفت ص ۳۲۴

۹..... نبوت و رسالت وحی کا دعویٰ

سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا دفع البلاء ص ۱۱ حق یہ ہے
کہ خدا کی وہ پاک وحی میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی
کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ براہین احمدیہ ص ۲۹۸ نیز یہی مضمون اربعین
نمبر ۴ ص ۶ اور نزول المسیح ص ۹۹ حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲ ص ۱۰۷ و انجام آتہم ص ۶۲ و
حقیقۃ النبوة لمرزا محمود ص ۲۰۹ و ۲۱۲ وغیرہ وغیرہ کتابوں میں بکثرت موجود ہے۔

۱۰..... اپنی وحی کے قرآن کے برابر قطعی ہونے کا دعویٰ

میں خدا کی تیس برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں میں اس کی اس پاک وحی پر
ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی
ہیں۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۰ ایضاً ص ۱۱۱ انجام آتہم ص ۶۲۔

۱۱..... سارے عالم کے لئے مدار نجات ہونے کا دعویٰ

اور یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان کافرو جہنمی ہیں۔ کفر و قسم پر ہے ایک کفر یہ کہ ایک شخص
اسلام سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا اور دوسرے یہ کفر کہ

(۱) کوئی پوچھے کہ قرآن کی کون سی آیت یا کس حدیث میں اس بروز کا وعدہ ہے ۱۲ منہ۔

مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمامِ حجۃ کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتاب میں بھی تاکید پائی جاتی ہے پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹ اور اس بات کو قریباً نو برس کا عرصہ گزر گیا کہ جب میں دہلی گیا تھا اور میاں نذیر حسن غیر مقلد کو دعوت دین اسلام کی گئی اربعین نمبر ۴ حاشیہ نمبر ۱۱ یہی دعویٰ سیرت الابدال ص ۴۱ انجام آہم ص ۶۲ وغیرہ میں بھی مذکور ہے اور فرماتے ہیں اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے مدارِ نجات ٹھرایا۔

(اربعین نمبر ۴ ص ۶)

۱۲ مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ

اور یہ کہ وہ احادیث نبویہ پر حاکم ہے جس کو چاہے قبول کرے اور جس کو چاہے ردی کی طرح پھینک دے۔

اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کملہ اعجاز احمدی ص ۷ اس عبارت میں نبوتِ تشریحی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس آیت کا مصداق نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نہیں مرزا ہے۔ اور فرماتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی مثلاً یہ الہام قل للمؤمنین

یغضوا من ابصارہم ذلک اذکی لہم یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے۔ اور اس پر تینیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میرے وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ هَذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُولٰی صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ وَ مُوسٰی۔ یعنی قرآن تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستفاء امر و نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی غرض یہ سب خیالات فضول اور رکوتہ اندیشیاں ہیں اور (۱) اربعین نمبر ۴ ص ۱۶ اپنے رسالہ تحفۃ الندوہ مطبوعہ قادیان ۴ اکتوبر ۱۹۰۳ میں لکھتے ہیں۔ (ص ۷)

”ہم درحقیقت نبی ہیں اور ہماری وحی قرآن کی طرح یقینی ہے“

اربعین نمبر ۴ ص ۶ پھر فرماتے ہیں چونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تحدید اربعین نمبر ۴ اور اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ میں بھی یہ دعویٰ موجود ہے اور ہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعوے کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی پر وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم روئی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اعجاز احمدی ص ۳۰ ص ۳۱ و ص ۲۹ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰۔

۱۳..... اپنے لئے دس لاکھ معجزات کا دعویٰ

حالانکہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزات کی بھی یہ تعداد نہیں اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے

میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں اور براہین احمدیہ حصہ پنجم میں دس لاکھ کی تعداد معجزات شمار کی ہے تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۶۸ ایضاً ص ۱۳۶ ایضاً ص ۱۳۷ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ ایضاً ص ۱۵۸ اعجاز احمدی ص ۱۷۲

۱۴..... تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا دعویٰ اور سب کی توہین

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی ﷺ کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی اب چاہے کوئی قبول کرے چاہے نہ کرے تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶ و ص ۱۳۷

۱۵..... آدم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو اس کلام میں آدم قرار دیا ہے۔ یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة اربعین نمبر ۳ و نزول مسیح ص ۹۹ و کتاب البریہ ص ۸۲

۱۶..... ابراہیم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

واتخذ وامن مقام ابراہیم مصلیٰ اس کی اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقہ ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا جو اس ابراہیم کا پیرو ہوگا اربعین نمبر ۳ ص ۳۲

۱۷..... نوح علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۱۸..... یعقوب علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۱۹..... موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۰..... داؤد علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۱..... شیث علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۲..... یوسف علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۳..... اسحاق علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۴..... یحییٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۵..... اسماعیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ۔

میں آدم ہوں میں شیث ہوں میں نوح ہوں میں ابراہیم ہوں میں اسحاق ہوں میں اسماعیل ہوں میں یعقوب ہوں میں یوسف ہوں میں موسیٰ ہوں میں داؤد ہوں میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت ﷺ کے نام کا مظہر اتم ہوں یوں ظلی طور پر میں محمد اور احمد ہوں حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲ زوال مسیح نمبر ۴۔

۲۶..... عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

اس خدا کی تعریف جس نے مسیح بن مریم بنایا حاشیہ الوحی ص ۷۲ اربعین نمبر ۳ ص ۲۳ یہ دعویٰ تو تقریباً ہی کتابوں میں موجود ہے۔

۲۷..... حضرت مسیح کا اوتار ہونے کا دعویٰ

مرزا قادیانی اپنے رسالہ ضمیمہ جہاد۔ درخواست بنام والسرائے بہادر ہندوستان میں انگریز گورنمنٹ کی بہت کچھ مدح سرائی کرتے ہوئے اپنے مبعوث ہونے کی اصل غرض ہی یہ بتلاتے ہیں کہ جو مسلمان اس عادل گورنمنٹ عالیہ کے دل سے خیر خواہ نہیں ہیں ان کی اصلاح کر کے گورنمنٹ کا خیر خواہ بنایا جائے اس کے لئے عیسیٰ مسیح کا اوتار (یہ ہندو مذہب کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے اندر حلول کر جائے بھیجے جانے کی ضرورت ثابت کی اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اس لئے حضرت مسیح کے اوتار کے سخت ضرورت تھی سو میں وہی اوتار ہوں جو حضرت

مسیح کی روحانی شکل اور خواہر طبیعت پر بھیجا گیا ہوں۔

(ضمیمہ رسالہ جہاد ص ۴ مطبوعہ قادیان ۷ جولائی ۱۹۰۰ء)

۲۸..... عیسیٰ مسیح اور محمد کا مرکب معجون ہونے کا دعویٰ

رسالہ ضمیمہ جہاد مذکورہ ص ۷ میں لکھتے ہیں۔

سو مجھے دو بروز عطاء ہوئے بروز عیسیٰ و بروز محمد غرض میرا وجود ان دونوں کے وجود سے بروزی طور پر ایک معجون مرکب ہے۔

۲۹..... عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ

اور ان کو مغلظات بازاری گالیاں

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑا اس سے بہتر غلام احمد ہے دافع البلاء ص ۲ خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں ہرگز نہ کر سکتا او وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں ہرگز نہ دکھلا سکتا ہے حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار کسی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا حاشیہ ضمیمہ انجام آتہم ص ۷ پس اس نادان اسرائیل نے ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی کیوں نام رکھا ضمیمہ انجام آتہم ص ۴ یہ بھی یاد رہے کہ کتاب کسی قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی حاشیہ ضمیمہ آتہم ص ۵ ازالہ کلاں ص ۱۳ اعجاز احمدی ص ۱۳ ازالہ اوہام ص ۱۲۲ ص ۱۳۳ و کشتی نوح ص ۱۶۔

۳۰..... نوح علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ اور ان کی توہین

اور خدائے تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانہ

میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے حقیقۃ الوحی ص ۱۷

۳۱..... مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

پہلے خدا نے میرا نام مریم رکھا اور بعد اس کے ظاہر کیا کہ اس مریم میں خدا کی طرف سے روح پھونکی گئی اور پھر فرمایا کہ روح پھونکے کے بعد میری مرتبہ عیسوی مرتبہ کی طرف منتقل ہو گیا اور اس طرح مریم سے عیسیٰ پیدا ہو کر ابن مریم کہلایا حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲ حاشیہ براہین احمدیہ ص ۲۹۶ کشتی نوح ص ۲۶ و ازالہ ص ۱۸ ص ۱۷۳ کلاں۔

۳۲..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا دعویٰ

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطے کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس نام محمد اور احمد سے مسمی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ایک غلطی کا ازالہ ضمیمہ حقیقۃ النبوة ص ۲۶۵ بارہا بتلا چکا ہوں کہ بموجب آیت ”وآخرین منهم لما یلحقوا بہم“ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵ و ص ۸۶ و ص ۸۱ اکثر ان اوصاف کو اپنے لئے ثابت کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہیں نیز ازالہ ص ۲۵۳ میں بھی اضافہ۔

۳۳..... ہمارے بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلیت کا دعویٰ

ہمارے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد صرف تین ہزار لکھی ہے تحفہ گو لہڑویہ ص ۱۴۰ اور اپنے معجزات کی تعداد براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ پر دس لاکھ بتلائی ہے کہ لاہ خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران المشرقان اتنکرون اس کے لئے (یعنی آنحضرت کے لئے) کیا تو انکار کرے گا اعجاز احمدی ص ۱۷ اس میں آپ پر افضلیت کے دعوے کے ساتھ معجزہ شق القمر کا انکار اور توہین بھی ہے۔

۳۴..... میکائیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

اور دنیاں نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے حاشیہ اربعین ۳ ص ۲۵

۳۵..... خدا کے مثل ہونے کا دعویٰ

اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کے مانند حاشیہ اربعین نمبر ۳ ص ۲۵۔

۳۶..... اپنے بیٹے کے خدا کا مثل ہونے کا دعویٰ

انا نبشرك بغلام مظهر الحق والعلیٰ كان الله نزل من

السماء استفتاء ص ۸۵

۳۷..... خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ

آپ کو الہام ہوا آواہن جس کی تفسیر کتاب البریہ ص ۷۲ پر خود ہی یہ کرتے ہیں کہ خدا تیرے اندر آ آیا۔

۳۹..... خود خدا ہونا بحالت کشف اور زمین و آسمان پیدا کرنا

اور میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہ ہی ہوں پھر فرماتے ہیں اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے پھر فرماتے ہیں اور اس حالت میں یوں کہہ رہا ہوں کہ ہم ایک نیا نظام اور آسمان اور نئی زمین چاہتے تو میں نے پہلے تو آسمان و زمین کو اجمال صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب و تفریق نہ تھی پھر میں نے منشا حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا ”اَنَا زَيْنَا السَّمَاء الدُّنْيَا بِمَصَابِيح“ پھر

میں نے کہا کہ اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی اور میری زبان پر جاری ہوا اردت ان استخلف تخلفت آدم انا خلقنا الانسان في احسن تقويم یہ الہامات ہیں جو اللہ کی طرف سے میرے پر ظاہر ہوئے کتاب البریہ ص ۷۸ و ۷۹ و آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴ اخبار الحکم قادیان مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۵ء

۴۰..... مرزا جی میں حیض کا خون ہونا اور پھر اس کا بچہ ہو جانا

منشی الہی بخش کی نسبت یہ الہام ہوا۔ یہ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی اور پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں۔ اور خدا چاہتا ہے کہ جو اپنی متواتر نعمتیں جو تجھ پر ہیں دکھلا دے اور خون حیض سے تجھے کیونکر مشابہت ہو اور وہ کہاں تجھ میں باقی ہے پاک تغیرات نے اس خون کی خوبصورت لڑکا بنا دیا اور لڑکا جو اس خون سے بنا میرے ہاتھ سے پیدا ہوا حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۸۔

۴۱..... حاملہ ہونا

عبارت مذکورہ حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲ و کشتی نوح ص ۷۴ اور حاشیہ براہین احمدیہ یہ حصہ پنجم ص ۴۹۶۔

۴۲..... حجر اسود ہونے کا دعویٰ

الہام یہ ہے کہ یکے پائے من می بوسد من میگفتم حجر اسود و منم حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۵

۴۳..... بیت اللہ ہونے کا دعویٰ

خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۵۔

۴۴..... سلمان ہونے کا دعویٰ

الہام ہوا انت سلمان و منی ماذا برکات ربو آف ریلجز جلد ۵ نمبر ۶ بابت اپریل ۱۹۰۶ء

۴۵..... کرشن ہونے کا دعویٰ

حقیقۃ الوحی ص ۸۵ آریہ یہ لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں۔

۴۶..... آریوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ

اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ حقیقۃ الوحی ص ۵۵ نبی اور عیسیٰ تو اپنی زبانی بن گئے مگر بادشاہت میں زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا اس لئے پھر فرمایا اور بادشاہت سے مراد صرف آسمانی بادشاہت ہے۔

۴۷..... جہاد کے حرام ہونے کا دعویٰ

مرزا قادیانی اپنے رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاں مطبوعہ قادیان ۲۳ مئی ۱۹۰۰ء غرض جب مسیح موعود آگیا تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاد سے باز آئے (ص ۸) اسی رسالہ میں جہاد کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں ہر ایک شخص جو میری بیعت کرتا ہے او مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے کیونکہ مسیح آچکا ہے۔ خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ اس کو بننا پڑتا ہے نہ محض نفاق سے۔

۴۸..... یہ دعویٰ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا اسلام مردہ اسلام ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام احمد قادیانی کی زندگی میں محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تجویز ۱۹۰۵ء میں ایڈیٹر صاحب اخبار وطن نے ایک فنڈ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس سے رسالہ ریویو آف ریلجینز (قادیان) کی کاپیاں بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں بشرطیکہ اس میں حضرت مسیح موعود کا نام ہو مگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس تجویز کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ مجھ کو چھوڑ کر مردہ اسلام پیش کرو گے اس پر ایڈیٹر صاحب وطن نے اس چندہ کے بند کرنے کا اعلان کر دیا اخبار ابوالفضل قادیان جلد ۷ نمبر ۹۔

۴۹..... یہ دعویٰ کہ مرزا کو نہ ماننے والے تمام عالم کے مسلمان کافر ہیں مرزا قادیانی اپنی کتاب اربعین نمبر ۴ ص ۶ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدد و نجات ٹھہرایا۔ ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (کلمہ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی مندرجہ ریویو آف ریلجینز نمبر ۱۱۰ و نمبر جلد ۱۴)

ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں (انور خلافت ص ۹۰ مصنفہ مرزا محمود خلیفہ قادیان)

جس طرح عیسائی بچہ کا جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا ہے اگرچہ کہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا ہے۔ (ڈائری حضرت مصلح موعود قادیان مندرجہ الفصل قادیان جلد ۱۰ نمبر ۳۲)



الارشاد الى بعض احكام الالحاد

مشرقی اور اسلام

تقریظ و تصدیق

از حضرت مجدد الملت حکیم الامت سیدی وسندی

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

بعد الحمد والصلوة احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ نے رسالہ ہذا کو خود فاضل مصنف سلمہ سے حرفاً حرفاً سنا، ایسے فتووں میں شرعاً جس قدر تدبیر و احتیاط و انصاف کی ضرورت ہے اُن کا پورا حق ادا کیا گیا ہے، حتیٰ کہ بانی تحریک سے بالمشافہ گفتگو کی بے حد کوشش کی گئی تاکہ اگر کوئی عذریہ تاویل محقق ہو جائے تو حکم میں تخفیف ہو جائے، لیکن بانی کی طرف سے بالکل اس کا موقع ہی نہیں دیا گیا اس لئے ضابطہ شرعیہ کے موافق حکم ظاہر کیا گیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تحریک میں شرکت کا انجام اسلام کا انعدام و انہدام ہے، حالاً یا مآلاً۔

امید ہے کہ ناظرین کو اس تحریک کے متعلق تمام ضروری احکام اور تمام شبہات کے جواب کافی وافی شافی طور پر واضح ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول اور ذریعہ ہدایت و اصلاح فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم و علی سائر الانبیاء و آلہم و اصحابہم اجمعین۔

آخر شعبان ۱۳۵۸ھ

تاریخ تالیف _____ ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ (مطابق
_____ ۱۹۳۹ء)
مقام تالیف دیوبند

عنایت اللہ مشرقی نے اپنی متعدد تصانیف میں قرآن و سنت سے متصادم نظریات لکھے اور اس سلسلے میں ”جماعت خاکساران اور تحریک خاکساری“ کے نام سے کام شروع کیا، اس رسالہ میں اس کے عقائد و خیالات اور اس کی تصانیف کا نہایت احتیاط سے جائزہ لیکر ان کے متعلق قرآن و حدیث

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عمت فیضہم

بندہ نے اس رسالہ کو حرفاً حرفاً دیکھا اور سنا ہے میں اس سے حرفاً حرفاً متفق ہوں اور جو تحقیق اس میں مذکور ہے اُس کو حق و صواب سمجھتا ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ شعبان ۱۳۵۸ھ

تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، وَلَا
سَيِّمًا سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنَا الْمُجْتَبَى وَمَنْ بِهِدِيهِ اهْتَدَى.

اما بعد!

ای بہ سراپردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

عنایت اللہ خاں صاحب مشرقی اور اُن کی تحریک خاکساری وقت کے اہم مسائل میں داخل ہو گئی، اطراف ملک سے اکابر علماء کے پاس اس بارے میں مختلف سوالوں کا ہجوم ہے، کوئی مشرقی تحریک کے خوبصورت اصول خدمتِ خلق و تنظیم و عسکریت پر فریفتہ ہے، کوئی اُن کی تصانیف تذکرہ وغیرہ کے کلماتِ گفریہ پیش کر کے اُن کا شرعی حکم دریافت کرتا ہے۔

کیونکہ مسلمانوں کی تنظیم و تقویت اور خدمتِ عامہ کا اصول اگرچہ اسلام کے اہم مقاصد میں سے ہے اور وقت کی اہم ضرورت اس کو مقتضی ہے مگر یہ سب چیزیں اُسی وقت قابلِ نظر ہو سکتی ہیں جب کہ وہ اسلام کی تقویت کا سبب بنیں اور اگر اسلام و ایمان ہی کی تحریف کر ڈالی جائے اور ساڑھے تیرہ سو برس کے اسلام کو غلط بتا کر نئے اسلام کی بنیاد ڈالی جائے تو ان چیزوں سے کیا فائدہ، یوں تو خدمتِ عامہ ہندوؤں کی جماعت سیواشی میں بھی ہے اور عسکریت انگریز جرمن، جاپان میں بھی بغایت کمال موجود ہے۔

الغرض مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کا خیال فرما کر بعض حضرات اکابر نے احقر کو مامور فرمایا کہ مشرقی کی تصانیف اور اُن کی تحریک کے پورے لٹریچر کو غور و انصاف اور امانت

واحتیاط سے دیکھ کر جو چیز ثابت ہو وہ اُن کی خدمت میں پیش کرے۔

حضرات علماء کی احتیاط

اور کفر و اسلام کے مسئلہ میں انتہائی احتیاط جو اپنے بزرگوں کا دائمی معمول ہے اُس کے پیش نظریہ ہدایت فرمائی کہ:

(الف) مشرقی عقائد و خیالات کے متعلق محض اُن کی جملوں اور عبارتوں پر کفایت نہ کی جائے جو محض اخبارات و رسائل میں اُن کی کتابوں کے حوالہ سے لکھی گئی ہیں، بلکہ خود اُن کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔

(ب) مطالعہ میں بھی صرف نشان کردہ عبارات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ استیعاب کے ساتھ پوری بحث پڑھ کر فیصلہ کیا جائے۔

(ج) مطالعہ میں اس کا بھی اہم اہتمام ہو کہ گرد و پیش کے مقالات و خیالات سے خالی الذہن ہو کر دیکھا جائے۔

(د) جن عبارتوں میں کوئی تاویل محتمل (گو بعید ہی ہو) ہو سکے اُس میں تاویل کر کے نظر انداز کیا جائے۔

احقر نے مشرقی کی تین تصانیف تذکرہ، اشارات، قول فیصل کا بہت بڑا حصہ مذکور الصدر ہدایات کے ساتھ بغور و انصاف مطالعہ کر کے اُن کی قابل اعتراض عبارتیں اور اُن پر شرعی حکم مفصل لکھ لیا۔

احتیاط کا دوسرا قدم

مشرقی کو مخلصانہ دعوتِ مفاہمت

مشرقی کے خیالات و عقائد اور تحریک خاکساری کی شرکت کے متعلق رسالہ مکمل ہو چکا تو اپنے بزرگوں کی یہ رائے ہوئی کہ کسی شخص یا اُس کی بنائی ہوئی جماعت کے متعلق کوئی فتویٰ لکھ کر اُن کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دینا یا اُن کو گناہ گار قرار دینا اگرچہ سوالات کے

جواب کے لئے کافی ہے لیکن اسلامی ہمدردی و خیر خواہی کا مقتضی یہ ہے کہ رسالہ کی اشاعت سے پہلے خود مشرقی سے اس معاملہ میں بالمشافہ گفتگو کر کے اس کا اطمینان کر لیا جائے کہ جو کچھ اُن کی عبارتوں سے سمجھا جاتا ہے یہی اُن کا خیال و مذہب ہے، یا کچھ اور۔ نیز یہ کہ اُن کے اس خیال میں کوئی تغیر ہوا یا نہیں، نظر بریں احقر نے ایک وفد کی صورت میں مل کر بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے مشرقی سے خط و کتابت کی جس کی تفصیلی نقلی بغرض اطلاع لکھی جاتی ہے تاکہ ہر دیکھنے والا دیکھ لے کہ ہم نے ”لیہلک من ہلک عن بینۃ و یحییٰ من حی عن بینۃ“ ترجمہ (تاکہ جو شخص ہلاک ہو وہ حجت سے ہلاک ہو اور زندہ رہے وہ من حی عن بینۃ رہے ۱۲ منہ) کے اصول کے پیش نظر اس معاملہ میں کس قدر انتہائی احتیاط و تحمل سے کام لیا ہے اور باوجود اس بدزبانی کے جو علماء اسلام و اہل اسلام کے متعلق مشرقی کی تمام تصانیف میں اول سے آخر تک بھری ہوئی ہے ہم نے اپنے طرز بیان میں موعظہ حسنہ سے تجاوز نہیں کیا، واللہ الہادی و هو المستعان۔

پہلا رجسٹری خط مشرقی کے نام

محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کچھ عرصہ سے تحریک خاکساری اور آپ کے مسلک کے متعلق بکثرت سوالات استفتاء یہاں آرہے ہیں، جن میں آپ کی تصانیف سے نقل کر کے کچھ عبارتیں بھی درج ہوتی ہیں ہمارے بزرگوں کا طرز چونکہ ایسے معاملات میں ہمیشہ نہایت محتاط رہا ہے اس لئے ہم نے منقولہ عبارتوں پر کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور آپ کی تصانیف تذکرہ عربی، تذکرہ اردو، اشارات، قول فیصل اور مولوی کا غلط مذہب نمبر ۱۱/۱۵ و ۱۶/۱۷ اور جھوٹ کا پول، میری سخت گیریاں اور مختلف اشتہارات خود دیکھے اور الحمد للہ کہ بالکل خالی الذہن اور تمام گرد و پیش کے فتوؤں سے یکسو ہو کر انصاف سے دیکھے، ان کو دیکھنے کے بعد بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے مسلک اور عقائد کی تائید یا تردید کرنے سے پہلے خود آپ

سے بالمشافہ کچھ مخلصانہ گفتگو کر لیں، ہماری حاضری کی غرض (متعارف) مناظرہ قطعاً نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ کے مسلک اور جذبات و خیالات ٹھیک ٹھیک معلوم کر لیں اور اگر آپ اجازت دیں تو اپنی مخلصانہ معروضات آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس لئے عرض ہے کہ آپ کوئی تاریخ قریبی زمانہ میں متعین فرمادیں تو احقر حاضر ہو جائے احقر کے ساتھ دو اور اصحاب بھی ہوں گے جو اس مخلصانہ گفتگو میں بالکل احقر کے ہم خیال ہیں، کیا عجب ہے کہ محض مخلصانہ عرض معروض سے کوئی اچھی صورت پیدا ہو جائے۔

آپ کے جواب کا ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۹ء تک انتظار کر کے کوئی رائے قائم کی جائے گی۔

والسلام
ناظم دارالاشاعت و مدیر المفتی دیوبند
۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ

جواب از جانب مشرقی

۱۹۳۹/۷/۲۷
۶۸۷
نمبر ۳۸۲۴۰
مکرم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا رجسٹری شدہ خط دفتر الاصلاح میں موصول ہوا علامہ مشرقی صاحب نے کونسل مرکزی کمیٹی کے خطاب میں صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ تذکرہ میں کیا لکھا ہے وہ پرچہ ارسال کیا جا رہا ہے آپ بغور پڑھیں اُمید ہے کہ اُس کے پڑھنے سے جناب کی پوری پوری تسلی ہو جائے گی اور کسی مزید استفسار کی ضرورت نہ رہے گی، اُمید ہے کہ جناب بخیریت ہوں گے۔

والسلام
ذوالفقار اسماعیلی میجر

دوسرا خط مع سوالات

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ

۱۴ اگست ۱۳۵۸ھ

محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر کے خط مورخہ ۲۲ جولائی ۱۳۵۸ء کے جواب میں گرامی نامہ مورخہ ۷ جولائی ۱۳۵۸ء وصول ہوا جس میں تحریر فرمایا ہے کہ ”کونسل مرکزی کمیٹی کے خطاب کا ایک پرچہ بھیجا جاتا ہے اُس میں بتلایا گیا ہے کہ تذکرہ میں کیا لکھا ہے اُس کے مطالعہ سے پوری تسلی ہو جائے گی۔“ لیکن آج ۱۴ اگست ۱۳۵۸ء تک اُس کا انتظار کیا گیا یہ پرچہ نہیں پہنچا، اس لئے اب کام کو مختصر کرنے کے لئے چند سوالات ارسال خدمت کر رہا ہوں جو جناب کی تصانیف دیکھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔

یقین فرمائیں کہ ہماری غرض نہ بالمشافہ گفتگو سے کوئی رسمی بحث و مناظرہ تھی اور نہ اب سوالات سے یہ مقصود ہے، بلکہ مقصود صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ آپ کی تصانیف سے جو کچھ ہم نے سمجھا ہے وہی آپ کی مراد ہے یا کچھ اور۔ اور پھر اگر یہی مراد ہے تو جو چیزیں اُس میں قرآن و حدیث کے صریح مخالف نظر آتی ہیں اُن کا حل آپ کی نظر میں کیا ہے، برائے کرم ان سوالات کے مفصل جوابات سے جلد مطمئن فرمائیں گے، کسی خاص سوال کا جواب اگر کونسل کے خطاب میں مفصل مذکور ہو تو وہ بھی بھیج دیا جائے، مگر سوالات کی خصوصی نوعیت پر نظر فرما کر جواب کی تکلیف فرمائی جاوے۔ ۲۵ اگست تک جناب کے جواب کا انتظار رہے گا۔

بندہ محمد شفیع عفا عنہ
ناظم دارالاشاعت و مفتی دیوبند

مشرقی سے چند سوالات

از جانب احقر محمد شفیع ناظم دارالاشاعت و رسالہ المفتی دیوبند
بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوالات

(۱)..... آپ کی عبارات تذکرہ اُردو دیباچہ صفحہ ۸۶ و صفحہ ۸۷ اور تذکرہ عربی صفحہ ۵۴ و حاشیہ صفحہ ۲۰ و صفحہ ۱۱۲ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد سرے سے کوئی چیز نہیں ہر شخص جو چاہے عقائد رکھے اُس کے اسلام و ایمان پر اس کا کچھ اثر نہیں، نیز انہیں عبارات میں یہ بھی مذکور ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے کسی کلمہ کے اقرار و شہادت کی کوئی حاجت نہیں۔

اس کے برخلاف رسالہ غلط مذہب صفحہ (۱۱) میں آپ نے خود اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا آپ کا یہ اعلان تذکرہ کی عبارات مذکورہ سے رجوع اور اُن کے غلط ہونے کا اعلان ہے یا اُن دونوں کی کوئی تطبیق آپ کی نظر میں ہے اگر ہے تو کیا؟۔

اور اگر اب بھی آپ کا خیال وہی ہے جو عبارات تذکرہ مذکورہ الصدر میں بیان کیا گیا ہے تو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ مندرجہ ذیل کا آپ کے نزدیک کیا حل ہے جن میں صراحۃً عقائد پر کفر و ایمان کا مدار ہونا مذکور ہے:

قال تعالیٰ ”الا من اکره وقلبه مطمئن بالايمان“، وقال تعالیٰ ”ومن يعمل من الصلحت من ذکر او انشی وهو مؤمن فاولئک یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیرا“، ”والذین فی قلوبہم زیغ“ وقال تعالیٰ، ”اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالہم“.

(۱) بعض آیات زیادہ صریح ہونے کی وجہ سے بغرض افادہ بعد میں بوقت اشاعت اضافہ کی گئی ہیں ۱۲۔

نیز حدیث صحیح جس میں اسلام کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی ہے:

ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله۔ الحدیث

اور ایمان کی تفسیر اسی حدیث میں یہ فرمائی ہے کہ:

ان تؤمن بالله وملائکته وکتابه ورسوله والیوم الآخر وتؤمن بالقدر

خیرہ وشرہ۔ الحدیث

نیز حدیث ہلا شققت قلبہ اور حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ:

من شهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له وان محمداً عبده ورسوله (الی ان قال) ادخله الله الجنة علی ما کان من عمل (بخاری و مسلم) و امثالہا۔

(۲)..... کیا مذہب اسلام مدارِ نجات نہیں، بلکہ ہر مذہب پر رہ کر نجات آخرت حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ تذکرہ عربی صفحہ ۵۵-۵۶-۵۷ سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کا خیال یہی ہے تو پھر آیت:

ان الدین عند الله الاسلام ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه

کا کیا مطلب ہے نیز آیت کریمہ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم کا کیا حل ہے۔

(۳)..... تذکرہ عربی صفحہ نمبر ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱

لیکن اس کے خلاف آپ نے ہرسالہ جھوٹ کا پول صفحہ ۹ میں لکھا ہے کہ انگریز جرمن، جاپان وغیرہ مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے ہیں، نہ جنت کے حقدار۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آپ کی یہ تحریر تذکرہ کی عبارات کا رد اور اُن سے رجوع ہے یا دونوں تحریروں میں کوئی تطبیق آپ کی نظر میں ہے، اگر ہے تو کیا؟
(۴)..... کیا اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام مسلمان جن کو دنیا میں غلبہ و سلطنت حاصل نہیں سب کے سب گمراہ، کافر، مشرک ہیں، جیسا کہ تذکرہ عربی کی عبارات مذکور سابقہ در سوال (۳) سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر آپ کا عقیدہ یہ نہیں ہے تو ان عبارات کا مطلب کیا ہے؟

(۵)..... کیا بجز تنازع للبقاء اور دنیا میں تحصیل غلبہ و سلطنت کے اسلام میں کوئی عبادت اور کوئی عمل مطلوب و مقصود نہیں، جیسا کہ عبارات تذکرہ اردو دیباچہ صفحہ ۹۳ و ۹۴ و ۹۷ و ۹۸ و ۱۰۰ اور تذکرہ عربی صفحہ ۳۳ سے سمجھا جاتا ہے۔

اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے تو آیت

الذین ان مکننا ہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ

میں جو غلبہ و تمکن فی الارض کو غیر مقصود اور اُس سے اصلی مقصد اقامت صلوٰۃ وغیرہ کو قرار دیا ہے اس کا کیا حل ہے اور حدیث

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ۔

الحدیث۔ کا کیا مطلب ہے؟

(۶)..... تذکرہ عربی ص ۳۲ و صفحہ ۳۳ میں مذکور ہے کہ جس شخص کو دنیا میں نعمت غلبہ و سلطنت حاصل نہیں آخرت کی نعمت بھی نہ ملے گی، جو یہاں محروم ہے وہ

آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر آپ کے نزدیک آخرت کی نجات اور نعمتیں اور جنت کا ملنا اس پر موقوف ہے کہ دنیا میں سلطنت و غلبہ اور مال و دولت کا مالک ہو تو وہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں اپنی قوموں پر غلبہ نہ پاسکے بلکہ اُن کے ہاتھوں مقتول ہو گئے جس کی خبر قرآن مجید کی متعدد آیات میں ہے ویقتلون النبیین وغیرہ، کیا معاذ اللہ جنت آخرت سے محروم ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام جو کفار کے زعم سے اپنے گھر والوں کو بھی نہ بچا سکے اور فرمایا لو کان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید۔ اُن کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟

(۷)..... تفسیر قرآن مجید میں صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے؟

(۸)..... کسی آیت کی تفسیر جو خود آنحضرت ﷺ سے منقول ہو اُس کے معارض و مخالف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۹)..... حضرات صحابہ و تابعین جو تفسیر قرآن کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کے بلا واسطہ یا صرف ایک واسطہ سے شاگرد ہیں اُن کی تفاسیر کے معارض کوئی تفسیر کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱۰)..... تذکرہ میں بہت سی آیات قرآنیہ کی ایسی تفسیر لکھی گئی ہے جو تمام علماء سلف و خلف کے مخالف و معارض ہے کیا اس کے یہی معنی نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو برس میں اُمت میں سے کسی نے قرآن کو نہیں سمجھا؟

(۱۱)..... آپ کی تحریک خاکساری عسکری تنظیم، خدمت خلق وغیرہ کی غرض اگر مسلمانوں کی قوت کو ترقی دینا ہے تو اس کے لئے مسلمانوں کے قدیم عقائد میں اُس تبدیلی کی کیا ضرورت تھی جو تذکرہ میں درج ہے، اگر مسلمانوں کو اپنے قدیم عقائد پر رکھ کر آپ ان سے عسکری تنظیم اور خدمت خلق کا کام لیتے تو اس میں کیا حرج تھا اور عسکریت میں کیا خلل آتا تھا، بالخصوص جبکہ یہ معلوم ہے کہ کوئی عالم خواہ کتنا ہی بد عمل اور عسکریت و جہاد سے

خود جان پُجانے والا ہو، مگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد اور خدمت خلق کرنے والوں کو اُس نے کبھی نہیں روکا۔ کہ اُن کے خلاف جہاد کرنے کو تحریک کا مقدمہ قرار دیا جاسکے؟۔

(۱۲)..... کیا امیر کی اطاعت بالکل نبی و رسول کی برابر بلا قید و شرط ہے جیسا کہ رسالہ غلط مذہب ۴، صفحہ ۷۱ و ۷۲ میں مرقوم ہے یا خلاف شرع حکم دینے کی صورت میں امیر کی اطاعت ترک کرنا ضروری ہے؟۔

پہلی صورت میں احادیث صحیحہ لاطاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق وغیرہ کا کیا مطلب ہوگا۔

والسلام

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۵۸ھ

جواب از جانب مشرقی

۱۷/۸/۳۹

محترم بندہ، السلام علیکم

جناب والا کا خط دفتر اصلاح میں موصول ہوا، اعتراضات کے خطوط کے متعلق ادارہ علیہ کا حکم ہے کہ دفتر اُس کا براہ راست جواب دے اور فیصلہ کے لئے پیش نہ کئے جائیں، ادارہ اصلاح بھی ان خطوط کا جواب حتی الوسع نہیں دیتا کیونکہ اگر دفتر ادھر متوجہ ہو جائے تو پھر کام ہر گز نہیں ہو سکتا، جناب والا کو کوئی کمپ کے خطاب کا ایک پرچہ اُسی دن بھیج دیا گیا تھا اور یقین ہے کہ آپ کو پہنچا ہوگا مگر چونکہ جناب نے لکھ دیا ہے کہ نہیں پہنچا اس لئے مجھے ۴/۷ جرمانہ ہوا ہے اور اب پھر پرچہ بھیج رہا ہوں اگر اتنی بڑی لٹریچر کے بعد جتنی کہ خاکساری تحریک کی ہے اور جس میں کوئی معقول

اعتراض نہیں چھوڑا گیا، اطمینان نہیں ہوتا تو پھر خدا حافظ۔ آپ کے اعتراضات میں سے ایک ایک کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کیونکہ ان سب کا جواب تذکرہ میں موجود ہے، اعتراض نمبر ۳ میں تو حیرت ہے کہ اس کا جواب خود آپ کی لکھی ہوئی عبارت کے اندر موجود ہے، تذکرہ کے متعلق صاف اعلان ہو چکا ہے کہ اس میں کسی حرف سے بھی اب تک رجوع نہیں کیا گیا، اس لئے جب رجوع نہیں ہوا تو آپ ہی انصاف کیجئے، جتنا غور سے پڑھیں گے اور ایک ایک لفظ پر توجہ کریں گے تذکرہ خود بخود روشن ہوتا جائے گا۔

خدا کے کلام سے فریب جو انسان کرتا ہے اُس کے واسطے دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی لکھی ہے آپ بھی اگر خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی نقطہ نظر سے پڑھیں گے، حدیث شریف کو قرآن کے مطابق کرنے کی کوشش کریں گے نایہ کہ قرآن کو حدیث شریف کے مطابق کیا جائے سب مشکلات واضح ہو جائیں گی، ابھی اس امر کی ضرورت ہے کہ خالی الذہن ہو کر اور تذکرہ کی عبارت کے ایک ایک لفظ پر غیر متعصبانہ توجہ دے کر پڑھیں کوئی اعتراض باقی نہیں رہ سکتا، ادارہ اصلاح درس قرآن کا مکتب نہیں ہے کہ ان نکات کو فرداً فرداً واضح کیا جائے، میں نے جناب والا کے طول و طویل خط کے جواب میں یہ سطر لکھنے کی جرأت کی ہے ورنہ دفتر اصلاح اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ جواب دیا جائے، مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں۔ فقط والسلام

احقر ذوالفقار

مینجر

میری طرف سے تیسرا خط

۷۸۶

بندہ محمد شفیع عفا عنہ

از دارالاشاعت دیوبند

۶/رجب ۱۴۵۸ھ

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۷/۱۱/۸۰ گشت وصول ہوا، افسوس ہے کہ کونسل کے مرکزی خطاب کا پرچہ جس کے بھیجنے کے لئے اُس میں لکھا ہے اب بھی نہیں پہنچا، تعجب ہے کہ خط پہنچ جاتا ہے اور پرچہ نہیں پہنچتا، اب آپ برائے کرم یہ پرچہ بذریعہ ویلو مذکور الصدر پتہ پر فوراً بھیج کر ممنون فرمائیں، بلا ویلو یا بلار جسٹری نہ بھیجا جائے کہ ڈاک میں ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ والسلام

بندہ محمد شفیع عفی عنہ
ناظم دارالاشاعت و مدیر المفتی دیوبند

پرچہ اصلاح وصول ہو گیا

اس خط کے لکھنے سے چار روز بعد وہ پرچہ اصلاح کا جس کا حوالہ مشرقی کے خطوں میں تھا ڈاک سے وصول ہو گیا، جس کی اطلاع اُسی روز مشرقی کو دے دی گئی کہ پرچہ پہنچ گیا۔
اس پرچہ اصلاح میں کیا تھا

احقر نے اس پرچہ کا مضمون اس شوق میں پڑھا کہ اس میں سوالات کا جواب ہوگا مگر افسوس کہ اُس میں ہمارے سوالات کے جواب کا ایک حرف نہ تھا بلکہ وہ ہی گفریات جن کو تذکرہ کی طول و طویل مکرر عبارتوں کے الجھاؤ میں ڈالا ہوا تھا اُن کا خلاصہ اس مرکزی خطاب میں بیان کر دیا گیا ہے اور بس۔ جس کا جی چاہے یہ پرچہ اصلاح دیکھ کر حقیقت معلوم کر سکتا ہے اَلْنا سیدھا غلط صحیح جواب ہوتا تو یہی سمجھا جاتا کہ ان لوگوں کی رائے غلط ہے وہ غلط جواب کو صحیح سمجھ رہے ہیں، مگر افسوس کہ جناب مشرقی اور اُن کا ادارہ علیہ اور ارباب اصلاح کسی شخص کے ساتھ انسانیت کا معاملہ کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے کہ بات کا جواب دے دیں، اس خط میں اول تو احقر پر جھوٹ کا الزام قائم کیا ہے کہ پرچہ اصلاح پہنچنے کے باوجود میں نے لکھ دیا کہ پرچہ نہیں پہنچا، کوئی پوچھے کہ آپ نے بلار جسٹری یہ

پرچہ بھیجا ہے اُس کے پہنچنے کی آپ کے پاس کون سی قطعی حجت تھی جس کی بناء پر مخاطب کو جھوٹا قرار دیا گیا۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ تیرے سب سوالات کا جواب خود تذکرہ میں موجود ہے لیکن تذکرہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ احقر کے سوالات میں سے ایک کا جواب بھی تذکرہ میں موجود نہیں اور اگر (بقول مشرقی کہ ہر شخص تذکرہ کو نہیں سمجھ سکتا) یہ احقر نہ سمجھا ہو تو دنیا میں کسی نے تو سمجھا ہوگا جس کا جی چاہے تذکرہ کی عبارت و صفحہ کا حوالہ دے کر بتلا دے کہ تیرے فلاں سوال کا جواب فلاں عبارت میں ہے۔

تذکرہ کی طول طویل عبارتوں کے پڑھنے کی تکلیف تو کون کرے گا میں ایک نمونہ اسی خط کا پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے سوالات کے ایسے ہی جواب تذکرہ میں ہوں گے۔

اسی خط میں لکھا ہے کہ ”اعتراض نمبر ۳ میں تو حیرت ہے کہ اس کا جواب خود آپ کی لکھی ہوئی عبارت میں موجود ہے۔“

آپ ہمارے سوال کو مکرر پڑھ کر غور فرمائیں کہ اس سوال کا جواب اس عبارت میں کیا ہے اور کونسا ہے ہم نے مشرقی کی دو متعارض عبارتیں پیش کر کے سوال کیا تھا کہ ان میں صحیح کون ہے اور غلط کون، یا کوئی تطبیق ہو سکتی ہو تو بتلائی جائے، آپ نے ایک عبارت کے معارض دوسری عبارت لکھنے کو جواب قرار دیا ہے۔
بریں علم و حکمت بایاد گریست

قابل توجہ ناظرین

اس تمام مراسلت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ باوجود اُس بدزبانی کے جو مشرقی نے بحق علماء اسلام اپنی تصانیف اور لکچروں میں اپنا شعار بنا رکھی ہے ہم نے کس قدر متانت اور خلوص کے ساتھ اُس کو مفاہمت کی دعوت دی، اس دعوت پر وہ آمادہ نہ ہوئے تو سوالات لکھ کر بھیجے۔ مگر مشرقی صاحب نے ہماری گل عرضداشتوں

کے سننے کے لئے ادارہ علیہ کے بام بلند سے نیچے کی طرف توجہ مبذول کرنے کی زحمت گوارہ نہ فرمائی۔

خود تو جواب ہی نہیں دیا، دفتر الاصلاح کے حوالہ کیا گیا، وہاں سے جو جوابات آئے وہ آپ نے ملاحظہ فرمائے کہ وہ کسی مفاہمت اور اصلاحی گفت و شنید کی طرف ہرگز آنا نہیں چاہتے اس لئے اب ہم مایوس ہیں کہ وہ راستہ پر آئیں یا کسی اہل علم کو مطمئن کر سکیں۔

اس لئے اب ہم اول مشرقی کے خیالات و عقائد کا خلاصہ خود اُن کی زبان سے اُن کی تصانیف کے مکمل حوالے کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان دیکھ لیں کہ مشرقی جس اسلام کے لئے قوت و عسکریت فراہم کر رہے ہیں وہ تیرہ سو برس کے مسلمانوں کا اسلام نہیں، وہ قرآن کا اسلام نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کا اسلام نہیں بلکہ وہ اسلام اُن کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی روح سے تمام موجودہ یورپین نصاریٰ اور مادہ پرست دھریئے (جو سرے سے خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، رسول اور کتاب اللہ کا تو کہنا کیا) اور بتیس (۳۲) کروڑ دیوتاؤں کے پوجنے والے ہندو تو حقیقی موحد، سچے مسلمان، اولیاء، صلحاء، دنیا و آخرت کی جنتوں کے مالک ہیں اور وہ لوگ جو ساڑھے تیرہ سو برس سے اسلام میں داخل ہیں خدا تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے رسول کی عزت و ناموس پر اپنا مال، اپنی جان، اپنی اولاد سبھی کچھ قربان کرتے ہیں وہ مشرک جہنمی ہیں۔ مشرقی کے حالات معلوم کرنے کے بعد درحقیقت کسی تردید کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

تاہم، ہم نے برعایتِ عوام مشرقی کے خیالات و عقائد لکھنے کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی میں اُن شبہات کو بھی رفع کر دیا ہے جن کی آڑ لے کر مشرقی نے نئے اسلام کی تعمیر کی ہے، اس کے بعد تحریک خاکساری میں شرکت کے متعلق احکام بیان کئے ہیں اب اول مشرقی کے عقائد و خیالات لکھے جاتے ہیں اُس کے بعد اُن کا حکم اور شبہات کی تردید لکھی جائے گی، پھر جماعت خاکساران کی شرکت کے احکام۔

وباللہ التوفیق وھو بہ حقیق

عنایت اللہ صاحب مشرقی کے خیالات و عقائد

منقول از تذکرہ (۱)، اشارات، قول فیصل وغیرہ
”مسلمانوں کو کسی عقیدہ اور کلمہ کی ضرورت نہیں!“

تمام عقائد کا انکار

”عقائد کا التزام بد معاشی ہے“

عبارت اول

”میں نے عربی افتاحیہ میں جو کچھ کہنا تھا حتیٰ الوسع کہہ دیا“ (الی قولہ) ”وہ دس عظیم الشان اصول غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جن کو پا کر امت محمدیہ کو چند لمحوں کے اندر زمین کی بادشاہت مل سکتی ہے جن پر دین اسلام کا تمام حصر ہے، جن پر خاتم الانبیاء کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہی نہیں بلکہ جو ہر بادشاہ قوم کا واحد اور دائم مذہب ہے اور جب تک زمین و آسمان ہیں یہی طرزِ عمل رہے گا اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتیٰ الامکان الہی سند بھی دے دی ہے ایک ناقابل رد حجت کو قرآن عظیم سے لے کر تاویل کی فریب کاری اور عقائد کی بد معاشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے“ (اس کے چند سطروں کے بعد ہے) بے خوف و خطر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے جو عامل ہے اُس کا عقیدہ بھی درست ہے، نہیں بلکہ اُس کو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں آج کچھ نہیں کل کچھ نہیں، ابد الابد تک کچھ نہیں۔ انتہی دیباچہ تذکرہ اردو صفحہ ۸۶ و ۸۷۔

(۱) اس رسالہ میں جو صفحات درج ہیں وہ تذکرہ مطبوعہ ۲۴ء مطبع وکیل امرتسر اور اشارات مطبوعہ انارکلی لاہور اور قول فیصل مطبوعہ مجتہبائی پریس شیرانوالہ لاہور سے لکھے گئے۔ ۱۲ منہ

قرآن کی تحریف ایمان و اسلام کی ملحدانہ شرح کہ ایمان اسلام صرف عمل کا نام ہے

جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئے گا وہاں مراد بھی اعمال لینے چاہئیں (حاشیہ تذکرہ اردو صفحہ ۱۸۳)

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ عمل جو عین ایمان ہے کیا چیز ہے، ملاحظہ ہوں عبارات ذیل:

نماز کوئی عبادت نہیں نماز پڑھ کر ثواب کی اُمید حماقت ہے عبادت صرف زمین کی بادشاہت حاصل کرنا ہے

عبارت دوم:

(از تذکرہ دیباچہ اردو صفحہ ۹۳ و ۹۴) پہلے نماز کی ایک مثال پیش کی ہے کہ جیسے کوئی نجاریا معمار اپنے اوزار کو تیز کرے تو یہ تیز کرنا خود مقصود نہیں بلکہ اس سے کام کرنا مقصود ہے اس کے بعد لکھا ہے:

پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے نری پنج وقتہ نماز پڑھ لینا کوئی عبادت نہیں۔ (اسی سلسلہ عبارت کے خاتمہ پر ہے) اُس کا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق، اُس کے ذریعہ سے پائی ہوئی قوت، اُس کی وساطت سے حاصل کیا ہوا غلبہ بلاشبہ عبادت (۱) ہے خدا کی نوکری ہے، رب العالمین کی بندگی ہے، مگر وہ (یعنی نماز) آپ داخل عبادت نہیں، اوزار کو مزدور کے دن بھر کا کام سمجھنا یا اوزار دکھا کر مستاجر سے اجرت طلب کرنا

(۱) اگر یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ محض نماز پر قناعت کر کے اخلاق اور غلبہ قوت کی فکر چھوڑ دینا تو صحیح تھا لیکن یہ کہنا کہ اگر اخلاق اور غلبہ قوت نہ ہو تو نماز بھی بیکار ہے اس پر کچھ ثواب نہیں یہ قرآن کا گھلا ہوا مقابلہ ہے، قرآن کا حکم ہے کہ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرتا ہے وہ اس کا ثواب ضرور پائے گا۔ (سورہ زلزال) ۱۲

حماقت ہے (الی قولہ) جو قوم نماز کی روزانہ چند اٹھک بیٹھک یا بے روح رکوع و سجود کر کے اپنے آپ کو عابد خدا تصور کر رہی ہے اُس کی کم عقلی اور ناخدا دانی کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ صفحہ ۸۶۔

روزہ اور حج و زکوٰۃ بھی کوئی عبادت نہیں

عبارت سوم:

(اسی سلسلہ میں تذکرہ دیباچہ اردو صفحہ ۹۷ میں لکھا ہے)

(۱)..... بایں ہمہ عمر کے آخری حصہ میں اپنے بلغم (۱) سے بھرے ہوئے وجود کو عصا کے سہارے آستانہ خدا پر پہنچا کر حج کے فرض کو ادا کیا ہوا سمجھنا، میری نگاہوں میں پرکاش کی برابر عمل (۲) نہیں، عبادت قطعاً نہیں، تو حید قطعاً نہیں، صوم بھی میرے نزدیک صرف ایک جہاد نفس ہے۔ (الی قولہ)

(۲)..... صوم و صلوة، حج و زکوٰۃ کو رسم یا عادت یا تعظیماً ادا کر لینا یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک کوئی عبادت نہیں، عبادت میری سمجھ میں اُسی کی ہو رہی ہے جس کے لئے عمل ہو رہا ہے۔ (الی قولہ)

(۳)..... عبادت کا فیصلہ عمل اور صرف عمل پر ہے۔ (الی قولہ)

(۴)..... اس دنیائے کسب و عمل کے اندر جو شے ضائع نہیں ہوتی وہ عمل ہے انی لا

أضیع عمل عامل منکم الایۃ۔ نماز اور زکوٰۃ اور حج اور روزے رسم ادا کر کے اور معنات شیطان (۳) کی عبادت کر کے ضائع ہو سکتے ہیں۔ فخلق من بعد خلف الایۃ مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرے کے برابر بھی ضائع (۴) نہیں ہوتا۔ (الی قولہ)

(۱) حجاج کے ساتھ استہزاء ہے ۱۲

(۲) یہ بھی آیت قرآن ومن یعمل مثقال ذرۃ خیر ابرہ کی تکذیب ہے۔ ۱۲

(۳) شیطان کی عبادت کو تو نہ کوئی مسلمان ظاہراً کرتا ہے نہ معنات۔

۳..... قرآن کریم کے اس ارشاد کی تکذیب اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالہم وہ لوگ ایمان نہ لائے تو اُن کے اعمال اللہ تعالیٰ نے خط و ضائع کر دیئے ۱۲۔

(۵)..... ظاہری قول اس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شئی نہیں اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہے اور باطن (۱) کو آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ در حقیقت خدا تعالیٰ سے مکر کر رہی ہے، نہیں بلکہ اُس کا کافر اور مشرک خدا ہونے میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہو گیا کہ مشرقی کے نظر میں جس طرح عقائد اور اقرار و اقوال کوئی چیز نہیں بلکہ مقصود صرف عمل ہے اسی طرح عبادات اسلامیہ بھی عمل نہیں بلکہ عمل اُس کے نزدیک کوئی اور شئی ہے اب وہ عمل کیا چیز ہے ملاحظہ ہو عبارت ذیل:

نماز روزہ وغیرہ سب کی اصلی غرض دنیا کی ترقی ہے

ذکر، تسبیح، دعا کسی معنوں میں عبادت نہیں

عبارت چہارم:

(الف) (از تذکرہ اردو دیباچہ صفحہ ۱۰۰) اس عبادت خدا اس توحید، اس ملازمت رب العالمین کا واحد اور منتہا میری نگاہوں میں بنی نوع انسان کی اپنی بہتری ہے سب سے پہلے اس دنیا کے اندر بہتری ہے، قومی اور اجتماعی بہتری ہے سیاسی اور اقتصادی بہتری ہے، ممکن فی الارض، جنات زمین کی بادشاہت اور غلبہ ہے، استخلاف فی الارض اور بقاء ہے آگے چل کر اخروی بہتری بھی ہے الجنت ہے۔ انتہی

(ب) نماز، نفل، درود، ذکر، تسبیح، دعا از روئے قرآن کسی معنوں میں عمل نہیں، نماز صرف (۲) مسلمانوں کی دنیا میں ایک ناقابل شکست اور عالمگیر جماعت پیدا کرنے کا ہتھیار ہے اگر اس اوزار کو تیز کرنے کے بعد تم نے اس سے ایک زبردست سپاہیانہ جماعت

(۱) اگر باطن سے مراد عقائد کی صحت ہے تو یہ مضمون صحیح ہے مگر مشرقی تو سرے سے عقائد کو کوئی چیز نہیں قرار دیتا، اس لئے اس باطن سے فرقہ باطنیہ والا باطن مراد ہوگا جو باجماع امت لغو و مردود ہی ہے۔ ۱۲
(۲) یہ وہی نماز کا ست (روح) نکال کر نماز کو بے باقی کرنا ہے جیسے فرقہ باطنیہ نے کیا تھا۔ ۱۳

نہ بنائی تو وہ اوزار بے کار ہے، نماز بغیر جماعت کے کچھ شئی نہیں الا صلوٰۃ بالجماعۃ صاف حدیث میں ہے اگر نماز پڑھنے سے مسلمانوں کی ایک دنیا کو فتح کرنے والی جماعت پیدا نہیں ہوتی تو وہ نماز اور کچھ بھی ہو لیکن خدا تعالیٰ کے ہاں صلوٰۃ ۲ نہیں اقبوا الصلوٰۃ پر عمل نہیں۔ (غلط مذہب ۲ ص ۸)

ایضاً (ج) یہ سب قرآنی الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انسانوں کے آنے کا مقصد قیام جماعت اور غلبہ کے سوا کچھ نہ تھا (غلط مذہب ۲ ص ۹)

اسلام صرف نظم و نسق اور قوت و غلبہ کا نام ہے

اور توحید سے مراد اتحادِ عمل ہے

عبارت پنجم:

(از تذکرہ عربی صفحہ ۱۳۳)

افلم تؤمنوا من بعد ما بینت کم ہنا بان الاسلام هو النظم والنسق والجد والجدد والسعی والعمل والقوة والاتحاد والغلبة والا من والاستبقاء من اللہ هل هو فی الدنیا حسنة وفی الاخرۃ حسنة وانما هو ہذہ بل کله ہذہ لاشئ من دون ذلک وان هو الا ان تؤمنوا بالتوحید لتوحدوا انفسکم وتصلوا لتنظموا امتکم وتصوموا للتصبروا وتصابروا وتحجوا لترابطوا وتخالطوا وتنفقوا التقوا واقومکم وتعاضدوا بینکم غالبین۔

(۱) نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے بہت سے نمازیں بلا جماعت پڑھنا ثابت ہے یہ آپ کے عمل کو لغو ٹھہراتا ہے۔
(۲) قرآن کے ارشاد کا صریح مقابلہ اور اُس کے مفہوم کو بالکل الٹ دینا ہے قرآن تو یہ کہتا ہے ان مکنا ہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ جس کے معنی یہ ہیں کہ زمین کی بادشاہت سے مقصود صرف نماز کی آزادانہ اقامت ہے مشرقی نے اس کے خلاف نماز کو بادشاہت کا آلہ اور بدون اُس کے بے کار قرار دیا ہے۔ ۱۲

کیا تم اب بھی ایمان نہیں لائے میرے اس بیان کے بعد کہ اسلام صرف ایک انتظام اور جدوجہد اور کوشش و عمل اور قوت و اتحاد اور غلبہ اور امن اور خدا تعالیٰ کے خوف کا نام ہے بلکہ وہ دنیا میں ایک بہتری ہے اور آخرت میں ایک بہتری۔ اس کے سوا نہیں کہ اسلام صرف اسی کا نام ہے بلکہ کل اسلام اسی میں منحصر ہے اس کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں اسلام اس کے سوا کوئی شے نہیں کہ تو حید پر ایمان لاؤ تو صرف اس غرض سے کہ تم آپس میں متحد ہو جاؤ، نماز پڑھو تو اس غرض سے کہ تم منظم ہو جاؤ، روزہ رکھو تو اس غرض سے کہ تمہیں (جنگ میں) صبر کی عادت پڑے، حج کرو تو اس غرض سے کہ آپس میں ارتباط و اتحاد پیدا ہو، خرچ کرو تو اس غرض سے کہ تمہاری قوم قوی ہو اور تم غالب ہو کر رہو۔

اللہ اور اُس کے رسول کی شان میں کیسے ہی گستاخانہ کلمات کہے جائیں وہ کفر نہیں

عبارت ششم

انما الکفر هو الاعمال من دون الکلمات والاقوال (تذکرہ عربی ص ۱۱۲)

کفر صرف اعمال کا نام ہے نہ کہ کلمات و اقوال کا

وان (۱) حرثتم الفاظ القرآن اشد حرثا او فحصتم عنه اشد فحصا ایہا المفتون المعاصرون فلن تجدوا فیہ کفرا غیر ہذا الانکار بالاعمال ولن تجدوا فیہ کفرا بالاقوال (۲) (تذکرہ عربی ص ۱۲۷)

(۱) اگر تم الفاظ قرآن کی پوری چھان بین اور مکمل تحقیق کرو تو اے ہم عصر اہل فتویٰ تم سوائے عملی کفر کے کوئی قولی کفر قرآن میں ہرگز نہ پاؤ گے۔

(۲) آیت قرآنیہ ولقد قالوا کلمۃ الکفر کی تکذیب ہے ۱۲ منہ -

عبارت ہفتم:

(ص ۵۳ منہ) فلا شک ان علما لنا کلہم نسوا اصل دیننا والفقرة (الی قولہ) وکلہم اضربوا من بث هذا السرائر الی دین الاقوال والعقائد. انتہی

اس میں شک نہیں کہ ہمارے علماء ہمارے دین اور فطرت کی اصل کو بھول گئے اور سب کے سب ان اسرار کی اشاعت سے اعراض کر کے اقوال اور عقائد کے دین کی طرف لگ گئے۔

عبارت ہشتم

وفی حاشیہ ص ۶۷ منہ فیصدر من کل هذه الايات أن معاصري النبي كلهم اواكثرهم من اهل الكتاب والكفار وغيرهم كانوا يعتقدون بالسنتهم بالله كما يعتقد المسلمون في زماننا ولكنه صلى الله عليه وسلم جاء ليشيع علمه تعالى فيهم (الی قولہ) والحق ان القول ليس بشئ وما قصد الله من الايمان الاقوال قط .

(حاشیہ تذکرہ عربی ص ۶۷)

اور اسی تذکرہ عربی کے حاشیہ صفحہ ۶۷ میں ہے ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے ہم عصر لوگ سب کے سب یا ان میں سے اکثر اہل کتاب اور کفار میں سے اپنی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کے معتقد تھے جیسے ہمارے زمانہ کے مسلمان معتقد ہیں لیکن آنحضرت ﷺ اس لئے آئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ان میں شائع کریں، پس حق یہ ہے کہ قول و قرار کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان سے اقوال کا کبھی قصد نہیں کیا۔

تمام موجودہ مسلمان مشرک و کافر ہیں اور بت پرست صحیح معنوں میں موحد و مسلم ہیں اُن کو مشرک کہنا اندھا پن ہے عبارت نہم:

(از اشارات ص ۹۶ تا ۹۹) اور قومی اگرچہ منہ سے خدا کو ایک نہیں کہتیں مگر اپنا اکثر وقت خدا تعالیٰ کے حکموں (۱) کی تعمیل اور نفسانی بُوں سے بغاوت میں صرف کر کے یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اُن کا حاکم وہی خدائے واحد ہے، پس جب توحید یہ ہے کہ دل (۲) میں کوئی بُت نہ رہے اور جب خدا کو ماننے کے کوئی دوسرے معنی لینا ناممکن ہے تو مسلمان یقیناً اس وقت ایک خدا کے ماننے والے نہیں، اس حالت میں مسلمان کا ہر وقت لا الہ الا اللہ کہتے رہنا بے نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ سے انعام کی اُمید فضول ہے (۳) خدا تعالیٰ کو دھوکہ دینا کیا اپنے نفس کو دھوکہ دینا ہے اور قومی جو خدا سے انعام لے رہی ہیں نسبتاً اُس کی زیادہ فرمان بردار ہیں اُن میں اتحاد ہے تو اس لئے، اُن کے اکثر افراد میں ذاتی غرضوں، ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی خود رائی اور کبر، یا ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنے کے پیارے بُت فنا (۴) ہو چکے ہیں۔ (الی قولہ) اُن میں تیس کروڑ دیوتاؤں کی پرستش کے باوجود سب کا طریق عمل ایک ہے تو اس لئے کہ اُن کے تیس کروڑ بُت دراصل بُت نہیں رہے۔

(اس کے بعد اسی قسم کی خواہشات کے بتوں کا فنا کرنا ایک طویل عبارت میں

(۱) کیا یہی حکموں کی تعمیل ہے کہ ہر وقت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں بُرا کہتے ہیں نبی ﷺ کے بتائے ہوئے احکام کو گمراہی کہتے ہیں نبی ﷺ کے تبعین کی جان و مال کے دشمن ہیں۔ ۱۲ منہ
(۲) دل میں بُت نہ رہنے سے اگر یہ مراد ہوتی کہ دل سے خدا کو ایک سمجھے تو یہ مضمون صحیح تھا مگر یہاں تو دل کا عقیدہ کوئی چیز نہیں بُت سے مراد وہ اعمال ہیں جو مشرقی کے نزدیک اچھے نہیں۔ ۱۲
(۳) حدیث رسول کی صریح تکذیب ہے، افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔ ۱۲ منہ
(۴) یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ ۱۲ منہ

ذکر کر کے لکھتے ہیں) الغرض اُن کی راہ ایک، کام ایک، منتہا ایک ہے اس لئے اُن کا آقا اور حاکم ایک ہے، خدا ایک ہے، دین ایک ہے، اگر خدا مختلف یا کئی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس طرح متحد ہوتے۔ (الی قولہ) ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے وہ دین اسلام برچل رہی ہے اُس کو مشرک یا بُت پرست کہنا اندھا پن ہے۔ (اشارات ص ۹۹)

عبارت دہم:

تحریک خاکساری جس کو قول فیصل میں خالص مذہب قرار دیا ہے (صفحہ ۱۲) اُس میں شمولیت کی شرطیں لکھتے ہیں۔ تحریک میں شامل ہونے کے لئے صرف خدا پر کامل یقین اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا دلی قرار اور روزِ قیامت پر ایمان کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ مسلمانی ہمیں درکار نہیں، ہمارے نزدیک قرونِ اولیٰ کے مسلمان انہیں تین چیزوں کو مضبوط پکڑ کر دنیا میں سر بلند ہو گئے تھے۔ (قول فیصل ص ۱۲، ۱۳)

حاصل عبارات مذکورہ

عبارات مذکورہ سے مندرجہ ذیل امور بصراحت معلوم و مفہوم ہوتے ہیں:

(الف) عقائد کوئی چیز نہیں، دین میں اُن کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ایمان و اسلام کا اُن سے کوئی تعلق ہے اسی وجہ سے ایک شخص مشرک نہ عقائد رکھنے کے باوجود مؤمن اور اسلامی عقائد رکھنے کے باوجود مشرک ہو سکتا ہے۔

(ب) اقوال و اقرار، کلمہ شہادت پڑھنا یا اُس سے انکار کرنا سب برابر ہیں

فضول ہیں۔

(ج) عبادات اسلامیہ نماز روزہ وغیرہ جن کو احادیث صحیحہ میں ارکانِ اسلام

قرار دیا گیا ہے وہ دراصل نہ عبادت ہے نہ اعمال مطلوبہ۔

(د) ایمان، اسلام، مذہب، توحید، عبادت، سب کا مصداق صرف ایک عمل ہے

یعنی زمین کی بادشاہت اور غلبہ و قوت حاصل کرنے کے لئے متحدہ کوشش کرنا۔ اور اسی کا

لازمی نتیجہ آخرت کی فلاح اور جنت بھی ہے۔ (یہ مضمون عبارت بست و ہفتم جو آئندہ مذکور ہے اُس میں بھی بصراحت مذکور ہے)۔

اور جہاں تک ہم نے دیکھا اور غور کیا تمام تذکرہ عربی و اردو کا خلاصہ یہی مضمون ہے جو عربی و اردو عبارات میں مختلف عنوانات سے تذکرہ میں پھیلا ہوا ہے۔

یورپ کے نصاریٰ، مؤمن، متقی، صلحاء، ابرار ہیں

دنیا میں بھی اُن کو فلاح ہے اور آخرت میں بھی

مذکور الصدر عنوان مشرقی کی بہت سی صریح و صاف عبارتوں کا خلاصہ ہے جن میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں اور درحقیقت یہ عنوان پہلے ہی عنوان کا نتیجہ اور لازمی اثر ہے، کیونکہ جب ایمان و تقویٰ اور صلاح و فلاح میں عقائد اور اقوال کا کوئی دخل نہ رہا یہ سب چیزیں صرف ایک عمل یعنی دنیا میں غلبہ اور سلطنت کی کوشش کا نام قرار دیا گیا تو جو بُت پرست یا نصاریٰ یا کوئی دوسری قوم اس کوشش میں پائی جائے گی وہ مشرقی کی اصطلاح میں مؤمن مسلمان اور متقی و صالح ہوگی، مشرقی کی چند اپنی عبارات یہ ہیں:

عبارت یا زود ہم

فلا يزال الحكماء الطبيعيون من المغرب يطلعون على سرائر الطبيعة وعوائد العادة واحوال المواليد الثلاثة (الى قوله) حتى لاحت لهم الحقيقة واتضحت لهم الطريقة (الى قوله) وصاروا بالحق من عباد الله المؤمنين المتفكرين العالمين العاقلين المؤقنين المتقين۔ (تذکرہ عربی ص ۴۰)

حکماء طبعیین اہل مغرب (یورپ) ہمیشہ سرائر طبیعت اور فوائد عادت اور موالید ثلاثہ کے احوال پر مطلع ہوتے رہے۔ (الی قولہ) یہاں تک کہ اُن پر حقیقت کھل گئی اور صحیح طریقہ واضح ہو گیا۔ (الی قولہ) اور وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے اُن مؤمن بندوں

میں سے ہو گئے جو تفکر کرنے والے اور علماء و عقلاء ہیں اور یقین اور تقویٰ کے ساتھ متصف ہیں۔

حقیقی علماء یورپ کے نصاریٰ ہیں علماء اسلام علماء نہیں

عبارت دوازدہم:

أفعلمائكم المتشرعون الحاضرون العلماء بالحق في لغة القرآن أم الحكماء الغربيون الطبيعيون المعاصرون الذين علموا عدد السنين والحساب ورأوا ملكوت السموات باليقين انزل القرآن لهم أم لكم قوم جاهلين. افكتا بكم هدى ورحمة لكم أم لقوم اخرين (الى قوله) اهم حريون بان يسموا العلماء ام الغربيون الذين جعلوا على الارض اسافلها وبدلوا اسافلها بعاليها وصعيدا بجزرها وغوروا في بطنها. وصعدوا على جبالها ولم يغادروا من الارض شيئا الا عرفوا حسناتها وقبحها وزينوا الارض بزخارفها وحلّوها بحلية العلم والايجاد والفضل والرحمة. الذين احسنوا في هذه الدنيا علما وعملا اصلحوا بالهم في الدنيا والاخرة فاتوني بشهادة علمكم ان كنتم صادقين.

پس کیا تمہارے پابند شریعت علماء حاضرین حقیقہ علماء ہیں یا ہم عصر مغربی (یورپین) حکماء طبعیین جنہوں نے عدد سنین و حساب کو معلوم کیا اور آسمانی ملکوت کو یقین کے ساتھ دیکھ لیا، کیا قرآن ان کے لئے نازل ہوا یا تمہارے لئے، اے جاہلوں کی قوم! پس تمہاری کتاب تمہارے لئے ہدایت و رحمت ہے یا دوسری قوموں کے لئے۔ (الی قولہ) پس کیا وہ لوگ (یعنی علماء شریعت) اس کے لائق ہیں کہ اُن کا نام علماء رکھا جائے یا یورپین لوگ جنہوں نے زمین کے اعلیٰ کو اسفل اور

اسفل کو اعلیٰ اور پیداوار کی زمین کو بنجر سے بدل دیا اور زمین کے لطن میں گھس گئے اور اس کے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور زمین کے کسی حصہ کو نہیں چھوڑا جس کے حسن و قبح پر مطلع نہ ہوئے ہوں، زمین کو خوشنما چیزوں سے مزین کر دیا اور علم (۱) و ایجاد اور فضل و رحمت (۲) کے زیور سے آراستہ کر دیا، جنہوں نے اس دنیا میں علما اور عملاً اچھا کام کیا اور دنیا و آخرت میں اپنا حال درست کر لیا لاؤ میرے سامنے اپنے علم کی شہادت اگر تم سچے ہو۔

عبارت سیزدہم:

فَالْغَرَبِيُّونَ الَّذِينَ تَسْمُونَهُمُ الْكَفَّارَ بِلِسَانِكُمْ وَتَظُنُّونَهُمْ أَصْحَابَ النَّارِ وَالْمَغْضُوبِينَ عَلَيْهِمْ فِي زَعْمِكُمْ قَدْ سَاقُوا عَلَيَّ بِرَهْذَةِ الْأَرْضِ فَرُوسًا مِنَ الْخَشَبِ وَفِي بَحْرِهَا تَمَسَّاسِيحٌ مِنَ الْحَدِيدِ (الی قولہ) وما عملوا كل هذا لا ليعملوا صالحًا وليكونوا من المفلحين فانبتوني بما اصلحتهم في هذه الدنيا وبما تشترون به جنتكم في الحق وما يعلم علماء كم الجاهلون الذين لا يعلمون من شئ ولا يملكون من قطمير في هذه الارض.

پس وہ حکماء مغرب جن کو تم اپنی زبان میں کافر کہتے ہو اور جہنمی اور مغضوب علیہم سمجھتے ہو، انہوں نے اس زمین کے میدان پر لکڑی کے گھوڑے اور بحر میں لوہے کے ناکے چلا دیئے ہیں (الی قولہ) اور انہوں نے یہ سب اس لئے کیا ہے تاکہ وہ عمل صالح کریں اور اصحاب فلاح میں داخل ہو جائیں، تو مجھے بتلاؤ کہ تم نے اس دنیا میں کیا چیز درست کی جس سے تم آخرت میں جنت خریدو گے اور تمہارے جاہل علماء

(۱) اگر علم اسی کا نام ہے تو مشرقی کے نزدیک معاذ اللہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور تمام صحابہ و تابعین بے علم تھے کہ انہوں نے یہ کام قطعاً نہیں کئے نعوذ باللہ من هذه الجسارة۔ ۱۲ محمد شفیع

(۲) اگر اسی کا نام فضل و رحمت ہے تو انبیاء و صحابہ سب کے سب اس فضل و رحمت سے محروم ہیں معاذ اللہ۔ ۱۲

کیا جانتے ہیں جو ان چیزوں میں سے کسی کا علم (۱) نہیں رکھتے اور اس زمین کی کسی چیز کے مالک نہیں۔

موجودہ نصاریٰ عامل بالقرآن اور اللہ و رسول کے

فرمانبردار اور دنیا و آخرت میں صاحب فلاح ہیں

عبارت چہار دہم:

افما قال الله لكم في اعداءكم ان اعدوا لهم ما استطعتم الاية فكذب علماءكم بهذه الاية واضلواكم عن سبيله (الی قولہ) والغربيون كلهم صدقوا بهذه الاية بالعمل وامنوا بها ما استطاعوا وبدلوا خوفهم امنًا واطاعوا الله ورسوله فصاروا من المفلحين في الدنيا ولا شك انهم في الآخرة من عباده المؤمنين۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۴۶)

کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمنوں کے متعلق تمہیں یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کی تیاری کرو، تمہارے عالموں نے اس آیت کو جھٹلا دیا اور تمہیں راستے سے گمراہ کر دیا۔ (الی قولہ) اور سب اہل یورپ نے اس آیت کی عملاً تصدیق کی اور اپنی قدرت کے موافق اس پر ایمان لائے اور اپنے خوف کو امن سے بدل دیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس لئے وہ دنیا میں اہل فلاح میں داخل ہو گئے اور اس میں شک نہیں کہ وہ آخرت میں بھی مؤمنین بندوں میں سے ہیں۔

(۱) اکثر اسلاف اسلام بلکہ انبیاء علیہ السلام کا یہی حال تھا جس کی بنا پر موجودہ علماء کو جاہل کہتا ہے۔ ۱۲

یورپین نصاریٰ ہی حقیقی عارفین اور اللہ تعالیٰ کی قدر کرنیوالے شکر گذار، حقیقی ایمان والے ہیں، اکثر فرشتے اُن کو سجدہ کرتے ہیں عبارت پانژوہم:

فواللہ ماجاہد قوم قط فی ہذہ الدنیا مثل ماجاہد الغرب فی زماننا ہذا ولم یعرفو اللہ مثل ما عرفوہ ولم یقدروہ مثل ما قدروہ، فکیف لا یؤدی اللہ اجورہم ویوفیہم حق عبادتہم فی الدنیا ویتم نعمتہ علیہم ان کانوا شاكرین وکیف لا یتخلف فی الارض الذین امنوا باللہ بالحق و عملوا الصالحات انه شکور حلیم فالملئکۃ اکثرہم یسجدون لہذا القوم و ملک البرق یخدمہم لیلا ونہارا (تذکرہ عربی صفحہ ۳۶)

اللہ تعالیٰ کی قسم کسی قوم نے دنیا میں ایسا جہاد (۱) نہیں کیا جیسا اہل یورپ نے کیا ہے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا اہل یورپ نے پہچانا ہے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر نہیں کی جیسی انہوں نے کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اُن کو ثواب کیوں نہ دے اور اُن کی عبادت کا حق کیوں نہ ادا کرے اور اُن پر اپنی نعمت کو مکمل کیوں نہ کرے جبکہ وہ شکر گزار ہیں اور کیسے اُن لوگوں کو زمین کا خلیفہ نہ بنائے جو حقیقتہً اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر کا بدلہ دینے والا اور علیم ہے، پس اکثر ملائکہ اس قوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو فرشتہ برق پر مسلط ہے وہ دن رات ان کی خدمت کرتا ہے۔

(۱) یہ فساد و خون ریزی جو یورپین اقوام محض اپنے پیٹ بھرنے اور شہوات کا سامان مہیا کرنے کے لئے کر رہے ہیں مشرقی کے نزدیک جہاد ہے وہ اسی جہاد کے لئے مسلمان کو آمادہ کر رہا ہے جو قرآنی جہاد کی بالکل نفیض ہے قرآن نے جہاد صرف اس کو قرار دیا ہے جو خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کیا جائے بغیر اس نیت کے اس کا نام فساد رکھا ہے۔ ۱۲

سب موجودہ مسلمان اسلام سے خارج اور گمراہ ہیں عبارت شانژوہم:

یا ایہا المسلمون المرتسمون افلا انتم فی اسلامکم الضالون وعن الصراط لنا کبون افما انتم تفعلون هو الاسلام ام ما یفعل الکفرون (الی قولہ) فالحق انه ما فیکم من الاسلام من شئی وانہم ہم المسلمون۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۸)

اے رسی مسلمانو! کیا تم اپنے اسلام کے باوجود گمراہ اور صراط مستقیم سے ہٹنے والے نہیں، کیا اسلام وہ ہے جو تم کہہ رہے ہو یا وہ جو کفار کر رہے ہیں پس حق یہ ہے کہ تم میں اسلام کا کوئی شائبہ نہیں اور وہ اہل یورپ ہی مسلمان ہیں۔

یورپین ہی علم اور نبوت کو سمجھنے والے ہیں اور وہی

توحید و ایمان کی طرف ہدایت پانے والے

عبارت ہفتدہم:

والغریبون ہدوا بہذا العلم والنبوة الی التوحید والایمان وھذا القرآن وان لم یروہ او یدرسوہ کدر سکم الی الفلاح والعمران۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۹)

پس مغربی (یورپین) لوگوں نے اس علم و نبوت کے ذریعہ توحید و ایمان (۱) کی طرف ہدایت پائی اور اسی قرآن کے ذریعہ، اگرچہ انہوں نے قرآن کو تمہاری طرح دیکھا اور پڑھا نہیں۔

(۱) وہ تو صراحتہً توحید کی تکذیب کرتے ہیں مگر یہ اُن کے چست گواہ خواہ مخواہ اُن پر ایمان توحید کا الزام لگاتے ہیں۔ ۱۲

یورپین نصاریٰ ہی حقیقی عارفین اور اللہ تعالیٰ کی قدر کرنیوالے شکر گذار، حقیقی ایمان والے ہیں، اکثر فرشتے اُن کو سجدہ کرتے ہیں عبارت پانژوہم:

فواللہ ماجاہد قوم قط فی ہذہ الدنیا مثل ماجاہد الغرب فی زماننا ہذا ولم یعرفو اللہ مثل ماعرفوہ ولم یقدروہ مثل ماقدروہ، فکیف لا یؤدی اللہ اجورہم ویوفیہم حق عبادتہم فی الدنیا ویتیم نعمتہ علیہم ان کانوا شاكرین وکیف لا یتخلف فی الارض الذین امنوا باللہ بالحق و عملوا الصالحات انہ شکور حلیم فالملئکۃ اکثرہم یسجدون لہذا القوم و ملک البرق ینخدمہم لیلا ونہارا (تذکرہ عربی صفحہ ۳۶)

اللہ تعالیٰ کی قسم کسی قوم نے دنیا میں ایسا جہاد (۱) نہیں کیا جیسا اہل یورپ نے کیا ہے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا اہل یورپ نے پہچانا ہے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر نہیں کی جیسی انہوں نے کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اُن کو ثواب کیوں نہ دے اور اُن کی عبادت کا حق کیوں نہ ادا کرے اور اُن پر اپنی نعمت کو مکمل کیوں نہ کرے جبکہ وہ شکر گزار ہیں اور کیسے اُن لوگوں کو زمین کا خلیفہ نہ بنائے جو حقیقتہً اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر کا بدلہ دینے والا اور علیم ہے، پس اکثر ملائکہ اس قوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو فرشتہ برق پر مسلط ہے وہ دن رات ان کی خدمت کرتا ہے۔

(۱) یہ فساد و خون ریزی جو یورپین اقوام محض اپنے پیٹ بھرنے اور شہوات کا سامان مہیا کرنے کے لئے کر رہے ہیں مشرقی کے نزدیک جہاد ہے وہ اسی جہاد کے لئے مسلمان کو آمادہ کر رہا ہے جو قرآنی جہاد کی بالکل نفیض ہے قرآن نے جہاد صرف اس کو قرار دیا ہے جو خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کیا جائے بغیر اس نیت کے اس کا نام فساد رکھا ہے۔ ۱۲

سب موجودہ مسلمان اسلام سے خارج اور گمراہ ہیں عبارت شانژوہم:

یا ایہا المسلمون المرتسمون افلا انتم فی اسلامکم الضالون وعن الصراط لنا کبون افما انتم تفعلون هو الاسلام ام ما یفعل الکفرون (الی قولہ) فالحق انہ ما فیکم من الاسلام من شئی وانہم ہم المسلمون۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۲۸)

اے رسی مسلمانو! کیا تم اپنے اسلام کے باوجود گمراہ اور صراط مستقیم سے ہٹنے والے نہیں، کیا اسلام وہ ہے جو تم کہہ رہے ہو یا وہ جو کفار کر رہے ہیں پس حق یہ ہے کہ تم میں اسلام کا کوئی شائبہ نہیں اور وہ اہل یورپ ہی مسلمان ہیں۔

یورپین ہی علم اور نبوت کو سمجھنے والے ہیں اور وہی

توحید و ایمان کی طرف ہدایت پانے والے

عبارت ہفتدہم:

والغریبون ہدوا بہذا العلم والنبوة الی التوحید والایمان وھذا القرآن وان لم یروہ او یدرسوہ کدر سکم الی الفلاح والعمران۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۹)

پس مغربی (یورپین) لوگوں نے اس علم و نبوت کے ذریعہ توحید و ایمان (۱) کی طرف ہدایت پائی اور اسی قرآن کے ذریعہ، اگرچہ انہوں نے قرآن کو تمہاری طرح دیکھا اور پڑھا نہیں۔

(۱) وہ تو صراحتہً توحید کی تکذیب کرتے ہیں مگر یہ اُن کے چست گواہ خواہ مخواہ اُن پر ایمان توحید کا الزام لگاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

موجودہ سب موحدین مشرکین اور معذب ہیں اور
صرف مشرکین ہی جنتی ہیں اور اس پر رسول شاہد ہے
عبارت ہشتدہم:

القائلون فی عذاب الیم والعاملون فی الجنة والنعم الموحدون
فی زمرة المشرکین والمشرکون المتعارفون علی الآرائک
متکثون والرسول شاهد علیهم انهم هم المؤمنون -

(تذکرہ عربی صفحہ ۳۰)

اپنے کو مسلمان کہنے والے سب عذاب الیم میں ہیں اور عمل کرنے والے (یعنی
حصول دنیا کے لئے) جنت اور نعمتوں میں ہیں، موحدین جماعت مشرکین میں
داخل ہیں اور متعارف مشرکین جنت کے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں اور رسول
اُس پر شاہد ہے کہ صرف وہی مؤمنین ہیں۔

جو کچھ یورپ کے نصاریٰ کر رہے ہیں حقیقی اسلام وہی ہے

عبارت نوزدہم:

الحق الذی لا یشک فیہ ہوان کل ما ذهب الیہا الغرب من
اصول الاسلام بل دینہ تعالیٰ بل فطرة الله التي فطر الناس علیہا
والدین الذی وصی بہ النبیین۔

حق بات جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ جو کچھ اہل یورپ نے اختیار کر
رکھا ہے وہی اصول اسلام بلکہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے بلکہ وہ فطرت ہے جس پر اللہ
تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور وہ دین ہے جس کی انبیاء کو وصیت (۱) کی گئی ہے۔

(۱) مگر تعجب ہے کہ انبیاء نے اس وصیت پر عمل نہ کیا نہ موثر ایجاد کیا نہ ریل نہ توپ نہ وائرلیس اور نہ وہ انسانیت
سوز جنگ جو یورپ کر رہا ہے۔ ۱۲

نصرانیت اور اسلام کا اختلاف فروعی اختلاف ہے

لا نهم افلحوا بهذا القانون واصلحوا بالهم بهذا المسنون فمن
اتقى واصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون واما الاختلاف
بین القرآن وبینهم فی اسالیب نفاذها وطریق اتباعها فهو من
الفروع لیس باصل الدین۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۶، ۵۵)

کیونکہ انہوں نے اس قانون سے فلاح حاصل کی اور اس طریقہ سے اپنا حال
درست کیا، پس جو لوگ تقویٰ اور اصلاح اختیار کریں تو اُن پر نہ خوف ہے اور نہ وہ
غمگین ہوں گے، باقی رہا وہ اختلاف جو قرآن میں اور ان کے طرزِ نفاذ اور طریق
اتباع میں ہے سو وہ ایک فروعی اختلاف ہے، اصول دین میں نہیں۔

کسی قوم نے توحید میں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں
ایسا جہاد نہیں کیا جیسا موجودہ نصاریٰ نے کیا ہے

عبارت ہستم:

فوالله ما جاهد قوم فی زماننا هذا فی التوحید قط مثل
ما جاهد الغرب لانهم جاهدوا فی ربهم بعلمهم وعقلهم وطهروا
قلوبهم من رجز الاوثان عملاً ومعناً ولم تخلقوا فکابا فواہم
(۱) واقوالہم۔ (عربی تذکرہ صفحہ ۶۹)

پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے زمانہ میں کسی قوم نے توحید میں ایسا جہاد ہرگز نہیں کیا جیسا
اہل یورپ نے کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے رب کے لئے اپنے علم و عقل کے ساتھ
جہاد کیا اور اپنے قلوب کو بتوں کی نجاست سے عملاً و معنئاً پاک کر لیا اور اپنے اقوال اور
زبانوں سے جھوٹ نہیں بنایا۔

(۱) اصل تذکرہ میں یہی لفظ ہے اگر کتابت کی غلطی نہیں ہے تو مشرقی کی عربی دانی کا پول کھولنے کے لئے یہ
بھی کافی ہے کمالا یخفی علی من له مسکة بالعربیة۔ ۱۲

موجودہ نصاریٰ ہی مؤمن نیک کام کرنے والے ابرار و مفلحین ہیں
عبارت بست و یکم:

وکل هذا ما يفعل الغربیون النصرانیون فی زماننا هذا علماء و عملاً لانهم
یعلمون قانونه و یعملون الصلحت. (الی قوله) ولا شک فی انهم هم الا
برار الذین امنوا و عملوا الصلحت فی هذه الارض فی زماننا هذا ولا
شک انهم هم المفلحون۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۸۵) و مثلاً فی صفحہ ۸۹

اور یہ سب کچھ وہی ہے جو مغربی نصاریٰ ہمارے زمانہ میں علماء و عملاً کر رہے ہیں کیونکہ وہ
اُس کا قانون جانتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ (الی قوله) اور کوئی شبہ نہیں کہ صرف
وہی لوگ ابرار ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس زمین پر نیک عمل کئے اور کوئی شبہ
نہیں کہ یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ غفور و رحیم نہیں بلکہ نصاریٰ کے لئے ہے
عبارت بست و دوم:

فواللہ ما ربکم لکم بغفور رحیم ان ہو بغفور (۱) الا للمغربیین
النصرانیین المؤمنین الذین یدامون فی زماننا هذا علی
جہادہم بالسیف (۲) والا نفر (۳)
پس (۴) خدا کی قسم تمہارا رب تمہارے لئے غفور و رحیم ہے نہیں بلکہ وہ غفور و رحیم صرف
مغربی نصاریٰ کے لئے جو حقیقی مؤمنین ہیں اور جہاد بالسیف پر مداومت کرتے ہیں۔

(۱) یہ مہمل عربی عبارت بھی مشرقی کی عربی دانی کی داد کے لئے کافی ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) ایضاً

(۳) یہ عطف بھی مشرقی بلاغت کا ایک نمونہ ہے۔ ۱۲ منہ

(۴) یہ ہر سطر میں قسموں کی بھر مار بھی قابل غور ہے کہ خلاف مہین ہونے کا ثبوت ہے۔ ۱۲ منہ

جس کو دنیا میں دولت و قوت حاصل نہیں اُس کو آخرت میں بھی نہ ملے گی
یہ عنوان جو عبارات مندرجہ ذیل کا خلاصہ ہے یہ بھی دراصل مشرقی کے اُسی
خیال کا نتیجہ ہے جو عنوان اول و دوم میں مذکور ہوا ہے کیونکہ جب دنیوی تنعم اور غلبہ
دولت ہی کا نام ایمان و اسلام ہوا تو جنات آخرت بھی اُسی پر موقوف ہو گئی۔
مسلمان جنت کے لائق نہیں کیونکہ دنیا میں اُن کو مال و دولت حاصل نہیں ہوا
عبارت بست و سوم:

فیما تزعمون انکم احق بالجنة ولستم بجدیرین لہا و حریرین
بانعمہا لو کنتم تعلمون۔ فمن (۱) یلیق بنعمة الجنة الخلد الباطنة ان
لم یکن لہ نصیب من نعمة الارض الظاهرة افلا تعقلون ومن کان
فی هذه (۲) اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ ومن الضالین فما الجنة (۳)
الا لوارثی جنات الارض و عیونہا و ما العاقبة الا للمتقین۔
(تذکرہ عربی صفحہ ۲۳)

تم کس وجہ سے یہ کہتے ہو کہ ہم جنت کے حق دار ہیں حالانکہ تم اُس کی نعمتوں کے قابل
نہیں، کاش کہ تم سمجھتے، پس جنت خلد باطنہ کے لائق وہ شخص کب ہو سکتا ہے جس کو زمین پر
نعمت ظاہرہ حاصل نہیں، کیا تم سمجھتے نہیں، حالانکہ جو شخص اس دنیا کی زندگی میں اندھا (یعنی
فقیر و مفلس) ہو وہ آخرت میں اعمیٰ (یعنی فقیر و مفلس) اور گمراہوں میں داخل ہے پس
جنت بجز اُن لوگوں کے کسی کا حق نہیں جو زمین کے باغات اور چشموں و نہروں کے مالک
ہیں اور فلاح آخرت متقیوں کے واسطے ہے۔

(۱) یہ جملہ بھی مشرقی کی عربی دانی کا خاص نمونہ ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) یہ قرآن کی تحریف ہے کہ اعمیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں مال و دولت نہیں رکھتے۔ ۱۲ منہ

(۳) جو انبیاء علیہم السلام زمین کی سلطنت اور باغات نہیں رکھتے تھے مشرقی کے نزدیک وہ بھی جنت سے محروم ہیں
نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ

عبارت بست و چہارم:

وان من قوم اصلحوا ثم افلحوا في هذه الارض الاسلاموا لہ
وان من ارض خاب اهلها انهم صرفوا عنه۔ (تذکرہ عربی ص ۵۳)
اور جس قوم نے اس زمین صلاح و فلاح (دنیا کا مال و دولت) حاصل کیا وہ ہی اللہ
تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہوئے اور جس زمین کے لوگ (مال دولت سے) محروم
رہے وہ دین سے پھر گئے۔

نیز عبارات سابقہ مندرجہ عنوان اول و دوم جن میں مشرکین و نصاریٰ کو نجات و فلاح کا
مالک اور مؤمنین و مسلمین کو محروم قرار دیا ہے وہ بھی سب اس مضمون پر شاہد ہیں کہ مصنف تذکرہ کی
نظر میں نجات و فلاح آخرت دنیوی تنعم و سلطنت کے حصول پر موقوف ہے۔

آخری نجات اسلام میں منحصر نہیں

یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ جب وہ اسلام و ایمان جو رسول کریم ﷺ اور
قرآن کی تشریح کے موافق ساڑھے تیرہ سو برس سے امت نے سمجھا تھا وہ اسلام ہی نہیں تو
نجات آخرت اس میں کیسے منحصر ہو اور اسی لئے بت پرست، نصاریٰ اور تمام طوائف کفار جو
دنیوی تنعم و قوت کے مالک ہوں سب کے سب جنت آخرت کے حق دار ہیں۔

اس عنوان کے ثبوت کے لئے عبارات مندرجہ عنوان اول و دوم بھی کافی ہیں جن
میں طوائف کفار کو اپنے گھر پر رہتے ہوئے نجات آخرت اور فلاح جنت کا مستحق قرار دیا
ہے۔ نیز عبارات ذیل میں بھی اُس کی تصریح ہے۔

ہندو اپنے طریقہ پر، نصاریٰ و یہود اپنے طریقہ پر، مسلمان
اپنے طریقہ پر عبادت کریں تو سب کو نجات حاصل ہے
عبارات بست و پنجم:

آیت کریمہ لكل امة جعلنا منسكاهم ناسكوه فلا ينازعنك في

الامر الایة کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فجعل الله لكل امة طريقة
عبادة ربها واسلوب التعبد بقانونها فلتستمسك كل امة بهذه
الطريقة وتداوم عليها ولكن امره وقانونه شئى اخر يستوى في
كل الامم (الی قولہ) فالنزاع في الامر هو ما ينافي الاسلام وينا
قض دينه تعالى والنزاع في المناسك هو الذى يفرق بين
الاقوام لا بين افرادهم ولا يعذب الله قوما حتى تنازعوا في
الامر۔ (تذکرہ عربی صفحہ)

پس اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک طریقہ اور ایک خاص
قانون بنایا ہے اُس قوم کو چاہئے کہ اُسی طریقہ کو پکڑے رہے اور اُسی پر مداومت
کرے، لیکن اللہ تعالیٰ کا امر اور قانون دوسری چیز ہے جو تمام قوموں میں برابر
ہے۔ (الی قولہ) پس امر میں اختلاف کرنا ہی وہ چیز ہے جو اسلام کے منافی اور دین
کے مخالف ہے اور طرق عبادت کا اختلاف قوموں میں فرق کرتا ہے نہ اُن کے افراد
میں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اُس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک وہ امر میں
اختلاف نہ کریں۔

ہندوستان میں بصورت موجودہ زکوٰۃ ادا کرنا حرام ہے

میرے نزدیک مسلمان کی زکوٰۃ کا پیسہ آج ٹھکانے نہیں لگتا، خدا تعالیٰ کے
ز نزدیک کسی معنوں میں قبول نہیں ہوتا، گناہ محض ہے حرام ہے جب تک وہ زکوٰۃ غازی
مصطفیٰ کمال کے بیت المال میں نہ پہنچے اور پھر اس بیت المال سے دین اسلام کی
حفاظت کے لئے توپیں اور طیارے نہ خریدے جائیں اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو اس ملک
میں زکوٰۃ ساقط ہے، مجھ سے ایک بہتر اسلامی مسئلہ مسائل کو جاننے والا اور مسلمان کا
مانا ہوا مولوی یعنی ابوالکلام آزاد زکوٰۃ و صدقات کے بارے میں یہ فتویٰ علی الاعلان
اور بے خوف و خطر دے چکا ہے، نہیں سب ہوش مند مولویوں اور علماء دین کا فتویٰ

زکوٰۃ صدقات، نذر نیاز کے بارے میں آج یہی ہو سکتا ہے کہ بیت المال نہیں تو زکوٰۃ نہیں۔ (میری سخت گیریاں مصنفہ مشرقی صفحہ ۱۵۱۴)

ف:..... یہ محض دعویٰ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے کوئی پوچھے کہ مشرقی اس کے مدعی ہیں کہ ہم نے قرآن کھولا ہے اور جو کچھ کہتے ہیں قرآن سے کہتے ہیں یہ کوئی قرآن کی آیت میں ہے نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ بالکل اس کے خلاف یہ ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساكين

تمام صدقات فقراء و مساکین وغیرہم کا حق ہے

ہاں طریق مسنون ادائے زکوٰۃ کا جو عہد نبوت اور اُس کے بعد جب تک اسلامی سلطنت باقی رہی یہ رہا ہے کہ اموال ظاہرہ (جیسے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ) کی زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام خلیفہ وقت کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ اور وہ بھی ان خاص اموال کی زکوٰۃ وصول کر کے توپیں اور طیارے خریدنے کے حق دار نہ تھے بلکہ صرف اس پر مجبور تھے کہ فقراء و مساکین پر انتظام کے ساتھ خرچ کریں، باقی اموال نقد و زیور وغیرہ جن کو فقہاء کی اصطلاح میں اموال باطنہ کہا جاتا ہے ان کی زکوٰۃ اُس زمانہ میں ہر شخص بطور خود فقراء و مساکین کو دیتا تھا، تمام کتب اسلامیہ اس کی شہادت سے لبریز ہیں۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ جن کی زکوٰۃ سلطنت کی انتظام سے بیت المال میں جمع ہو کر فقراء و مساکین پر تقسیم ہوتی تھی اُس کے متعلق بھی کسی ایک آیت یا روایت میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ بطور خود اس کی زکوٰۃ ادا کرنا گناہ محض اور حرام ہے، مشرقی کا یہ فیصلہ قطعاً قرآن و حدیث کے خلاف ایک فریضہ کے ادا کرنے سے روکتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

پانچ ارکان اسلام کا انکار اور یہ کہ اُن سے کسی قوم کو فلاح نہیں ہو سکتی عبارت بست و ششم:

ما بنی الاسلام علی ما انتم تزعمون وما کلمۃ الشہادۃ والصوم

وَالصَّلٰوةُ وَالْحَجُّ وَالزَّكٰوٰةُ الَّتِی تَسْمُوْنَهَا اَرْكَانَ الْاِسْلَامِ
الاشعائر الامة المحمدیه او مناسکھا الّتی تتميز بها امتکم من
الامم الاخری ولكنہ ما اسس الاسلام علیھا قط ولا ہی فطرة
اللہ الّتی فطر الناس علیھا ولا ہی ما یولد علیھا ولد ولا ما تفلح
به اُمم ولا ما ذکر اللہ به العالمین ولا ما وصى به النبیون (الی
قوله) فلا واللہ ما هو الا قد بنی الاسلام علی عشرة اصول
(۱) التوحید فی العمل من دون القول. (۲) وحدة
الامة. (۳) واطاعة اولی الامر منکم. (۴) والجهاد بالمال مع
الاعداء. (۵) والجهاد بالسيف وبالانفس. (۶) والهجرة الى
البلاد وهجر کل ما يشغلکم عن السعی. (۷) والاستقامة فی
السعی مع التوکل فی النتائج. (۸) ومکارم
الاخلاق. (۹) والعلم. (۱۰) والایمان بالآخرة لو كنتم
تعلمون. (تذکرہ عربی صفحہ ۵۷)

اسلام کی بنیاد اُن چیزوں پر نہیں جو تم کہتے ہو اور کلمہ شہادت، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، جن کو تم ارکان اسلام کہتے ہو وہ ارکان اسلام نہیں بلکہ محض اُمت محمدیہ کی علامت اور عبادت کا طریق خاص ہے جس کے ذریعہ تمہاری اُمت دوسری اُمتوں سے ممتاز ہوتی ہے لیکن اسلام کی بنیاد ان چیزوں پر ہرگز نہیں اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا ہے اور نہ یہ وہ چیز ہے جس پر کوئی آدمی پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ چیز جس سے قوموں کو فلاح حاصل ہو سکے اور نہ وہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل عالم کو وعظ و پند کیا ہے اور نہ وہ جس کی وصیت انبیاء کو کی گئی ہے۔ پس خدا کی قسم صحیح بات یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد دس اصولوں پر ہے

(۱) عمل (۱) میں توحید نہ کہ قول میں۔ (۲) اتحاد قومی۔ (۳) حکام کی اطاعت۔ (۴) دشمنوں (۲) کے ساتھ مال سے جہاد۔ (۵) تلوار اور جان کے ساتھ جہاد۔ (۶) شہروں (یعنی لندن و پیرس وغیرہ) کی طرف ہجرت اور ہر اس چیز کا چھوڑنا جو تمہیں اس مقصد میں کوشش سے باز رکھے۔ (۷) کوشش پر ثابت قدم رہنا اور نتیجہ میں توکل کرنا۔ (۸) عمدہ اخلاق۔ (۹) اور علم۔ (۱۰) آخرت پر ایمان۔ کاش تم سمجھو۔

مشرقی کے نزدیک توحید، نماز، روزہ وغیرہ کی حقیقت عبارت بست و ہفتم:

(عبارت مذکورہ کے چند سطر بعد ہے)

فما كلمة الشهادة الامظهر التوحيد في العمل والمصدق (۳)
ما في قلب الانسان وما الصوم الاجهاد بالانفس واحتساب عليها
وما الصلوة الا توحيد الامة واطاعة الامام وما الزكوة الا الجهاد
بالمال وما الحج الا اظهار وحدة الامة وكل هذه من اركان
الاسلام نصبت لتأسيس الجماعة ولتوحيدها وتقويتها نظرا الى
استقلالها في الارض واستخلافها وما هذه العشرة من اصول
الاسلام الارواح من امره تعالى (الى قوله) فما هذا الاركان

(۱) عملی توحید کے معنی خود مشرقی نے یہ بیان کئے ہیں کہ حصول سلطنت کے لئے متحدہ کوشش اور اس میں خواہشات نفسانی کا خلاف کرنا۔ (تذکرۃ اشارات ص ۹۶) وہ توحید جو قرآن وحدیث میں مطلوب ہے اس کو مشرقی لغوی چیز سمجھتا ہے۔ ۱۲

(۲) یعنی مسلمان کے ساتھ کیونکہ نصاریٰ تو انتہائی درجہ کے اولیاء و اتقیاء ہیں اور ہندو اصلی موجد و مؤمن ہیں ایسے لوگوں کی دشمنی تو ظاہر ہے کہ جائز نہیں اب صرف مسلمان ہی مشرقی کی نظر میں دشمن ہیں۔ ۱۲
(۳) عربی دانی کے لئے یہ عبارت بھی کافی ہے کہ مضاف پر الف لام داخل کیا ہوا ہے معمولی نحو پڑھنے والا طالب علم بھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔ ۱۲

الامناسک الامة وظواهر الايمان وما هي باصل الدين قط بل
فروع من امره۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۷)

پس کلمہ شہادت کوئی چیز نہیں بجز اس کے کہ وہ اتحاد عمل کا مظہر ہے اور انسان کے دلی راز کا مصداق، اور روزہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ نفس کے ساتھ جہاد اور اس پر محاسبہ ہے اور نماز کچھ نہیں سوائے اس کے (۱) کہ وہ قوم کو متحد کرنا اور امام کی اطاعت ہے اور زکوٰۃ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ جہاد بالمال ہے اور حج کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اتحاد قومی کا مظاہرہ ہے اور یہ تمام ارکان اسلام محض تنظیم جماعت اور اتحاد قومی اور تقویت قوم کے لئے صرف اس واسطے قائم کی گئی کہ یہ لوگ زمین پر مستقل اور بادشاہ بن کر رہیں اور یہ دس اصول اسلام (جو مشرقی کی ایجاد ہیں) اللہ تعالیٰ کے امر کی روح ہیں۔ (الی قولہ) پس یہ (پنج) ارکان اسلام محض امت کی علامات اور ظواہر ایمان ہیں وہ دین کی اصل ہرگز نہیں بلکہ امر کی جزئیات ہیں۔

عبارت بست و ہشتم:

الصلوة صرف ایک نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے۔ (الی قولہ) مگر عبادت قطعاً نہیں، خدا تعالیٰ کی عبادت درحقیقت ان پانچ وقتوں کے بعد سے شروع ہوتی ہے وہ اس وقت ہو رہی ہے، جب مصلواں سے اٹھ کر لوگ احکام خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، جب ہاتھ اور پاؤں سعی و عمل میں مصروف ہو جاتے ہیں الخ۔ (تذکرہ اردو دیباچہ ص ۹۱)

تنبیہ:

احکام خدا کی تعمیل اور سعی و عمل کی تفسیر مشرقی کے نزدیک عبارت چہارم و پنجم وغیرہ میں بصراحت مذکور ہے کہ دنیوی سلطنت و غلبہ کے لئے عملی کوشش کرنا۔

عبارت بست و نہم:

پس اصل دین میرے نزدیک توحید ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بُت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کو رسماً عادت یا تعظیماً ادا کر لینا، کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔ الخ

(دیباچہ تذکرہ اردو ص: ۸۹)

تنبیہ:

بُت شکنی کرتے رہنے کی تفسیر مشرقی صاحب نے اشارات صفحہ ۹۱ تا ۹۹ میں کی ہے کہ حصول سلطنت و تنعم دنیوی کے لئے اہواء و خواہشات نفسانی اور طبعی کمزوریوں کو دور کرنا۔ جو عبارت ششم میں مفصل گزر چکی ہے۔

(۴) توحید (جو اصل ایمان ہے) اُس کی تفسیر مشرقی کے نزدیک یہ ہے کہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے ایک مرکز پر جمع ہوں، قومی اتحاد پیدا کیا جائے جیسا کہ عبارت ششم میں بحوالہ اشارات اور پنجم میں بحوالہ تذکرہ گزر چکا ہے۔

احکام شرعیہ آنحضرت ﷺ کی سنن کا انکار و استہزاء

مساجد میں اعتکاف اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بیوقوفی ہے

عبارت سی و ۳۰

فیامن یزعمون انه ما العبادۃ الا اعتکافہم فی بیوتکم او مساجدکم منصرفین عن خلق اللہ راغبین عما خلق اللہ فی السموات والارض (الی قولہ) مکررین اسماء ہ بلہا و ہزلأ ما العبادۃ بما زعتم وما ہی بجمود فی زواياکم الذی یستدرجکم الی الذلۃ والمسکنۃ۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۷۶)

پس اے وہ لوگ جو گمان کرتے ہیں کہ تمہارا اعتکاف تمہارے گھروں اور مسجدوں

میں خلق سے علیحدہ ہو کر اور آسمان وزمین کی مخلوقات سے اعراض کر کے یہی عبادت ہے۔ (الی قولہ) اللہ تعالیٰ کے نام کا بار بار بے وقوفی سے تکرار کرتے ہیں، عبادت وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو، عبادت تمہارا گوشوں میں بیٹھنا نہیں جو دنیا میں تمہاری ذلت کا سبب ہے۔

عبارت سی ام ۳۱

مسلم کا منہ (۱) سے ایک ایک جپتے رہنا، کلمے اور لاجول پڑھ (۲) پڑھ کر جنت کے حق دار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس (۳) نیکیوں کے منتظر رہنا، پیروں (۴) کی پرستش، قبروں کی زیارت (۵)، پھونکا پھانگی (۶)، اور استنجاؤں کو دین سمجھنا (۷)، وغیرہ فی الحقیقت ایسی مضحکہ انگیز نا کارآمد اور بے دلیل باتیں تھیں کہ ہر (۸) سلیم الذہن کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ (دیباچہ اردو تذکرہ ص ۱۵)

عبارت سی و دوم ۳۲

مصلواؤں پر بیٹھ کر (۹) اللہ اللہ جپتے رہنا، کملیاں اوڑھ کر گوشوں میں اونگھنا اور تکلیف دہ احکام سے تجاہل عارفانہ کر کے اُن کو ٹالتے رہنا۔ ہاتھوں اور پیروں (۱۰) کے عمل

- (۱) یعنی لا الہ الا اللہ کا وظیفہ۔ ۱۲۔ (۲)..... احادیث کی تکذیب و استہزاء ۱۲۔ (۳) صحیح حدیث کا مضمون ہے کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اس کی صریح تکذیب و استہزاء ہے۔ ۱۲
- (۴) پیروں کی پرستش کو کوئی مسلمان عبادت نہیں کہتا یہ مشرقی کا جھوٹ ہے۔ ۱۲
- (۵) قبروں کی زیارت کا سنت ہونا حدیث سے ثابت ہے یہ اُس کا استہزاء ہے۔ ۱۲
- (۶) آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ کو پڑھ کر پھونکنا آنحضرت ﷺ کے عمل اور قول سے بکثرت احادیث میں ثابت ہے مشرقی اُس کا استہزاء کرتا ہے۔ ۱۲
- (۷) استنجا کو دین یا دین کا رکن تو کسی نے نہیں کہا یہ مشرقی کا جھوٹ ہے اور سنت ہونا اُس کا احادیث متواترہ سے ثابت ہے اُس کا استہزاء رسول اللہ ﷺ کا استہزاء ہے نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ
- (۸) اس کا حاصل یہ ہے کہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ اور تمام اُمت محمدیہ سلیم الزہن نہیں تھے جنہوں نے یہ سنت اختیار کی سلیم الزہن یہ فقط مشرقی ہے۔ ۱۲ منہ

(۹) قرآن مجید کی بے شمار آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اصل عبادت قرار دیا ہے اُن کا انکار۔

(۱۰) ہاتھوں پیروں کے عمل سے اگر بیلچہ اٹھانا مراد ہے تو بے شک اُمت اسلامیہ اس سے گریز کرتی ہے ورنہ تمام اعمال و عبادات ہاتھوں اور پیروں ہی کے اعمال ہیں جن پر الحمد للہ کہ امت اسلامیہ (برغم مشرقی) قائم ہے۔ ۱۲

سے گریز کرنا اور دل کے اندر ایک لاکھ بھوں کی انجمن لگائے رکھنا، میرے نزدیک (۱) قطعاً کوئی عبادت نہیں، کوئی توحید نہیں، عبادت کا دسواں حصہ بلکہ لاکھواں حصہ نہیں، بلکہ ریا کاری اور مکاری، شرک اور کفر ہے خدا تعالیٰ کو قطعاً ناپسند ہے۔ (تذکرہ دیباچہ اردو صفحہ ۹۰) اسی کے قریب مضمون عبارت دوم وسوم میں بھی گزر چکا ہے۔

ساری اُمت محمدیہ مشرک اور جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہے
تمام اُمت کے اولیاء و علماء کی توہین

تمام موجودہ مسلمانوں کو اور بالخصوص علماء کو مشرک
وگمراہ، مستحق جہنم کافرو دجال وغیرہ کہنا

مشرقی کی کل کتابیں اور بالخصوص رسالہ مولوی کا غلط مذہب اس سے لبریز ہے اس بے ہودہ بکواس کو نقل کر کے رسالہ کے صفحات بڑھانا فضول ہے محض نمونہ کے طور پر چند عبارتیں درج ہیں۔

عبارت سی وسوم ۳۱

فقد کبر علیکم الاتحاد ورضیتم بالشت^(۱) والافتراق. وشرعتم فی التباہن والشقاق (الی قولہ) فهل لکم من محیص ان اصبحتم من المشرکین فلذلک ظہر اللہ بعدابہ وفارالتنور (الی قولہ) وصرتم فی الدرك الاسفل من النار۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۵)

تم پر اتحاد و اتفاق بھاری ہے اور تم تشتت و افتراق پر راضی ہو اور تم نے اختلاف

(۱) تمہارے نزدیک کو مانیں یا اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک کو مانیں۔ ۱۲ منہ

(۲) افتراق سے مشرقی کی مراد وہی ہے جو اسی رسالہ میں گزر چکی ہے کہ ائمہ فقہاء کا اختلاف وغیرہ اور ظاہر ہے کہ اس وقت پوری امت محمدیہ انہیں ائمہ اربعہ کی مقلد و تبع ہے وہ سب مشرقی کے ان حکایات میں داخل ہے۔ ۱۲ منہ

وزاع شروع کر دیا، کیا تمہارے لئے اس سے کوئی نجات ہے کہ تم مشرک ہو گئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب ظاہر فرما دیا اور تنور جوش مارنے لگا۔ (الی قولہ) اور تم جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں داخل ہو گئے۔

عبارت سی و چہارم: ۳۴

اسلامی جماعت کے اندر ذرا سی تفریق پیدا کرنا بھی میرے نزدیک صحیح معنوں میں کفر ہے جو مدعی ہے کفر کا مرتکب ہے، فقہ کی تفریق، شریعت کی تفریق، مسئلہ و مسائل کی تفریق، طریقت اور سلسلوں کی تفریق، پیروں اور سجادوں، اولیاء اور خانہ نشینوں کی تفریق، مزار پرستی اور اولیاء پرستی کی تفریق سب کفر ہیں، سب انکارِ خدا ہے، سب عبادتِ طاغوت ہے سب ارباباً من دون اللہ کو پکڑنا ہے، سب شرک جلی ہے، شرک محض ہے، شرک اکبر ہے، وہ ظلمِ عظیم ہے جس کی بخشش کی حتماً کوئی آس نہیں، وہ بدی ہے جس کی پاداش جہنم ہے۔ (تذکرہ اردو دیباچہ صفحہ ۶۳)

عبارت سی و پنجم: ۳۵

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے آلہی اور نبوی تخیل پر (۳۰) تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی خلفائے راشدین کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس آلہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا، لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُس وقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چکا تھا۔ (تذکرہ دیباچہ اردو صفحہ ۸) اسی قسم کے مضامین عبارات مذکورہ شانزدہم و ہشدم و بست وسوم میں بھی گزر چکی ہیں۔

عبارت سی و ششم: ۳۶

(الف)..... مسلمانوں نے نہ معلوم کس بناء پر اولیاء اللہ کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشانِ موصحاب کو دیا ہے جو تمام عمر اپنے اعتکاف

خانوں میں بند رہ کر خلق خدا سے (۱) بیزار رہے، جنہوں نے اُمت کے متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی جنہوں نے خدا تعالیٰ کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا۔

(مقدمہ تذکرہ صفحہ ۵۸)

ایضاً سی و ہشتم (۳۶)

(ب)..... مولویوں، پیروں اور عام مسلمانوں کو میں کہوں گا کہ تمہارا اسلام کی غلط تصویر ایک مدت سے پیش کرنا تمہارا اپنا فعل نہیں یہ صدیوں کی بد اعمالی اور غفلت کا نتیجہ ہے۔ (الی قولہ) ایک مولوی یا ایک پیر یا ایک پیشوائے دین کا قصور نہیں سب اُمت اور پیشوایان اُمت کا مجموعی قصور ہے۔ (غلط مذہب ۶ ص ۱۳)

افتراء علی اللہ تعالیٰ

حق تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے ایک طویل عبارت لکھی ہے جس کے چند جملے یہ ہیں:

عبارت سی و ہفتم ۳۷

فالقول ليس بشئ عندی ولو اصطفينا القول لجعلنا لكل من يقول في الارض لبيوتهم سقفاً من فضة وابواباً من ذهب واباريق من زبرجد وما كنا فاعلين وانی انا الله العَمَّال الخلاق الذي يبدأ الخلق ثم يعيده وهو اهلون عليه . (الی قولہ) فانی انا الله ذو القوة العزيز العليم احب كل صاحب قوة وعزة واعلم من الناس الذين احسنوا صنعهم في الدنيا وداموا ماداموا خلائف فيها وخلائف مني مسخرين كل

(۱) علماء اور صوفیاء پر افتراء اور اُن کے ساتھ استہزاء ہے اور حقیقت جاننے والے جانتے ہیں کہ ان حضرات نے کسی زمانہ میں جہاد سے جان نہیں چرائی اور احاد و افراد نے ایسا کیا بھی تو نص قرآنی لولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیقفقھوا فی الدین کے موافق کیا۔ ۱۲

ماسخر اللہ لہم۔ الخ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۱)

پس قول میرے (۱) (یعنی اللہ تعالیٰ کے) نزدیک کچھ نہیں اور اگر ہم قول کو پسند کرتے تو تمام وہ لوگ جو ہمارا نام لینے اور دم بھرنے والے ہیں ہم اُن کے گھروں کی چھتیں چاندی اور دروازے سونے کے اور لوٹے زبرجد کے بنا دیتے، مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں اور میں اللہ ہوں عمل کرنے والا، پیدا کرنے والا جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر لوٹا دیتا ہے اور اعادہ اُس پر بہت آسان ہے (الی قولہ) پس میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں قوت والا، غالب، علیم، ہر صاحب قوت و عزت کو (اگرچہ کافر ہی ہو) پسند کرتا ہوں جنہوں نے دنیا میں نیک عمل کئے اور جب تک رہے بادشاہ بن کر رہے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کا مسخر بنایا ہے، اُس کو مسخر کر کے رہے۔

تحریف القرآن

تذکرہ اول سے آخر تک اس خاص طرز سے لبریز ہے کہ اپنا کوئی نظریہ پیش کیا اور اُس کے ساتھ قرآن کا کوئی جملہ جو ظاہراً اس نظریہ کے مناسب ہو لکھ دیا، اگرچہ شان نزول اور تفسیر صحیح کے اعتبار سے اُس کا اس نظریہ سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہ ہو، یہ بھی ایک قسم کی تحریف ہی ہے، لیکن اس جگہ بطور نمونہ صرف وہ چند عبارتیں لی جاتی ہیں جن میں صراحۃً کسی آیت کی تفسیر، تفسیر رسول و تشریح صحابہ و تابعین کے خلاف کی گئی ہے۔

عبارت سی و ہشتم ۳۸

آیت السابقون السابقون اولئک المقربون مندرجہ تذکرہ عربی صفحہ ۱۰ پر حاشیہ دے کر یہ تفسیر لکھی ہے۔

(۱) کوئی پوچھے کہ یہ قرآن کی کون سی آیت ہے یا جدید و جی ہے جو مشرقی پر نازل ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ

السابقون فی لغة القرآن الذین یسعون فی الارض سعياً بلیغاً
لیسبقوا انعامات ربهم وهذا ما عنی اللہ تعالیٰ بقوله ومنهم
سابق بالخیرات۔ (تذکرہ صفحہ ۱۰)

قرآن میں سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زمین (۱) (دولت دنیا کے حصول کے
لئے) مسابقت کرتے ہیں تاکہ وہ ترقی کریں اور اپنے رب کی نعمتوں (متاع
دنیا) کو آگے بڑھ کر لے لیں یہی وہ معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منہم سابق
بالخیرات سے مراد لئے ہیں۔

عبارت سی و نہم: ۳۰

لکل أمة جعلنا منسكاً هم ناسكوه فلا ینازعك فی الامر کی
تفسیر جو عبارت بست و پنجم میں مذکور ہے۔
عبارت چہلم: ۴۰

ولذلك ما قصد اللہ تعالیٰ من قوله اهدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیهم الافلاح القوم ونعمة الغلبة فی
الدنیا ولذلك عنی بالمغضوبین علیهم والضالین الذین هلکوا
من فقدان حکمهم فی الدنیا (الی قولہ) والصراط هو الذی
یغلبکم فی الدنیا۔ (حاشیہ تذکرہ عربی صفحہ ۶۷ تا ۶۸)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول اهدنا الصراط المستقیم الخ میں صراط سے
مراد اس کے سوا کچھ نہیں لیا کہ دنیا میں نعمت غلبہ اور قومی فلاح و ترقی حاصل ہو اور
اسی لئے مغضوب علیہم اور ضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں سلطنت نہ ہونے

(۱) مراد قرآن کی صریح تخریف اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے صحیح تفسیر یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں مسابقت کرنے والے
مراد ہیں۔ ۱۲

کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (پھر کہا ہے) صراط (اللہ تعالیٰ کا راستہ) وہ ہے جو تمہیں
دنیا (۱) میں غالب کرے۔

اللہ تعالیٰ کفار سے خوش ہے مسلمان سے خوش نہیں

”ان کو قرآنی شہادت دے کر بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا لازمی اور منطقی نتیجہ
بادشاہت زمین ہے بلکہ جو قوم بھی خدا تعالیٰ کی زمین کی وارث ہے یا وارث بننے کی کوشش
کر رہی ہے وہ ”ان الارض یرثها عبادى الصالحون“ کے خدائی قول کے مطابق صحیح
معنوں میں عابد اور ملازم خدا ہے وہ ہی صالح ہے اور خدا بھی اس سے خوش ہے۔“
(اشارات ص ۹۴)

نہایت ٹھنڈے دل سے اور ہوش مند بن کر غور کرنا چاہئے کہ اس پروردگار
رَبِّ الْعَالَمِينَ کی اصلی دوستی آج ہنری سمتھ اور رام داس کی جماعتوں سے ہے،
راز و نیاز کی چمکیں اگر ہیں (۲) تو انہیں سے ہیں، رحمت کی موسلا دھار بارشیں ہیں
تو انہی پر ہیں، مہربانی کا بادل انہی پر چھا رہا ہے۔ (اشارات ص ۹۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت بھی اسی سنت آلہیہ کے مطابق واقع ہوئی تھی جس
کی بابت قرآن نے کہا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔ (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۷)
مسجدوں کو آگ لگا دی جائے

آج عالم اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبہ میں محلوں اور کوچوں کی اکثر
مسجیدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔ (تذکرہ اردو صفحہ ۱۵۶)

(۱) یہ بھی قرآن کی صریح تخریف ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) اگر یہی رحمت کی بارش اور راز و نیاز اور دوستی ہے جو مشرقی سمجھا ہے تو صرف اس زمانہ کے مسلمان نہیں بلکہ
اکثر انبیاء علیہم السلام تک اس سے محروم ہیں اور فرعون و ہامان اور عاد و ثمود اس سے مالا مال۔ نعوذ باللہ۔ ۱۳ منہ

اُردو دیباچہ صفحہ ۹۳ تا ۹۷ و ۹۸ تا ۱۰۰، و تذکرہ عربی صفحہ ۱۴۳ وغیرہ)

(۴)..... جو شخص دنیا میں حصولِ قوت و سلطنت کے لئے جہاد نہیں کرتا نہ اُس کا ایمان

و اسلام کچھ ہے اور نہ نماز روزہ وغیرہ مقبول ہے۔ (تذکرہ صفحات مذکورہ ۳)

(۵)..... ایمان، اسلام، توحید، عبادت سب کے سب صرف ایک خاص عمل کا نام

ہے یعنی دنیا میں قوت و غلبہ اور سلطنت حاصل کرنا۔

(۶)..... آخرت میں جنت کا مستحق وہی ہے جس نے دنیا میں سلطنت و قوت حاصل

کی جس کو یہاں نعمت حاصل نہیں وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔ (تذکرہ

عربی صفحہ ۵۲ و ۵۳)

(۷)..... اسلام مدارِ نجات نہیں ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر رہ کر جنت آخرت کا

مستحق ہو سکتا ہے۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۵ و ۵۸)

پھر انہیں خیالات و اصول مذکورہ کے نتیجہ کے طور پر امور ذیل بھی نہایت

وضاحت و صراحت سے تذکرہ وغیرہ میں بار بار دہرائے گئے ہیں۔

(۸)..... انگریز نصاریٰ اور دوسری یورپین اقوام اعلیٰ درجہ کے مؤمن، متقی، صالح، ابرار،

اولیاء، آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔

(تذکرہ عربی صفحہ ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱)

اسی طرح بت پرست مشرکین میں کروڑوں دیوتاؤں کو پوجنے کے باوجود سچے موحد

اور مؤمن ہیں۔ (اشارات صفحہ ۹۹)

(۹)..... موجودہ تمام مسلمان چونکہ عسکریت اور اجتماعی طاقت فراہم نہیں کرتے اس لئے

سب مشرک و جہنمی ہیں۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۱۵، ایضاً دیباچہ اُردو صفحہ ۶۲ و ۶۳ وغیرہ)

(۱۰)..... تمام حنفی، شافعی، مقلد، غیر مقلد سب جہنمی ہیں۔ (دیباچہ تذکرہ اُردو صفحہ ۶۰)

(۱۱)..... اُمت محمدیہ صحیح اسلام پر صرف تیس سال تک باقی رہی اس کے بعد اسلام اور قرآن

ایسی سب مساجد کو بالاتفاق آتشیں اصطباغ دے کر (یعنی جلا کر) اُمت کو نفاق کی

شیطانی آلائش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کر دیا جائے۔ (تذکرہ اُردو صفحہ ۱۵۷)

بُت پرستی کا اعتقاد بُت پرستی نہیں

”اس کشت زار سعی و عمل کے اندر نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے نہ

قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں۔“ (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۸)

حدیث و تفسیر کا انکار

”لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو

مطلب سمجھیں نکال لیں تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں، مگر ان

کے صحیح اور واحد معنی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل

شرح اُنہی اوراق کے اندر ہے قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی اور ایک جز دوسرے جزو

کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے نہ حکمت کی نہ لغت کی

(۱) اور نہ حدیث کی۔“ (تذکرہ اُردو صفحہ ۹۲)

خلاصہ عقائدِ مشرقی

(۱)..... عقائدِ سرے سے کوئی چیز نہیں ہر شخص جو چاہے عقائد رکھے اُس کے اسلام

و ایمان پر اس کا کچھ اثر نہیں۔ (تذکرہ اُردو صفحہ ۸۶ و ۸۷ اور تذکرہ عربی صفحہ ۵۳)

(۲)..... کلمہ شہادت اور تمام اقوال و اقرار دین میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے (تذکرہ

عربی صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۵۴ و حاشیہ صفحہ ۶۷)

(۳)..... ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ بھی عباداتِ مقصودہ نہیں بلکہ ان سے

مقصود صرف ان کی روح ہے جو دنیوی بادشاہت اور غلبہ و قوت ہے۔ (تذکرہ

(۱) کوئی پوچھے کہ بغیر لغت سمجھے ہوئے قرآن کو سمجھنا کیسے ممکن ہے۔ ۱۲

کا ایک بڑا حصہ قطعاً اُن کے ذہن سے نکل گیا۔ (تذکرہ دیباچہ اردو صفحہ ۱۹)

اور اپنے رسالہ مولوی کا غلط مذہب میں کہیں کہا ہے کہ سو برس کے مولوی کا بتلایا ہوا اسلام غلط ہے۔ کہیں دو سو برس اور کہیں تین سو برس کے تمام علماء کے بتلائے ہوئے اسلام اور قرآن کو غلط کہتے ہیں۔ (غلط مذہب نمبر ۱ ص ۵، ص ۲ و نمبر ۵ ص ۱۱)

(۲۱)..... افتری علی اللہ۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۱) اور تحریف قرآن (تذکرہ عربی صفحہ ۱۰ و حاشیہ صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۶۶ وغیرہ) اور آنحضرت ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہونے والی سنتوں کا استہزاء و تمسخر اور استخفاف (تذکرہ عربی صفحہ ۷۶۔ دیباچہ تذکرہ اردو صفحہ ۱۵ و صفحہ ۹۹ وغیرہ) اور یہ سب چیزیں عام طور سے اُن کی تصانیف میں بکثرت موجود ہیں۔

عقائد مذکورہ کے متعلق

شرعی احکام

عقائد مذکورہ کا خلاف اسلام، خلاف قرآن و حدیث، خلاف عقائد اہل اسلام ہونا اس قدر بدیہی اور ظاہر ہے کہ علماء اور خواندہ مسلمانوں سے گذر کر عوام اور بالکل ناخواندہ مسلمان تک اُس سے واقف ہیں، اس لئے ضرورت نہیں کہ اُن کے مقابلہ میں قرآن و حدیث سے تردید نقل کی جائے، لیکن اتمام حجت کے لئے دلائل کی طرف اجمالی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوا، جو عقائد مذکورہ پر نمبر وار عرض کیا جاتا ہے اور اُس سے پہلے چند ضروری اصولی مباحث لکھے جاتے ہیں جو نہ صرف مشرقی فتنہ کے متعلق کارآمد اور ضروری ہیں بلکہ اس دور الحاد و دہریت میں اُن سے واقف ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ہر ملحدانہ فتنہ کے مقابلہ میں مسلمان کا کامیاب ہتھیار اور اُس کے ایمان کے محافظ ہیں۔

چند اصولی مباحث

کفر و اسلام کی حقیقت، مسلمان کون ہے اور کافر کون؟

جس طرح آسمان اور زمین کا فرق ایک بدیہی امر ہے کفر و اسلام کا فرق بھی اُس شخص کے لئے جو کسی مذہبی گھرانہ میں پلا ہو، بداہت و ظہور میں کسی طرح اُس سے کم نہیں اور اس لئے یہ بحث کہ کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے، درحقیقت ایسی بحث ہے جیسے کوئی آسمان و زمین کے باہمی فرق یا شمس و قمر کے فرق پر بحث کرے، لیکن افسوس کہ آج کل مذہب و ملت سے بیگانگی اور ناواقفیت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ آج وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ بن گیا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور کفر کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ ناواقفیت سے کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنے کی شدید غلطی میں نہ پڑ جائیں یا خدا نخواستہ کفر کو اسلام سمجھ کر قبول نہ کر لیں۔

بالخصوص اس وجہ سے کہ کفر کے بعض اقسام ایسے بھی ہیں جو صورت میں اسلام سے ملتے جلتے ہیں اور یہی سب سے زیادہ خطرناک کفر ہے، مسلمانوں کو ہر زمانہ میں جتنا نقصان اس قسم کے کفر اور کفار سے پہنچا ہے کھلے ہوئے کفار سے ہرگز نہیں پہنچا۔

اس لئے اس بحث کا اصل مقصد اسی نوع کفر کو واضح کرنا ہے اور یہ ایک ایسا اصولی مسئلہ ہے کہ اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو دورِ حاضر کے کل ملحدانہ فتنے قادیانی چکڑالوی، مشرقی وغیرہ خود اپنی موت مر جاتے ہیں۔

اسلام کیا چیز ہے اور مسلمان کون ہے

اس لئے سب سے پہلے اصولی طور پر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ قرآن اور شریعت اسلام کی اصطلاح میں اسلام و ایمان کس چیز کا نام ہے اور کفر کس کا، مسلمان کس کو کہتے ہیں اور کافر کس کو؟

یہ حقیقت اس قدر ظاہر اور بدیہی ہے کہ ہر مسلم و غیر مسلم اس سے واقف ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے ارکان یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانے اور اُس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔

رسول پر ایمان لانے کے معنی

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول پر ایمان لانے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ اُن کے وجود کا اقرار کرے کہ فلاں سن میں فلاں جگہ پیدا ہوئے، ایسا حلیہ تھا، فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے فرمائے ہوئے ہر حکم کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے، اُس پر کوئی اعتراض و انکار اُس کے قلب و زبان پر نہ ہو۔ قرآن مجید نے خود اس معنی کو آیت ذیل کے صریح لفظوں میں واضح کر دیا ہے:

فلا وربک لا يؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلّموا تسلیمًا۔

تم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک وہ آپ کو اپنی تمام نزاعات و اختلافات میں حکم نہ بنادیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اُس سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اُس کو پوری طرح تسلیم کریں۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر امام جعفر صادق اور دوسرے علماء سلف سے یہ نقل فرمائی ہے:

روی عن الصادق قال لوان قومًا عبدوا اللہ تعالیٰ و اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و صاموا رمضان و حجوا البیت ثم قالوا الشئی صنعہ رسول اللہ الا صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسہم حرجا لکانوا من المشرکین۔

حضرت جعفر صادق ؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے

اور بیت اللہ کا حج کرے مگر کسی ایسے کام کے متعلق جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے یوں کہے کہ آپ نے اس کے خلاف کیوں نہ کیا یا وہ آپ کے عمل اور حکم سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس کرے تو بلاشبہ وہ (ان سب اعمال و عبادات کے باوجود) مشرکین کفار میں داخل ہو جائے گی۔

قرآن مجید کی آیات اس مضمون پر سینکڑوں کی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہے مگر ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے۔

ان آیات سے بوضاحت معلوم ہو گیا کہ اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ہر حکم کی دل سے تصدیق کرے، اُس پر کوئی اعتراض نہ کرے اور اسی سے یہ بھی متعین ہو گیا کہ مسلمان وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کے ہر حکم کی دل سے تصدیق کرنے والا ہو۔

اسی کا خلاصہ درمختار میں ان الفاظ سے مذکور ہے:

الایمان وهو تصدیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع ما جاء به عن اللہ تعالیٰ مما علم مجیئہ به ضرورۃ۔ (باب المرتد)

ایمان یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام کی دل سے تصدیق کرے، بشرطیکہ آپ سے اُن کا ثبوت قطعی و ضروری طریق پر ہو۔

کفر کیا چیز ہے اور کافر کون ہے؟

جب اسلام و ایمان کے معنی معلوم ہو گئے تو کفر کے معنی بھی اُسی سے متعین ہو گئے کیونکہ جس چیز کے ماننے کا نام اسلام و ایمان ہے، اُسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر ہے جیسا کہ عقائد اسلامیہ کی مشہور کتاب شرح مواقف میں اس کی تصریح بھی ہے، معلوم ہوا کہ قرآن اور اسلام کی نظر میں کافر وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ یا آنحضرت ﷺ کے کسی حکم کا (بشرطیکہ اُس کا حکم خدا یا حکم رسول ہونا قطعی طور پر ثابت

یہی مضمون درمختار میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

الكفر لغة الستر وشرعاً تكذيبه صلى الله عليه وسلم في شئ مما جاء به من الدين ضرورة۔

کفر لغت میں تو چھپانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں آنحضرت ﷺ کی تکذیب ایسے احکام میں جن کا ثبوت آپ سے بطریق ضرورت و قطعیت ہو چکا ہے۔

انکارِ خدا یا انکارِ رسول کی تین صورتیں

خدا تعالیٰ یا اُس کے رسول کو نہ ماننے کے یہ معنی قرآن کی تصریح سے معلوم ہو چکے کہ جو حکم اللہ تعالیٰ یا اُس کے رسول ﷺ سے ثابت ہو جائے اُس کا انکار کرنا یا اُس پر اعتراض کرنا درحقیقت خدا کے خدا ہونے اور رسول کے رسول ہونے کا انکار ہے اور اسی وجہ سے کفر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو نہ ماننے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں کفر ہیں:

اول:..... یہ کہ کھلے طور پر خدا کو خدا یا رسول کو رسول نہ مانے۔

دوم:..... یہ کہ خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت کا اقرار کرے لیکن اُن کے فرمائے ہوئے احکام میں سے کسی حکم کو صحیح نہ مانے یا اُس پر اعتراض کرے۔

سوم:..... یہ بھی نہ ماننے ہی کی ایک صورت ہے کہ خدائی اور رسالت کا بھی اقرار کرے اور زبان سے یہ بھی کہے کہ اللہ اور رسول کے تمام احکام کو مانتا ہوں لیکن احکام کے معنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے بتلائے ہوئے اور آپ کے بلا واسطہ شاگردوں (حضرات صحابہ) کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف قرار دے کر آپ کے احکام کو ٹال دے۔

وجہ ظاہر ہے کہ بغاوت احکامِ شاہی کو نہ ماننے کا نام ہے، اس میں جس طرح

یہ بغاوت ہے کہ صاف طور پر یہ کہہ دے کہ میں بادشاہ کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتا، اسی طرح یہ بھی بغاوت ہے کہ اُس کے حکم سے انکار کرے کہ یہ حکم شاہی نہیں۔

نیز یہ بھی بغاوت ہی کی ایک صورت ہے کہ بظاہر قانون کو تسلیم کرے، لیکن قانون ساز جماعت کی تصریحات اور ہائی کورٹ کے تسلیم کئے ہوئے معانی کے خلاف قانون کے نئے معنی تراش کر قانون کو رد کرنا چاہے۔

پہلی صورت کا انکارِ خدا و رسول اور کفر ہونا قرآن مجید کی بے شمار آیات و تصریحات سے ثابت ہے اور تقریباً ہر مسلم و غیر مسلم کے نزدیک بدیہی اور مسلم ہے اس لئے حاجت استدلال کی نہیں۔

اور دوسری صورت کا انکارِ خدا یا رسالت اور کفر ہونا آیت مذکورہ فلا وربک لا يؤمنون الخ سے بوضاحت ثابت ہو چکا ہے، شیطان ابلیس جو سب سے پہلا اور سب سے بڑا کافر ہے اُس کا کفر بھی اسی دوسری قسم کے انکار کی بناء پر ہے ورنہ وہ حق تعالیٰ کے معبود اور قادر مطلق ہونے کا منکر نہ تھا، بلکہ صرف ایک حکمِ سجدہ کے انکار کی وجہ سے کافر مردود قرار دیا گیا۔

تیسری صورت کا انکارِ رسالت اور کفر ہونا قرآن مجید کی آیات ذیل میں مذکور ہے اور قرآنی اصطلاح میں اس تیسری قسم کے انکار کو کفر کا نام الحاد اور ایسے کافر کا نام ملحد ہے حدیث شریف میں اسی کو زندقہ اور زندیق کہا گیا ہے۔ (یہ حدیث آئندہ ذکر کی جائے گی)

قرآن مجید میں ہے:

الذين يلحدون في آياتنا لا يخفون علينا افمن يلقى في النار خيرا من ياتي ائنا يوم القيامة اعملوا ما شئتم انه بما تعملون

جو لوگ ہماری آیتوں میں بے جا تاویلیں کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے پس کیا وہ شخص جو آگ میں ڈالا جائے بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف ہو کر آئے، جو تم چاہو عمل کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھنے والا ہے (یعنی یہ لوگ اگرچہ تاویل باطل کے ذریعہ اپنے کفر کو چھپاتے ہیں مگر ہم سے چھپ نہیں سکتے)۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هوان يضع الكلام على غير موضعه. اخرجہ ابن ابی حاتم كذا في الاتقان۔ (صفحہ ۸۱ ج ۲ طبع مصر)

الحادیہ ہے کہ کلام آلہی کو بے محل استعمال کرے (یعنی معنی مراد کے خلاف کوئی نئے معنی بنادے)

اور تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۲ و ۱۳ جلد ۳ میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ينحرفون في تاويل آيات القرآن عن جهة الصحة والاستقامة ويحملونها على المحامل الباطلة وهو مراد ابن عباس ؓ بقوله يضعون الكلام في غير موضعه (ثم قال في تفسير قوله تعالى 'افمن يلقى في النار الآية) تنبيه على كيفية الجزاء (ثم قال في تفسير قوله اعملوا ما شئتم تهديد شديد للكفرة الملحدين الذين يلقون في النار)

وہ لوگ آیات قرآنیہ کی تفسیر میں صحیح و درست معانی سے انحراف کرتے ہیں اور باطل محمل پر اتارتے ہیں اور یہی مراد ہے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے اس قول سے کہ کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں اس کے بعد آیت افمن

يلقى في النار کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں الحاد کی سزا بتلائی گئی ہے۔ پھر آیت (اعملوا ما شئتم) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار ملحدین جو جہنم میں ڈالے جائیں گے یہ آیت اُن کے لئے وعید شدید ہے۔

مجمع البحار صفحہ ۶۹۶ میں الحاد و زندقہ کے معنی حضرت علی ؓ کی ایک حدیث کے تحت میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اتى على بن نادقة هي جمع زنديق (الى قوله) ثم استعمل في كل ملحد في الدين والمراد ههنا قوم ارتدوا عن الاسلام.

زنداقہ زندیق کی جمع ہے اور لفظ زندیق ہر اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو احکام دین میں باطل تاویلیں نکالے اور اس حدیث میں زنداقہ سے وہ قوم مراد ہے جو (حرمت شراب میں تاویل باطل کر کے) اسلام سے مرتد ہو گئی تھی۔

محدث الہند امام حدیث و تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ مسوئی شرح موطاء صفحہ ۱۰۹ ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

وان اعترف به ظاهراً لكنه يفسر ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف مافسره الصحابة والتابعون واجمع الامة عليه فهو الزنديق.

اور اگر بظاہر قرآن کا اقرار کرتا ہے لیکن جو حکم دین اسلام میں قطعی اور ضروری طور پر ثابت ہے اس کی تفسیر حضرات صحابہ و تابعین اور اجماع اُمت کے مخالف و معارض کرتا ہے تو وہ زندیق ہے۔

الغرض کفر و ارتداد صرف اسی صورت کا نام نہیں کہ کوئی شخص صاف طور پر خدا تعالیٰ کے وجود یا توحید کا انکار کرے یا رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کا منکر ہو جائے یا کھلے طور پر مذہب اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب یہودیت یا نصرانیت وغیرہ اختیار کر لے بلکہ جس طرح یہ صورت کفر ہے اسی طرح یہ بھی کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اُس کے رسول کے اُن احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کرے جو قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں، جن

کو اصطلاح عقائد میں ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر و ارتداد ہے کہ آیاتِ قرآنیہ اور احکامِ اسلامیہ کے اُن اجماعی معنی کے خلاف کوئی نئے معنی تجویز کرے جو آنحضرت ﷺ کے بتلائے ہوئے یا صحابہ و تابعین کے متفقہ طور پر سمجھے ہوئے ہیں۔

تیسری صورتِ کفر ضروریاتِ دین میں تاویلِ باطل کی مزید توضیح

و تصریحاتِ سلف

کفر کی تیسری قسم چونکہ صورتِ اسلام کے ساتھ ملتبس ہے اور اسی قسم میں عموماً لوگوں کو مغالطہ لگتا ہے اس لئے اس کی قدرے اور توضیح کی جاتی ہے۔

خلاصہ اس قسم کا یہ ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں اُن کا صریح انکار کرنا، تو انکارِ رسالت کا مرادف ہے ہی، اسی طرح اُن میں تاویلِ باطل کرنا بھی حکمِ انکار اور کفر و ارتداد ہے، اس مضمون کو پوری طرح سمجھنے کے لئے دو باتیں معلوم کر لینا ضروری ہیں۔ اول یہ کہ ضروریاتِ دین کون سے احکام ہیں۔ دوسرے تاویلِ باطل سے کیا مراد ہے۔

ضروریاتِ دین کے معنی یہ ہیں کہ وہ احکام جن کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر ہو چکا ہو، خواہ عملاً فرض و واجب ہوں یا مسنون و مستحب اور وہ اسلام میں اس قدر مشہور ہوں کہ علماء و عوام سب اُن سے واقف ہوں۔ مثلاً نماز کا فرض ہونا، اذان کا شعارِ اسلام ہونا، ظہر کی چار اور مغرب کی تین رکعتیں ہونا، مسواک کا سنت ہونا، ختنہ کا شعارِ اسلام ہونا وغیرہ، الغرض ضروری کے معنی اس جگہ اُردو اصطلاح کا ضروری نہیں یعنی فرض واجب بلکہ عربی اصطلاح کا کلمہ مراد ہے۔

تاویلِ باطل

سے وہ تاویل مراد ہے جو جمہورِ امت کے سمجھے ہوئے اور بتلائے ہوئے معانی

کے مخالف ہو جس کی وجہ سے جمہورِ امت کا گمراہ ہونا اور حقائقِ شرعیہ کو غلط سمجھنا لازم آئے مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں صلوٰۃ کو فرض مانتا ہوں، مگر صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعا کرنے کے ہیں وہی فرض ہے یہ رکوع و سجود اور مخصوص حرکتیں مراد نہیں، یا یہ کہے کہ اذان کے معنی اعلان کے ہیں، اعلان گھنٹہ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے، لہذا اذان سے مراد گھنٹہ بجانا ہے یا ظہر کی چار رکعتیں ضروری نہیں کم و بیش بھی ہو سکتی ہیں۔ و امثال ذالک۔

جو احکام ضروریاتِ دین میں داخل نہیں اُن میں اگر ایسی باطل تاویلیں کی جائیں تو موجب فسق ہیں کفر نہیں۔ لیکن ضروریاتِ دین میں اس قسم کی تاویل کرنا باجماعِ امت کفر ہے۔

ضروریاتِ دین میں تاویلِ باطل کیوں کفر ہے

وجہ یہ ہے کہ احکامِ قطعیہ مشہورہ جن کو تمام اہلِ اسلام، علماء و عوام اور خواندہ و ناخواندہ اسلامی احکام جانتے ہیں اور اُن کی یہ شہرت آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے متواتر چلی آئی ہے تو اُن میں تمام امت کے سمجھے ہوئے معانی و مطالب کا انکار، پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو گمراہ قرار دینا ہے جو صراحۃً نصوصِ قرآن و حدیث کے خلاف ہے، علاوہ ازیں ایسی تاویل کا حاصل یہ ہے کہ اسلام اور اُس کی شریعت و کتاب یا تو ایک ایسا لاینحل معنی ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے اربوں پدموں مسلمان اُس کے حاصل کرنے اور سمجھنے سے عاجز رہے اور یا کوئی ایسی چیز ہے جس کی کوئی اساس و بنیاد نہیں، جس نے چاہا جس طرح چاہا جس طرف چاہا پھیر دیا، جو چاہا معنی گھڑ دیئے، وہی دینِ اسلام بن گیا۔

اور ظاہر ہے ایسی تاویل کرنا درحقیقت اسلام اور اُس کے اصول کو منہدم کرنا ہے اسی وجہ سے علماءِ امت نے باتفاق اس کو اقسامِ کفر میں سے بدترین کفر قرار دیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں فرقہ باطنیہ ایسی ہی تاویلوں کی وجہ سے باجماع امت کافر و مرتد قرار دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں حسن بن صباح اور اس کے بنائے ہوئے فرقہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ مشرقی کا نظریہ اور اس کے تمام اصول کار در حقیقت اسی فرقہ کی نقل اور اس آواز کی صداۓ بازگشت ہے، جس نے اب سے آٹھ سو برس پہلے بھی عالم اسلام کو ایک عظیم الشان فتنہ میں مبتلا کیا تھا، یہ فرقہ مختلف وجوہ و اسباب کی بناء پر فرقہ باطنیہ، قرامطہ، اسماعیلہ، وغیرہ ناموں کے ساتھ موسوم ہے، اسی فرقہ سے پھر دروزی، خضر وائی، سیدائی فرقے پیدا ہوئے، جن کا خیال ٹھیک وہی تھا جو آج مشرقی کہتا ہے کہ:

(۱).....توحید کی اصل ماہیت و حقیقت صرف ہم پر منکشف ہوئی ہے باقی تمام امت اس سے محروم ہے اسی لئے وہ اپنے آپ کو موحدین کہتے ہیں۔

(۲).....مشرقی کی طرح اُن کا بھی یہی خیال تھا کہ اُن کے سوا قرآن کو کسی نے نہیں سمجھا، صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنے اس دعوے کو کھل کر ان لفظوں میں پیش کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) حضرت محمد ﷺ نے بھی قرآن کا اصلی مفہوم نہیں سمجھا بلکہ صرف ظاہری اور لغوی معنی سمجھے تھے اُس کے حقیقی اور باطنی معانی صرف ہم نے سمجھے ہیں۔

مشرقی بھی یہ تو کھلے طور پر کہتا ہے کہ عہد نبوت کے تیس سال بعد سے آج تک قرآن کو سوائے مشرقی کے اور کسی نے نہیں سمجھا، جیسا کہ بحوالہ تذکرہ گزشتہ عبارات میں نقل کیا گیا ہے مگر اس کو اتنی جرأت ابھی تک نہیں ہوئی کہ صاف طور پر کہہ دے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی (معاذ اللہ) قرآن کو نہیں سمجھا اگرچہ تذکرہ میں بیان کی ہوئی تفسیر آیات کا لازمی نتیجہ یہی ہے، کیونکہ اس میں بہت سی آیات کے معانی وہ بیان کئے گئے ہیں جو صراحۃً آنحضرت ﷺ کی تفسیر و تعلیم کے بالکل مخالف ہیں۔

(۳).....اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہم ہی ایک جماعت ہیں جس کو پیغمبر اسلام کے بعد ایمان کے لئے خدا تعالیٰ نے مخصوص کیا ہے۔

(۴).....حسن بن صباح نے اپنے مذہب کے نو اصول بنائے تھے جن کو وہ اسلام و ایمان اور قرآن کی روح کہتا تھا، مشرقی نے ایک قدم اور بڑھ کر دس اصول بنائے ہیں جن کے متعلق وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہی ایمان و اسلام کی روح ہے۔

(۵).....حسن بن صباح کے نو اصول میں ایک یہ بھی تھا کہ شریعت ہمیشہ فلسفہ کے تابع ہوتی ہے یہی بعینہ مشرقی کا نظریہ ہے۔

(۶).....اس کے نو اصول میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی پر یقین نہ کرو، جرأت سے کام لو۔

(۷).....حسن بن صباح نے بھی اپنے تقدس اور قرآن دانی کا فریب سیدھے مسلمانوں پر جما کر ایک عملی جماعت قائم کی تھی جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہشات کو بزور منواتا تھا، اس جماعت کے تین حصے کئے گئے تھے، داعی پوشیدہ تبلیغ کر کے اپنا ہم خیال پیدا کرنے والے، رفیق مجتہد مذہب جو مناسب موقع پر مسائل گھڑ لیا کرتے تھے، فدائی جو مخالفین کو قتل کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔

ان فدائیوں کے حالات پڑھئے تو حیرت ہو جاتی ہے کہ اپنے امیر کے ایک اشارہ پر منار کے اوپر سے گر کر جان دے دیتے ہیں، خود اپنے کو ذبح کر لیتے ہیں جس کے قتل کا حکم ملتا ہے ہزار حیلہ و تدبیر سے اُس کو قتل کر ڈالتے ہیں۔

یہ تمام واقعات کتب تاریخ میں مبسوط موجود ہیں اور جناب عبدالحکیم صاحب شرر کے رسالہ حسن بن صباح میں اور الکاویہ علی الغاویہ مصنفہ مولانا محمد عالم صاحب آسی امرتسری میں بھی بزبان اُردو مفصل موجود ہیں یہ خلاصہ اُسی سے لیا گیا ہے۔

اس فرقہ نے اسی قسم کی تاویلات باطلہ کے ذریعہ عقائد اسلام اور شرائع اسلام

کو ختم کر دینے کی بنیاد ڈالی تھی کہ ہر حکم شرعی کی ایک باطنی روح نکالی اور اسی کو اصل قرار دے کر اصل حکم کو ختم کر دیا۔

انہیں تاویلاتِ باطلہ کی بناء پر اُس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے آٹھ سو برس سے ہر طبقہ کے علماء اُمت نے باتفاق ان کو کافر و مرتد قرار دیا اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے علماء اُمت کا یہ اتفاق کتاب الممل والنخل شہرستانی اور ملل و نخل ابن حزم اور ایثار الحق علی الخلق للوزیر الیمانی، شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد وغیرہ عام کتب عقائد میں بصراحت و وضاحت منقول ہے۔

علماء سلف کی تصریحات

ضروریاتِ دین میں تاویل باطل کا کفر ہونا

امام حدیث و تفسیر ابن تیمیہ اپنی کتاب الصارم المسلول صفحہ ۳۷ میں فرماتے ہیں۔
كما ان الردة تتجرد عن السب فكذلك تتجرد عن قصد
تبدیل الدین و ارادة التکذیب بالرسالة كما تجرد كفر ابليس
عن قصد التکذیب بالرؤية.

جیسا کہ بغیر خدا و رسول پر سب و شتم کے بھی کفر و ارتداد ہو سکتا ہے اسی طرح تبدیل مذہب اور بالقصد خدا و رسول کی تکذیب کے بغیر بھی ارتداد عائد ہو سکتا ہے جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر ربوبیت کی تکذیب کے بغیر واقع ہوا۔

امام موصوف کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ خدا و رسول کے انکار اور تکذیب کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ اُن کے وجود سے انکار کر دے یا اُن کی تکذیب کا قصد کرے بلکہ یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت ہے کہ اُن کا کوئی ثابت شدہ حکم ماننے سے انکار کر دے۔

امام نسفی نے اپنے رسالہ عقائد میں قرآن و حدیث میں اسی قسم کی تاویل

کرنے کے بارے میں لکھا ہے:

النصوص علی ظواہرها والعدول عنها الی معان يدعيها اهل
الباطن الحاد۔

نصوص (قرآن و حدیث) اپنے ظاہری معنی پر ہیں اُن ظاہری معنی سے عدول کر کے وہ باطنی معنی تجویز کرنا جن کا دعویٰ فرقہ باطنیہ کرتا ہے الحاد ہے۔

اور علامہ تفتازانی شرح عقائد میں اسی جملہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سميت الملاحدة باطنية لادعائهم ان النصوص ليست علی
ظاہرها بل لها معان باطنية لا يعرفها الا المعلم وقصدهم
بذلك نفی الشريعة بالكلية.

ملاحدہ کو باطنیہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ نصوص قرآن و حدیث اپنے ظاہری معنوں میں مراد نہیں بلکہ اُن کے کچھ معنی باطنی ہیں جن کو سوائے اُس شخص کے کوئی نہیں جانتا جس کو فرقہ باطنیہ معلّم (یا نقیب) کہتے ہیں اور غرض اُن کی اس تاویل سے یہ ہے کہ شریعت کو بالکل مٹا دیں۔

اور کلیات ابی البقاء صفحہ ۵۵۳ و ۵۵۴ میں کفر و ایمان کی حقیقت اور اقسام کی تفصیل میں لکھا ہے:

ومختار جمهور اهل السنة والمتكلمين عدم اكفار
اهل القبلة من المبتدعين المأولة في غير الضرورة لكون
التاويل شبهة كما هو المسمطور في اكثر المعترات۔

تمام اہل سنت فقہاء و متکلمین کا پسندیدہ مذہب یہی ہے کہ اُن اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے جو نصوص میں تاویلیں کر کے بدعات ایجاد کرتے ہیں، مگر ضروریاتِ دین میں (کہ اُن میں تاویل کرنا دافع کفر نہیں ہو سکتا) کیونکہ (غیر ضروریات میں) تاویل کی وجہ سے ایک شبہ دفع کفر کا پیدا ہو جاتا ہے اور شبہ کی حالت میں حکم

تکفیر کا نہیں کیا جاسکتا۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۵۵۴ و صفحہ ۵۵۵ میں ہے:

وخرق الاجماع القطعی الذی صار من ضروریات الدین کفر
ولا نزاع فی اکفار منکر شنی من ضروریات الدین.

اس اجماع قطعی کا خلاف کرنا جو (بوجہ قطیعت و شہرت عامہ) ضروریات دین میں
داخل ہو گیا ہے کفر ہے اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں کہ ضروریات دین
میں سے کسی ایک چیز کا منکر بھی کافر قرار دیا جائے گا۔

اور شرح جمع الجوامع صفحہ ۱۳۰ جلد ثانی میں ہے

(جاحد المجمع علیہ العلوم من الدین بالضرورة) وهو ما يعرفه
منه الخواص والعوام من غیر قبول للتشکیک فالتحق
بالضروریات کو جوب الصلوٰۃ والصوم وحرمة الزنا والخمر
(کافر قطعاً) لان جمده يستلزم تكذيب النبي ﷺ فيه.

جو شخص ضروریات دین میں سے کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کرنے والا ہے وہ قطعاً
کافر ہے اور ضروریات دین وہ احکام ہیں جن کو خاص و عام سب مسلمان جانتے ہوں
اور ان میں شک کی گنجائش نہ ہو، جیسے نماز، روزہ کا فرض ہونا اور زنا و شراب کا حرام ہونا
وغیرہ، وجہ یہ ہے کہ اے امور کا انکار کرنا نبی کریم ﷺ کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیہ خیالی میں تحریر فرماتے ہیں:

والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر۔ (حاشیہ خیالی و مثله فی الخیالی)

ضروریات دین میں تاویل (باطل) کرنا کفر کو دفع نہیں کرتا۔

اور ایثار الحق علی الخلق میں علامہ وزیریمانی لکھتے ہیں (صفحہ ۱۴۱)

لان الکفر هو جحد الضروریات من الدین او تاویلها.

کیونکہ کفر اس کا نام ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا اس میں

تاویل (باطل) کرے۔

نیز اسی کتاب کے صفحات ۴۳۰، ۴۲۱، ۴۳۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷ میں یہی مضمون
نہایت تفصیل و تحقیق کے ساتھ مذکور ہے، اُسی کے صفحہ ۴۱۵ میں یہ عبارت بھی ہے:

و كذلك لا خلاف فی کفر من جحد ذلك المعلوم بالضرورة
لجميع وتستر بالتاویل فيما لا يمكن تاويله كالملاحدة.

اسی طرح اس میں بھی کسی کا خلاف نہیں جو کسی ایسے حکم کا انکار کرے جو سب
مسلمانوں کو بدلتا ہو حکم اسلامی معلوم ہوں، وہ کافر ہے (اگرچہ) ایسے کلام میں جو
محمّل تاویل نہیں تاویل کر کے اپنے کفر کو چھپائے۔

اور اتحاف صفحہ ۱۳ جلد ۲ میں ہے:

ومذهب الاكثريين من الأئمة و جماهير علماء الأمة وهو
التفصيل والقول بان التاویل فی القطعیات لا يمنع الکفر.

مذہب اکثر آئمہ دین اور جمہور علماء امت کا یہ ہے کہ اس معاملہ میں تفصیل کی جائے
اور یہ کہا جائے کہ قطعیات و یقینیات اسلامیہ میں تاویل کرنا اس کو کافر کہنے سے
مانع نہیں ہو سکتا۔

نیز اتحاف مذکور میں ہے:

والعلم الضروري يقتضي فی کل ما شاع مثل هذا فی اعصارهم
ولم يذكر احد منهم له تاویل انه علی ظاهره.

علم بدیہی اس کو مقتضی ہے کہ جو احکام عہد صحابہ میں شائع ہو چکے اور ان میں ان
حضرات نے کوئی تاویل ذکر نہیں کی، یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر بلا تاویل صادق
ہے۔

شرح شفاء ملا علی قاری میں ہے:

قال حبيب بن الربيع لان ادعائه التأويل في لفظ صراح لا يقبل.

حبيب ابن ربیع کہتے ہیں کہ صریح لفظ غیر محتمل التأویل میں کسی تاویل کا دعویٰ کرنا مقبول نہیں ہو سکتا۔

اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ہے:

”وچوں ایں فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ اندر تکفیر آ نہا جرأت نباید نمود تا زمانے کہ انکار ضروریات دینیہ نہ نمایند و رد متواترات احکام شرعیہ نہ کنند و قبول ما علم مجبیہ من الدین بالضرورت نہ کنند۔“ (مکتوبات امام ربانی صفحہ ۳۲۸/۳ و صفحہ ۸۹/۸)

یہی مضمون زرقانی شرح مواہب صفحہ ۱۶۸ جلد ۶ اور کتاب الاقتصاد امام غزالی میں اور رسائل ابن عابد بن علامہ شامی صفحہ ۲۶۰ میں، اور فتوحات مکیہ صفحہ ۸۵۷ جلد ۲ باب ۲۸۹ میں، اور ان کے علاوہ تمام کتب عقائد و فقہ میں بتفصیل و تنقیح مذکور ہے۔

شرح مقاصد صفحہ ۲۶۸ و ۲۶۹ میں علامہ تفتازانی کفر کے تمام اقسام کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ”یہ بات ظاہر ہو چکی کہ کافر اُس شخص کا نام ہے جو مؤمن نہ ہو، پھر اگر وہ ظاہر میں ایمان کا مدعی ہو تو اُس کو منافق کہیں گے اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر میں مبتلا ہوا ہے تو اُس کا نام مرتد رکھا جائے گا کیونکہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے اور اگر دو یا زیادہ معبودوں کی پرستش کا قائل ہو تو اُس کو مشرک کہا جائے گا اور اگر ادیان منسوخہ یہودیت و عیسائیت وغیرہ میں سے کسی مذہب کا پابند ہو تو اُس کو کتابی کہیں گے اور اگر عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو اور تمام واقعات و حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو اس کو دہریہ کہا جائے گا اور اگر وجود باری تعالیٰ ہی کا قائل نہ ہو تو اُس کو معطل کہتے ہیں اور اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقرار اور شعار اسلام نماز، روزہ وغیرہ کے اظہار کے ساتھ کچھ ایسے عقائد دلی رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اُس کو زندیق کہا جاتا ہے۔“ (ترجمہ عبارت شرح مقاصد صفحہ ۲۱۸ و ۲۶۹ جلد ۲)

ومثله فی کلیات ابی البقاء صفحہ ۵۵۳، ۵۵۴)

نیز اسی کتاب شرح مقاصد بحث ہفتم میں ہے:

فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات
باعتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات
ونحو ذلک.

اُن اہل قبلہ کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں جو تمام عمر طاعات و عبادات پر مداومت کریں مگر عالم کے قدیم ہونے یا قیامت میں مردوں کے زندہ نہ ہونے یا اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات نہ ہونے وغیرہ کا اعتقاد رکھیں۔

اور علامہ شامی جن کی کتاب آج کل تمام مفتیوں کے نزدیک مسلم اور اکثر فتاویٰ کا ماخذ ہے اُس میں لکھتے ہیں:

لا خلاف فی کفر المخالف. (ای للضروریات) من اهل القبلة
المواظب طول عمره علی الطاعات (شامی صفحہ ۳۷۷ جلد ۱)

اہل قبلہ میں سے اُن لوگوں کے کافر ہونے میں کسی کا خلاف نہیں جو باوجود طاعات و عبادات پر مدۃ العمر مداومت کرنے کے بعض ضروریات دین کا خلاف کریں۔

(نوٹ) یہ عبارتیں صرف سو یا دو سو تین سو سال کے اُن ملاؤں اور مولویوں کا خیال نہیں جن کے سمجھے اور بتلائے ہوئے اسلام کو مشرقی غلط کہہ کر ٹال دینا چاہتا ہے بلکہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک سب کے سب علماء کے بیانات و تحریرات ہیں۔

یہاں تک اصولی طور پر یہ بات بفضلہ تعالیٰ خوب واضح ہو چکی کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں اور ساڑھے تیرہ سو برس کی مسلمانوں کی نظر میں کفر کس چیز کا نام ہے اور اسلام کس چیز کا، کفر کی دوسری قسم اور بالخصوص تیسری قسم چونکہ صورت و ظاہر کے اعتبار سے اسلام کے ساتھ ملتی جلتی ہے اس لئے عوام اور نو تعلیم یافتہ مسلمان اُس کے سمجھنے میں عموماً غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں اس لئے اُس کو کسی قدر زیادہ تفصیل

سے پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد ہم مشرقی کے عقائد مذکورہ میں سے ہر ہر عقیدہ پر مستقلاً مختصر بحث کر کے یہ واضح کرتے ہیں کہ مشرقی کے یہ عقائد سراسر قرآنی اسلام کے قطعاً مخالف ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

مشرقی کے عقائد مذکورہ پر نمبر وار تبصرہ

(عقیدہ نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳)

(۱) عقائد کوئی چیز نہیں (۲) کلمہ شہادت و اقرار کچھ

نہیں (۳) اسلام ایمان صرف عمل کا نام ہے

مشرقی کے ان خیالات و کلمات کی مراد اگر یہ ہوتی کہ محض دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں جب تک اُس کی ساتھ اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ نہ ہوں تو یہ مضمون صحیح و درست اور تمام اُمت کا مسلمہ مسئلہ ہوتا اور ہم نے جب تک مشرقی کی پوری عبارتوں کا مطالعہ خود نہ کیا تھا، اُس کی طرف سے ایسی عبارتوں کی یہی تاویل کرتے تھے، لیکن مشرقی کی عبارتیں جو شروع رسالہ میں اس کے متعلق نقل کی گئی ہیں انہوں نے ہماری یہ تاویل چلنے نہ دی، بلکہ ناقابل تاویل صراحتوں کے ساتھ اُس کا یہ عقیدہ اُس کی تمام تصانیف میں پھیلا ہوا نظر آیا کہ وہ سرے سے تمام عقائد اور کلمہ شہادت اور زبانی اقرار کو مطلقاً لغو و بے کار سمجھتا ہے، اسلام و ایمان صرف عمل کو سمجھتا ہے اور عمل سے بھی وہ تمام اعمال مراد نہیں جو اُمت اسلامیہ کے نزدیک اعمالِ صالحہ ہیں بلکہ صرف حصولِ دنیا اور غلبہ و سلطنت دنیاوی کے لئے کوشش کرنے کا عمل مراد ہے۔

اور یہ عقیدہ بلاشبہ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ قطعہ اور صحابہ و تابعین سے

لے کر آج تک تمام علماء اُمت کے اجماعی عقیدہ کے قطعاً خلاف ہے اور چونکہ یہ مسئلہ اسلام کے اُن احکام قطعہ میں سے ہے جس کو تمام عام و خاص مسلمان عقیدہ اسلامیہ جانتے اور سمجھتے آئے ہیں اس لئے ضروریاتِ دین میں داخل ہے، اُس کا انکار یا اُس میں تاویل باطل کرنا بلاشبہ کفر ہے جیسا کہ اصولی مباحث کے تحت میں اس کا بیان مفصل گذر چکا ہے۔

اس جگہ تین چیزیں زیر بحث ہیں، (۱) تصدیق قلبی۔ (۲) اقرار زبانی۔ (۳) اور عمل۔ اس میں تو اسلامی فرقوں کا کچھ لفظی اختلاف بھی ہے کہ عمل ایمان کا جزو ہے یا نہیں اور اقرار زبانی ایمان کا جزو ہے یا شرط۔ لیکن اس پر تمام اسلامی فرقوں کا ہمیشہ سے اتفاق ہے کہ ایمان کے لئے عقائد (تصدیق قلبی) اصل الاصول ہیں، اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کوئی گمراہ فرقہ بھی ساڑھے تیرہ سو برس میں اس طرف نہیں گیا کہ ایمان کے لئے کسی عقیدہ اور تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ایمان کی تفسیر عام کتب عقائد میں یہ ہے:

الایمان فی الشرع هو التصدیق بما جاء به من عند اللہ تعالیٰ ای تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة محیثہ به (الی قولہ) والاقرار به ای باللسان۔

(شرح عقائد نسفی صفحہ ۹۰)

ایمان شریعت میں اُس چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، یعنی دل سے ہر اُس چیز کی تصدیق جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے قطعی اور ضروری طریق پر ہو اور زبان سے اُس کا اقرار کرنا۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ قرآن و حدیث کا اہم حصہ جن عقائد کی تعلیم و تلقین کے لئے آیا ہے اور اُمت نے اس کو علوم اسلامیہ میں سے ایک مستقل علم قرار دے کر لاکھوں کی تعداد میں اُس پر کتابیں لکھی ہیں اور سو دو سو برس کے نہیں، بلکہ تیرہ سو برس کے کل علماء اُس کی تبلیغ کرتے آئے ہیں، مشرقی صاحب بیک جنبشِ قلم اس

تمام دفتر کا انکار کر دیتے ہیں اور اُس سے زیادہ افسوس کی چیز یہ ہے کہ بہت سے قومی مسلمان اُس کے سننے بلکہ قبول کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ ایک مسئلہ مسئلہ ہے کہ اُس کی شہادت میں قرآن و حدیث پیش کرنا بھی آفتاب کے لئے روشنی کے دلائل پیش کرنے کا مرادف ہے اور پیش کیا جائے تو کہاں تک کہ تمام قرآن و حدیث اُس سے لبریز ہے، اس لئے صرف چند آیات قرآنیہ اور نصوص حدیث کی طرف اجمالی اشارہ پراکتفا کیا جاتا ہے:

آیات قرآنیہ

۲ قال اللہ تعالیٰ ^۱ وَمَنْ يُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّہْدِیْہِ فَمَا لَیْصِلْہٗ صِرَاطٌ لِّلْاِسْلَامِ الْاِیۡۃِ (وقال تعالیٰ) ^۲ اَلَا مَنِ اٰکَرٰہُ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ (وقال تعالیٰ) ^۳ وَلٰکِنْ مِنْ شَرَحٍ بِالْکُفْرِ صِدْرًا (وقال تعالیٰ) ^۴ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (وقال تعالیٰ) ^۵ وَمَنْ یَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی فُوْہُ مُؤْمِنٌ۔

ان تمام آیات مبارکہ میں ایمان و کفر کو محض قلب کا فعل اور صحت عمل کی شرط قرار دیا ہے اور قرآن کا شاید کوئی صفحہ اس قسم کی آیات سے خالی نہیں جن میں ایمان کو اول ذکر کرنے کے بعد عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے، اگر ایمان محض عمل ہی کا نام تھا تو تمام قرآن میں ایمان کو علیحدہ اور عمل کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت (۱) کیا تھی۔

روایات حدیث

اور حدیث میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک کافر پر حملہ کیا اور اُس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس پر بھی اُسامہ نے قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضی کرتے

(۱) اور ان بیکڑوں آیتوں میں ہر جگہ عطف تفسیری کی تاویل کرنا خود ایک دعویٰ بے دلیل اور تاویل بلا ضرورت ہے۔ ۱۲

ہوئے فرمایا ہلا شققت قلبہ (یعنی آپ نے اُس کا دل چیر کر تو دیکھا نہ تھا کہ آپ نے سمجھ لیا کہ وہ سچا مسلمان نہیں، پھر کیوں قتل کیا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اس واقعہ نے صاف بتلایا کہ ایمان کا اصل مدار محض قلب پر ہے، اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار صدق دل سے کرے اُس کو اللہ تعالیٰ دوزخ پر حرام کر دے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اور اُسی پر گزر جائے تو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت کی روایت اسی مضمون کی ہے اُس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

ادخلہ اللہ الجنۃ علی ماکان من عمل۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں ضرور داخل کریں گے عمل کچھ بھی ہو (یعنی عمل بد کی سزا

بھگتنے کے بعد)

ان روایات میں اور بھی صراحت و وضاحت سے اس بات کو صاف کر دیا گیا ہے کہ اصل ایمان کا مدار عقائد اور عمل قلب پر ہے، ہاتھ پیر کے عمل میں کوتاہی بھی ہو جائے تو وہ ایمان سے خارج نہیں اور نہ دائمی عذاب کا مستحق ہے بلکہ بالآخر جنت میں ضرور جائے گا۔

اسی لئے ساڑھے تیرہ سو برس سے جمہور امت اس پر متفق ہے کہ مؤمن بے عمل کو اسلام سے خارج نہیں سمجھتے، اُس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، مقابر مسلمین میں دفن کرتے ہیں حالانکہ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ غیر مؤمن کے ساتھ یہ معاملہ جائز نہیں، شرح عقائد نسفی میں یہی مضمون بالفاظ ذیل مذکور ہے:

اجماع الامۃ من عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا هذا بالصَّلوة علی من مات من اهل القبلة من غیر توبۃ والدعاء والاستغفار لهم مع العلم بارتکاب الكبائر بعد الاتفاق علی ان ذلک لا يجوز لغير المؤمن۔ (شرح عقائد ص ۸۴)

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک سے ہمارے زمانہ تک اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص بغیر توبہ کے مر جائے اُس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اُس کے لئے دعائے استغفار کیا جائے، باوجود یہ کہ اُن کا کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونا بھی معلوم ہے، حالانکہ اس پر بھی اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ معاملہ غیر مسلم کے ساتھ جائز نہیں۔

ان تمام شواہد سے جو محض نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ایمان درحقیقت عقائد ہی کا نام ہے جن کو مشرقی نے یکسر ختم کر دیا ہے۔

اسی طرح اسلام کے لئے شہادت اور کلمہ اسلام کا اقرار ضروری ہونا، نیز بعض کلمات کا کلماتِ کفر اور موجب کفر ہونا آیات و روایات ذیل میں صراحتہ مذکور ہے، مشرقی کا یہ کہنا کہ قرآن میں قولی اور زبانی کفر کا کہیں پتہ نہیں اور نہ اسلام و ایمان کا کسی قول و کلمہ سے کوئی تعلق ہے۔ آیات ذیل کا کھلا ہوا مقابلہ اور اُن کی قرآن دانی کا خود ہی ایک نمونہ ہے۔

(قال تعالى) والزمهم كلمة التقوى وكانوا احق بها واهلها (وقال تعالى) قولوا امنا بالله وما نزل علينا. (وقال تعالى) الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا. (وقال تعالى) يحلفون بالله ما قالوا ولقد قالوا كلمة الكفر.

آخری آیت کا ترجمہ یہ ہے (کہ وہ لوگ حلف کرتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کلمہ کفر کہا ہے) حیرت ہے کہ ایسی صریح آیت کے ہوتے ہوئے مشرقی کو قرآن میں قولی کفر نظر نہیں آتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ مشرقی خود ہی اس آیت کے مضمون کا مصداق ہے کہ کلمات کفر کہہ رہا ہے اور پھر قسمیں کھاتا ہے کہ وہ ہی اور صرف وہی سچا مسلمان ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

(۴) عقیدہ

مشرقی کے دین میں عمل صرف ایک ہے یعنی دنیوی مال و جاہ، غلبہ و سلطنت کے لئے کوشش۔ نماز، روزہ وغیرہ کوئی عمل نہیں

مشرقی کا یہ خیال بھی اسلامی نصوص قرآنی آیات اور متواتر روایات کی بالکل نقیض صریح ہے، جس چیز کو اسلام نے مقصود قرار دیا تھا اُس کو آلات و ذرائع بنا دیا اور جس کو آلات و ذرائع قرار دیا تھا اُس کو مقصود ٹھہرا دیا۔

خور دن برائے زیستن و ذکر کردن ست
تو معتقد کہ زیستن از بہر خور دن ست

قرآن مجید اس سے بھرا ہوا ہے کہ اصل مقصود نشأ دنیا اور اُس کے کل کارخانہ ذکر اللہ اور خدا تعالیٰ کی عبادت ہے اس کے سوا جتنی چیزیں مامورات یا مباحات ہیں خواہ جہاد اور اُس کے مناسب سیاسی امور ہوں یا دوسری چیزیں وہ سب اسی مقصد تحصیل کے لئے ہے، اپنے جسم کی حفاظت و خدمت ہے تو اس لئے کہ تندرست رہ کر عبادت میں مشغول ہوں، لباس کی تحصیل ہے تو اس لئے کہ عبادت اُس کے بغیر نہیں

ہو سکتی، کھانا پینا اور سونا جاگنا ہے تو اسی لئے کہ عبادت اس پر موقوف ہے، کسب معاش، زراعت و تجارت، صنعت و حرفت ہے تو انہی مقصد کے حصول کے لئے، دنیا میں غلبہ اور قوت اور سلطنت و تمکن کی ضرورت ہے تو صرف اس لئے کہ عبادت خدا تعالیٰ میں کوئی چیز حارج و مانع نہ ہو۔

دنیا کے منافع مال و دولت سلطنت و قوت مؤمن بھی حاصل کر سکتا ہے اور کافر بھی، مگر دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو یہی اور صرف یہی ہے کہ کافر خود انہیں چیزوں کو مقصود سمجھتا ہے اور مؤمن ان کو اس لئے حاصل کرتا ہے کہ دنیا میں عبادت خدا تعالیٰ اور آخرت میں فلاح کا ذریعہ بنے۔

ہر دوگان آہو گیا خوردند و آب

زاں یکے شد پشک و زاں شد مشک ناب

بہت سی آیات و احادیث میں سے چند بطور مثال اس کی توضیح کے لئے درج ذیل ہیں:

(۱).....الذین ان مکناہم فی الارض اقاموا الصلوۃ۔

(مقبول بندوں کے بیان میں ارشاد ہے) وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین پر تمکن اور غلبہ عطا کریں تو وہ نمازیں قائم کریں۔

(۲).....رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔

وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

(۳).....یا ایہا الذین امنوا لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ۔

اے مسلمانو! ایسا نہ ہو کہ تمہارے اموال و اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیں۔

(۴).....وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔

میں نے جن و انس کو بجز عبادت کے اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا۔

(۵).....لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا

تا کہ اللہ تعالیٰ کا ہی کلمہ بلند ہو۔

(۶).....اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ

افواجا فسیبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آجائے اور تم دیکھو کہ لوگ فوج فوج ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھئے اور اُس سے استغفار کیجئے۔

(۷).....قاتلوہم حتی لا تکون فتنہ ویکون الدین کلہ للہ۔

کفار سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کا دین ہو جائے۔

روایات حدیث اس معاملہ میں بہت ہی زیادہ مشہور ہیں اُن میں صرف ایک حدیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاهما عند ملیکمکم وخیر لکم من اعطاء الذهب الورق وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقہم ویضربوا اعناکم قالوا وما ہو یا رسول اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ذکر اللہ عزوجل وھکذا رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی الدرداء ومثله عند احمد من حدیث معاذ بن جبل (کذا فی تفسیر ابن کثیر تحت قوله تعالیٰ اذکروا اللہ ذکرًا کثیر صفحہ ۴۹۴ ج ۳ جدید)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں سب اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک

کے نزدیک تمام اعمال سے زیادہ پاکیزہ، اور سونا چاندی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے زیادہ بہتر اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کفار سے بھی جس میں تم اُن کو قتل کرو وہ تمہیں قتل کریں، زیادہ بہتر عمل بتلاتا ہوں، صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا عمل کون سا ہے، فرمایا کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، تفسیر ابن کثیر)

ان تمام آیات اور روایات سے بوضاحت ثابت ہوا کہ اصل عمل مطلوب ذکر اللہ اور اقامت صلوٰۃ وغیرہ عبادات ہیں، جہاد یا اس کے ذریعہ سلطنت حاصل کرنا ہرگز خود مقصود نہیں، بلکہ ذکر اللہ اور اقامت شعار دین کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مقصود بالعرض ہے۔

قابل نظر

ایک بڑی بات غور طلب یہ ہے کہ جب مشرقی کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان، اسلام توحید، عبادات صرف عمل کا نام ہے اور عمل سے مراد اعداد قوت اور تحصیل غلبہ و تمکن فی الارض ہے جو اس پر عمل کرے وہ مؤمن، جو نہ کرے وہ کافر، اور اسی وجہ سے موجودہ نصاریٰ اور بت پرستوں کو مؤمن متقی اور مسلمانوں کو کافر مشرک کہا گیا ہے، تو بدابہت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن لوگوں کی طرف بھیجے گئے وہ عموماً اس وصف اور اس عمل کے جامع تھے اور مشرقی نظریہ کے اعتبار سے مؤمن تھے، پھر ضرورت کیا تھی کہ انبیاء کو اُن کے مقابلہ کے لئے مأمور فرمایا جائے، بلکہ یہ جائز کیسے ہوا کہ ایسے متقی، اولیاء کا مقابلہ کر کے اُن کو ہلاک کیا جائے اور بلا ضرورت عالم میں خونریزی کی جائے۔

کیا فرعون کی سلطنت اور اُس کا نظام قومی اور شوکت و غلبہ انگریزوں کے غلبہ سے کچھ کم تھا یا نمرود اور قوم عاد و ثمود کا اجتماعی نظام عسکری قوت، غلبہ اور تمکن فی الارض

موجودہ اقوام یورپ کی برابر بھی نہ تھا، پھر جب انگریز اور یورپین نصاریٰ اس قوت عمل اور اجتہاد و سعی کی بناء پر مؤمنین متقین اور اولیاء و ابرار ہیں تو عاد و ثمود اور فرعون و نمرود کیوں اسی ضابطہ سے مؤمن و اولیاء نہ ہوں گے۔

اگر کہا جائے کہ وہ رعایا پر ظلم کرتے تھے، تو کیا جن قوموں کو مشرقی نے مؤمن کہا ہے وہ ظلم نہیں کرتے۔

الغرض اس نظریہ کے اعتبار سے یہ سب قومیں اعلیٰ درجہ کی مسلم مؤمن تھیں، پھر انبیاء علیہم السلام کو ان کے ہلاک کرنے اور مقابلہ کرنے کے لئے کیوں مأمور فرمایا گیا، جب اُن کی قوموں کی قوت و غلبہ ہی ایمان تھا تو انبیاء ایمان کے سوا اور کیا چاہتے تھے۔

دوسری نظر

اسی طرح اگر مشرقی نظریہ صحیح مان لیا جائے جس کی بناء پر موجودہ اقوام یورپ اعلیٰ درجہ کے پکے مسلمان، موحد، ابرار، صلحاء ہیں، تو پھر تحریک خاکساری اور اُس کے لئے ایک جدید فرقہ بنانے کی ضرورت کیا پیش آئی انگریزوں کی فوج میں داخل ہو جانا اُن کے ایمان کو مکمل کرنے کے لئے کافی تھا۔

الغرض یہ مشرقی نظریہ علاوہ قرآن و حدیث کی مخالفت کے خود بھی کسی طرح معقول نہیں ہو سکتا۔

قرآن کا فیصلہ

یہی کفار کا مال و دولت اور جاہ و حشم جس کو مشرقی عین دین و ایمان کہتا ہے، قارون کو اتنا حاصل تھا کہ اس زمانہ میں اُس کی نظیر مشکل ہے اور اُسی وقت مشرقی کے ہم خیال لوگوں نے کہا:

قال الذین یریدون الحیوة الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظ عظیم۔ (سورۃ قصص)

جو لوگ حیات دنیا کے طالب ہیں انہوں نے کہا کہ کاش ہمیں بھی وہ دولت حاصل ہوتی جو قارون کو حاصل ہے، کیونکہ وہ بڑے نصیب والا ہے۔

لیکن حقیقت شناس اہل علم نے اُسی وقت جواب دیا:

وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن وعمل صالحا ولا یلقھا الا الصابرون۔

اور کہا ان لوگوں نے جن کو علم (نافع) دیا گیا، خرابی ہو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا ثواب اُس شخص کے لئے جو ایمان لایا اور جس نے عمل صالح کئے، قارون کی دولت سے بہتر ہے۔

کوئی مشرقی سے پوچھے کہ اگر مال و دولت عزت و جاہ ہی ایمان اور عمل صالح تھا تو پہلے فریق نے اُس کی تمنا اور دعاء کرنے میں کیا قصور کیا تھا جو اہل علم نے اُن کی تردید کی اور پھر اہل علم جن کا قول قرآن کریم بطور استحسان کے نقل کرتا ہے وہ ایمان اور عمل صالح کو اس دولت قارون کے مقابلہ میں رکھ کر مشرقی نظریہ کو خود باطل کر رہے ہیں۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تلك الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعقبة للمتقین۔

یہ دار آخرت ہم اُن لوگوں کے لئے کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام کار متقی لوگوں کے لئے ہے۔

معلوم ہوا کہ جس تکبر و تجبر کے لئے مشرقی زمین کی بادشاہت کا طالب ہے وہ صد قرآن و اسلام کے خلاف ہے، اسلام کے لئے سلطنت و غلبہ ضرور ہے لیکن نہ اس کے کفار کی طرح پیٹ بھرنا اور عزت کی ڈینگ مارنا اُس کا مقصد ہو، بلکہ صرف اس لئے

کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں بے فکری کے ساتھ مشغول رہ سکیں، مگر مشرقی نے تو ذکر و عبادت کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے وہ تو خود بادشاہت و غلبہ ہی کو عبادت اور ایمان و اسلام قرار دیتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

(۵) عقیدہ

جو دنیوی غلبہ کے لئے جہاد نہیں کرتا اُس کا اسلام

اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب بے کار ہے

مشرقی کا یہ خیال بھی صریح و صاف آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔ اوّل تو جس جہاد کی غرض و غایت محض دنیا کی بادشاہت و غلبہ حاصل کرنا ہو وہ قرآن اور اسلام کی نظر میں جہاد ہی نہیں، جہاد صرف وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور کفر کو زیر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے:

”لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا“ اور ”قاتلوہم حتی لا تکن فتنۃ“ کا یہی صاف مطلب ہے۔

اسلام اور قرآن اُس جنگ کا دشمن ہے جو محض حصول دنیا اور دنیوی اغراض کے لئے کی جائے، حدیث صحیح میں اُس غازی کا ٹھکانہ جہنم بتلایا ہے جو اپنی عزت و جاہ حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ) اور اگر بالفرض اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی یہ منجملہ بیسیوں احکام اسلامیہ کے ایک حکم اور منجملہ بہت سی عبادات کے ایک عبادت ہوگا، اس کے ادا نہ کرنے سے دوسری عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام حسنات و طاعات کا اجر و ثواب کیسے ضائع ہو سکتا ہے قرآن کا کھلا ہوا ارشاد ہے:

ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ، ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو پائے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس

نیز خود قرآن عزیز نے مسلمانوں کو جہاد اور دوسرے اسلامی کاموں میں تقسیم کاری ہدایت کرتے ہوئے یہ ترغیب دی ہے کہ ایک جماعت تم میں ایسی بھی ہونی چاہئے جو جہاد کے فرض کفایہ میں شریک نہ ہو بلکہ علم دین کے تعلیم و تعلم میں مشغول رہے۔

قال تعالیٰ لولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین۔

تو اب مشرقی نظریہ کے مطابق اس طائفہ کا نہ ایمان (معاذ اللہ) درست ہوا، نہ نماز روزہ وغیرہ۔

الغرض مشرقی کا یہ کہنا کہ جو جہاد نہیں کرتا اس کا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سب ضائع ہیں آیات مذکورہ کا صریح انکار ہے۔

(۶) عقیدہ

جس کو دنیا میں نعمت و قوت و غلبہ حاصل نہ ہوئی

وہ آخرت میں بھی نعمتوں سے محروم رہے گا

یہ بھی صراحت قرآن وحدیث اور واقعات کے خلاف اور اصول دین کی تحریف ہے، وہ انبیاء علیہم السلام جو اپنی قوموں پر غلبہ نہ پاسکے بلکہ ان کے ہاتھوں مقتول ہو گئے جس کی خبر قرآن کریم کی متعدد آیات میں ہے۔ ویقتلون النبیین کیا (معاذ اللہ) وہ جنت آخرت سے محروم رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے وہ برگزیدہ رسول حضرت لوط علیہ السلام جن کے گھر پر کفار کے جھتے چڑھ آئے اور وہ اتنا بھی غلبہ و قدرت نہ رکھتے تھے کہ ان سے اپنے گھر اور اپنے مہمانوں کو بچالیں اور مجبور ہو کر یہ فرماتے تھے۔ لو کان لی بکم قوۃ اوای الی دکن شدید۔ ان کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا کیا معاذ اللہ جنت سے محروم رہیں گے؟

اسی طرح سینکڑوں صحابہ جو فتح بلاد سے پہلے وفات پا گئے یا خود ان معرکوں میں شہید ہو گئے اور دنیوی غلبہ و سلطنت کی انہوں نے صورت نہیں دیکھی وہ جنت آخرت سے محروم رہیں گے۔ نعوذ باللہ منہ

مشرقی کا یہ عقیدہ بعینہ کفار کا عقیدہ ہے

جس کو جگہ جگہ قرآن میں رد کیا گیا ہے

اس نظریہ کی لغویت اور تحریف دین ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ بعینہ عقیدہ کفار کا ہے جو انبیاء اور مومنین کے سامنے پیش کرتے اور کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہاں دنیا اور اس کی نعمتوں کا مالک بنایا ہے تو آخرت میں بھی ہمیں اس کے مالک ہوں گے۔ لاجدئ خیرا منها منقلباً۔

مشرقی کا یہ عقیدہ بعینہ وہ عقیدہ ہے جس کو قرآن کریم نے کفار کی طرف سے بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے:

وقالوا نحن اکثر اموالا واولادا وما نحن بمعذبین۔

کفار کہتے ہیں کہ ہم مال و اولاد میں تم سے (مسلمانوں سے) زیادہ ہیں اور ہمیں ہرگز عذاب نہ ہوگا۔

امام تفسیر ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای افتخر و ابکثرة الاموال والاولاد واعتقد وان ذلک دلیل علی محبة اللہ تعالیٰ لہم واعتنائہ بہم وانہ ما کان لیعطیہم هذا فی الدنیا ثم یعذبہم فی الآخرة۔ (ابن کثیر طبع جدید ص ۵۲۰ جلد ۳)

یعنی کفار کثرت مال و اولاد پر فخر کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کثرت اموال اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی دلیل ہے اور یہ کہ جب

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُن کو یہ دولت دی ہے تو آخرت میں عذاب ہرگز نہ دے گا۔
مگر قرآن کا ارشاد اس عقیدہ کفار کے متعلق کیا ہے وہ اسی کے بعد کی آیت میں ملاحظہ ہو:

قُلْ اِنْ رَّبِّيْ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِاللّٰتِيْ تَقْرَبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَوْ لَكُمْ لَهُمْ جِزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرَفَاتِ اٰمِنُوْنَ.

آپ کہہ دیجئے کہ میرا مالک جس کے لئے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے (یہ وسعت و تنگی اللہ تعالیٰ کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں) اور تمہارے اموال و اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قُرب دلانے والے نہیں، مگر صرف اُس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو اُن لوگوں کے لئے دوہری جزا ہے اپنے اعمال کی اور وہ غرقاتِ جنت میں مأمون ہیں۔

اس قرآنی فیصلہ نے مشرقی عقیدہ کی دھجیاں بکھیر دیں اور واضح کر دیا کہ مال و دولت عین ایمان و اسلام اور عین عبادت تو کیا ہوتے مقبولیت عند اللہ کی علامت بھی نہیں بلکہ بسا اوقات کفار کے لئے اموال و دولت وسیع کر دیئے جاتے ہیں اور مومنین بمقتضائے حکمت فقر و فاقہ میں رکھے جاتے ہیں۔

اور یہ مضمون قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بلکہ بہت سی آیات میں مختلف عنوانات کے ساتھ کھلے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے آیات ذیل کو امام ابن کثیر نے آیت مذکورہ کی تفسیر کے ذیل میں نقل فرمایا ہے:

اِيْحْسِبُوْنَ اِنَّمَا نُمَدِّهٖمۡ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَبَنِيْنَ نَسَارِعَ لَهُمْ فِي الْخِيَرَاتِ بَل لَا يَشْعُرُوْنَ.

کیا کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو اُن کے مال و اولاد بڑھاتے ہیں تو اُن کے لئے بھلائی بڑھاتے ہیں (اُن کا یہ خیال غلط ہے) بلکہ وہ حقیقت کی خبر نہیں رکھتے۔
ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

فَلَا تَعْجَبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهِقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ.

آپ ﷺ اُن (کفار) کے اموال و اولاد کو اچھا نہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے فقط یہ ہے کہ انہیں اموال و اولاد کے ذریعہ اُن کو دنیا میں بھی عذاب دے اور (غافل ہو کر) اُن کی روح حالتِ کفر میں نکل جائے۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا وَمَهْدٰتٍ لِّهٖ تَمْهِيْدًا.

اُس کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے (اول) اکیلا پیدا کیا (پھر) اُس کو مالی کثیر عطا کیا اور اولاد پاس رہنے والی دی اور اُس کے لئے طرح طرح کے سامان دیئے۔

(اس کے بعد آیت میں اُس کا معذب ہونا مذکور ہے)

الغرض قرآن کریم کی بے شمار آیات و نصوص اور احادیث کا عظیم الشان دفتر کھلے طور پر یہ اعلان کرتا ہے کہ دنیوی مال و دولت عزت و جاہ ایمان کی علامت ہے نہ اسلام و ایمان کا اُس پر مدار ہے، ہاں اگر مسلمان تمام احکام الہیہ کے پابند ہو جائیں تو اُن کو آخرت کی نعمتوں کے ساتھ دنیا میں بھی عزت و سلطنت، نعمت و راحت دینے کا وعدہ ہے جو ہمیشہ پورا ہوتا رہتا ہے اور بعض اوقات کسی حکمت کی بناء پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ پابندی احکام کے باوجود غلبہ و سلطنت حاصل نہیں ہوتی، جیسے اُن انبیاء کا واقعہ ہے جو اپنی اُمت کے ہاتھوں مقتول ہوئے، غرض آخرت کی فلاح دنیا کی نعمت و غلبہ پر ہرگز موقوف نہیں۔

حیرت ہے کہ قرآن کریم کی اتنی صاف و صریح آیات سے کیسے نظر پُرالی جاتی ہے اور اُس سے زیادہ حیرت اُن مسلمانوں پر جو اُس کے باوجود مشرقی کے جال میں پھنستے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

(۷) عقیدہ

اسلام مدارِ نجات نہیں بلکہ ہر مذہب والا اپنے

مذہب پر رہ کر جنت کا مستحق ہو سکتا ہے

مشرقی کا یہ عقیدہ بھی ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام کے خلاف اور قرآن و حدیث کی صریح نصوص کا گھلا انکار ہے جن میں سے چند نقل کی جاتی ہیں:

امام تفسیر علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کر دیا ہے اور آیات ذیل سے ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آپ کی رسالت عام ہے جو شخص آپ کی رسالت یا قرآن کا انکار کرے وہ ہرگز نجات نہیں پاسکتا، خواہ وہ کتنے ہی اعمال صالحہ کرے کیسے ہی عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہو، کیونکہ اعمال کی روح ایمان ہے جب ایمان نہیں تو تمام اعمال جبط اور ضائع ہیں۔

حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ:

ياايهاالناس اننى رسول الله اليكم جميعا

اے لوگو! میں سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں۔

اور دوسری آیت میں قرآن مجید کے نازل فرمانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا:

لأنذرکم به ومن بلغ

تاکہ میں قرآن کے ذریعہ تمہیں (آخرت کے عذاب سے) ڈراؤں اور اُن لوگوں کو بھی جن کو (قیامت تک) یہ قرآن پہنچے۔

نیز ارشاد ہے:

فمن یکفر به من الاحزاب فالنار موعده.

تمام (دنیا کی) جماعتوں میں سے جو بھی حضرت محمد ﷺ کا انکار کرے تو جہنم اُس کا ٹھکانہ ہے۔

اور ارشاد ہے:

فلذرنی ومن یکذب بهذا الحدیث سنستدرجهم من حیث لا یعلمون۔

جو شخص اس کلام (قرآن) کی تکذیب کرے اُس کا معاملہ مجھ پر چھوڑیے میں اُس کو تدریجاً ایسا پکڑوں گا کہ وہ بے خبر ہوں گے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا

یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسئلوا تسلیماً.

قسم ہے آپ کے رب کی کہ وہ اُس وقت تک ہرگز مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ

اپنے تمام اختلافی معاملات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر آپ کے فیصلہ سے

اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور ٹھنڈے دل سے تسلیم کر لیں۔

نیز مسلم کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من هذا الامة یهودی ولا

نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب

النار۔ (صحیح مسلم صفحہ ۸۶ جلد ۱)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ اُس اُمت میں

سے کوئی شخص جس کو میری خبر پہنچے خواہ یہودی ہو، یا نصرانی (یا کوئی اور مذہب والا) پھر وہ بغیر مجھ پر ایمان لائے ہوئے مرجائے تو وہ اہل جہنم میں سے ہوگا۔

اور مستدرک حاکم صفحہ ۳۴۲ جلد ۲ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ حدیث مجھے معلوم ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس حدیث کی تصدیق کتاب اللہ (قرآن) میں کس جگہ ہے تو میں نے پایا کہ قرآن کی یہ آیت اس حدیث کی پوری تصدیق کرتی ہے:

فمن یکفر به من الاحزاب فالنار موعده

تمام (دنیا) کی جماعتوں میں جو بھی (حضرت محمد ﷺ) کی رسالت سے انکار کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

الغرض قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اس عقیدہ سے بھری ہوئی ہیں کہ اسلام وایمان یعنی آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام کو حق ماننا تمام انسانوں کے لئے مدارِ نجات ہے، کوئی قوم، کوئی فرقہ، کوئی شخص بغیر اس تصدیق وایمان کے ہرگز جنت میں نہیں جاسکتا اور نہ عذابِ آخرت سے نجات پاسکتا ہے خواہ اعمال اخلاق کیسے ہی اچھے کرے، اسی لئے یہ مسئلہ بھی ضروریاتِ دین میں داخل اور ہر مسلمان عام و خاص اس سے واقف ہے اس کا انکار کھلا ہوا الحاد و کفر ہے۔

(۸) عقیدہ

موجودہ نصاریٰ اور بُت پرست سچے مسلمان

دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں

مشرقی کا یہ خیال اُس کی بہت سی صاف و صریح عبارتوں سے آپ معلوم کر چکے

ہیں، اب اس کے متعلق قرآن کا فیصلہ سنئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ وما من الہ الا الہ واحد
(سورہ مائدہ آیت ۱۰)

البتہ کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ سوائے ایک خدا اور کوئی خدا نہیں۔

اسی سورت کی دوسری آیت میں ارشادِ خداوندی ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح بن مریم

بے شک کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم ہی ہیں۔

اور مشرکین کے جہنمی کافر ہونے کے متعلق تو قرآنی تصریحات اس قدر زیادہ ہیں کہ عوام تک اُن سے پوری طرح واقف ہیں۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی آیات جا بجا موجود ہیں سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، جو شخص قرآن کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھتا ہے اُس کے لئے یہ بھی کافی ہے، ورنہ سارا قرآن بھی کافی نہیں۔

الغرض مشرقی کا یہ عقیدہ آیاتِ قرآنیہ اور احکامِ خداوندی کے ساتھ گھلا اعلانِ جنگ اور ضروریاتِ دین کا انکار ہونے کی وجہ سے موجبِ کفر ہے، شرح شفاء ملا علی قاری ص ۵۱۰ جلد ۲ میں یہی اجماعِ اُمت بالفاظِ ذیل مذکور ہے۔

فالاجماع علی کفر من لم یکفر احداً من النصاریٰ والیہود
وکل من فارق دین المسلمین او وقف او شک. قال القاضی ابو
بکر لان التوقیف والاجماع اتفاقاً علی کفرهم فمن وقف فی
ذلک فقد کذب النص والتوقیف او شک فیہ والتکذیب
والشک منه لا یقع الا من کافر. (متن شفاء شرح ملا علی)

اُس شخص کے کافر ہونے پر اُمت کا اجماع ہے کہ جو نصاریٰ و یہود کو یا ایسے لوگوں کو کافر نہ سمجھے جو مسلمانوں کے دین سے جدا ہوں یا ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں توقف یا شک کرے، قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع اُمت اُن کے کفر پر متفق ہیں تو جو شخص اُس میں توقف کرتا ہے وہ نص قرآن وحدیث کی تکذیب کرتا ہے یا اُس میں شک کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کی تکذیب یا اُس میں شک کرنا کافر ہی سے ہو سکتا ہے۔ (مسلمان کا کام نہیں)

(۹) عقیدہ

تمام موجودہ مسلمان مشرک جہنمی ہیں

کسی مسلمان کو کافریا کافر کو مسلمان کہنا دونوں انتہائی جرم اور مسلمان کے ایمان کو خطرہ میں ڈال دینے والے ہیں اور بعض صورتوں میں یقینی کفر ہیں، اسی لئے ملا علی قاریؒ شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

ادخال کافر فی الملة الاسلامیة او اخراج مسلم عنها عظیم فی الدین۔ (شرح شفاء ص ۵۰۰ جلد ۲)

کسی کافر کو ملت اسلامیہ میں داخل کرنا یا کسی مسلمان کو اس سے خارج کرنا دین میں ایک امر عظیم ہے۔

قرآن عزیز نے ان دونوں چیزوں پر سخت نکیر اور وعید فرمائی ہے۔

امراؤل:..... یعنی کسی مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق قرآن عزیز کا ارشاد ہے:

اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا۔

جب تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) سفر کرو تو تحقیق کیا کرو اور جو شخص

تمہیں (اسلامی طریق پر) سلام کرے اُس کو بے تحقیق یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تم مسلمان نہیں۔

اور حدیث صحیح مسلم میں ہے:

اذا اکفر الرجل اخاه فقد باء بها احدهما وفي رواية ابی عوانة فان كان كما قال والا فقد باء بالكفر۔

(کذا فی الاعلام بقواطع الاسلام علی ہاشم الزواجر ص ۱۲ ج ۲)

جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے تو یہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور لگ کر رہے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

اسی حدیث کی بناء پر علماء اُمت نے کہا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو بایں خیال کا کہے کہ اُس کا مذہب یعنی اسلام کفر ہے تو وہ یقینی کافر ہے اور اگر یہ خیال نہ ہو تو اُس کو کافر کہنے میں تو احتیاط کی جائے گی مگر اس میں شبہ نہیں کہ اُس نے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈال لیا۔

علامہ ابن حجر مکی نے اعلام وزواجر میں، نیز امام نوادی نے شرح مسلم میں حدیث یہی مجمل و مطلب قرار دیا ہے:

اسی طرح کوئی ایسا عقیدہ رکھنا یا ایسا کلمہ کہنا جس سے تمام اُمت محمدیہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (معاذ اللہ) گمراہ ہونا لازم آتا ہو یہ بھی بلاشبہ قطعی کفر ہے۔ شرر شفاء ملا علی قاری میں ہے:

وکذلك نقطع بتكفير كل قائل قولاً يتوصل به الى تضليل الامة المرحومة وتكفير جميع الصحابة۔ (شرح شفاء صفحہ ۵۱ جلد ۲)

ایسے ہی ہم اُس شخص کے کافر ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس کی رو سے تمام اُمت کا گمراہ اور صحابہ کا کافر ہونا لازم آئے۔

امردوم:..... یعنی کافر کو مسلمان کہنے کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے:

الم تر الى الذين اتوا نصيبًا من الكتاب يؤمنون بالجبت والطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلاء اهدى من الذي امنوا سبيلا.

کیا آپ نے ان اہل کتاب کو نہیں دیکھا جو باطل معبودوں اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں اور کفار کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہدایت پانے والے ہیں۔ نیز قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

اتريدون ان تهتدوا من اضل الله ومن يضل الله فلن تجد له سبيلا.

(نساء پارہ ۵ رکوع ۱۱)

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُن لوگوں کو ہدایت پر ٹھہراؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے حالانکہ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے تو اس کے لئے تم کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔

ان دونوں آیتوں میں کفار کو مؤمن یا مہتدی کہنے کی سخت ممانعت اور ایسا کہنے پر لعنت صراحۃً مذکور ہے اور کیسے نہ ہو جب کہ ایسا کہنا قرآن کریم کی بے شمار آیات کی ملی تکذیب کرنا ہے، اسی لئے قاضی عیاض نے شفاء میں اور ملا علی قاری نے اُس کی شرح فرمایا ہے:

فالا جماع علی کفر من لم یکفر احداً من النصارى واليهود وکل من فارق دين المسلمين او وقف اوشك. قال القاضی ابو بکر لان التوقيف والاجماع اتفقا علی کفرهم فمن وقف فی ذلک فقد کذب النص والتوقيف اوشك فيه والتكذيب والشك منه لا يقع الا من کافر (شرح شفاء ص ۵۱۰ ج ۲ وصول الافکار ص ۲۸)

پس اس پر اجماع اُمت ہے کہ وہ شخص کافر ہے جو یہود و نصاریٰ میں سے کسی شخص کو یا اُن لوگوں میں سے جو مسلمانوں کے دین سے جدا ہیں کافر نہ قرار دے یا توقف کرے، یا شک کرے، قاضی ابو بکر فرماتے ہیں کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن

و حدیث اور اجماع اُن کے کفر پر متفق ہیں، تو جو شخص اُس میں توقف کرے وہ نص قرآن و حدیث کی تکذیب کرتا ہے اور نص قرآن کی تکذیب یا اُس میں شک کرنا کافر ہی کا کام ہے۔

الغرض کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا حسب تصریحات قرآن و حدیث علمائے سلف کے نزدیک اکثر حالات میں کفر اور بعض صورتوں میں قریب بکفر ہے اور مشرقی کے کلام میں یہ دونوں چیزیں اس قدر صریح اور مکرر رہ کر واقع ہوئی ہیں کہ تاویل کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ اُن کی عبارتوں کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ موجودہ نصاریٰ اور بُت پرست ہندوؤں کو مؤمنین، اولیاء، صلحاء، ابرار، جنتِ آخرت کا مستحق قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کو مشرک، جہنمی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

(۱۰) عقیدہ

اُمت اسلامِ صحیح اسلام پر صرف تیس سال قائم رہی

مشرقی کے اپنے الفاظ اس کے متعلق عبارت ۳۶ میں بحوالہ تذکرہ اُردو صفحہ ۸ میں گذر چکے ہیں جس میں اُس نے کہا کہ اُمتِ اسلام الہی اور نبوی تخیل پر تیس برس سے زائد قائم نہ رہ سکی جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرات صحابہ ہی تیس سال کے بعد مشرقی کے نزدیک سب کے سب معاذ اللہ گمراہ ہو گئے تھے، بعد میں آنے والی اُمت کا تو کہنا کیا ہے، یہ بھی قرآن کا کھلا ہوا مقابلہ اور تکذیب ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی کھلی ہوئی اور ناقابلِ تاویل آیات کا خلاف کرنا کھلا ہوا انکار

رسالت ہے جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

مشرقی کی دوسری کفریات

شرائع اسلام کا استہزاء و استخفاف

تذکرہ اور مشرقی کی عام تحریروں میں رسول اللہ ﷺ کی بہت سی سُنّتوں اور احکام شرعیہ کا ذکر جس استہزاء و استخفاف کے ساتھ کیا گیا ہے یہ بلاشبہ اور بالاتفاق کفر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قد کفرتم بعد ایمانکم فی قولہم کُنَّا نخوض و نلعب۔ یعنی جو لوگ بطور ہنسی اور استہزاء کے کچھ کلمات نبی کریم ﷺ یا مسلمانوں سے دربارہ احکام اسلامیہ کہتے تھے اُن کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا۔ قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔

وصح بالنص ان کل من استهزأ باللہ تعالیٰ او بملک من الملائکۃ او نبی من الانبیاء علیہم السلام او بایۃ من القرآن او بفریضۃ من فرائض الدین فہی کلھا آیات اللہ تعالیٰ بعد بلوغ الحجۃ الیہ فہو کافر۔ (کتاب الفضل لابن حزم صفحہ ۲۵۵)

نص قرآنی سے بطریق صحت ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ یا کسی فرشتہ یا کسی نبی یا قرآن کی کسی آیت یا فرائض شرعیہ میں سے کسی فرض کے ساتھ استہزاء کرے بعد اس کے کہ اُس کو حکم خدا اور رسول ہونا معلوم ہو جائے تو ایسا کرنے والا کافر ہے۔

اتفقوا فی بعض الافعال علی انها کفر مع انه یمکن فیہا ان ینسلخ التصدیق لانہا افعال الجوارح لا القلب وذلک کالہزل بلفظ کفر وان لم یعتقدہ وکالسجود للصنم وکقتل نبی والاستخفاف بہ وبالمصحف والکعبۃ۔ (حکاء ابن تیمیہ من لفظ الا شعری۔

فی کتاب الایمان صفحہ ۶۰)

بعض افعال کو بھی فقہاء نے کفر قرار دیا ہے حالانکہ یہ ممکن ہے کہ اُن افعال کے ہوتے

ہوئے تصدیق رسالت سلب نہ ہو کیونکہ یہ افعال تو ہاتھ پیر کے اعمال ہیں نہ کہ قلب کے، مثلاً ہنسی میں کوئی کلمہ کفر کہہ دینا اگرچہ وہ اس کا معتقد نہ ہو یا بُت کو سجدہ کرنا، یا کسی نبی کو قتل کرنا، یا کسی نبی یا قرآن یا کعبہ کی توہین کرنا وغیرہ۔

وقیل ان ماکان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف ذکرہ فی ردالمختار وقیل زید علی التصدیق المجرد اشیاء فی الایمان المعتبر شرعاً وقیل التصدیق المعتبر لا تجامع ہذہ الافعال ذکرہ العلامة قاسم فی حاشیۃ المسائرة والحافظ ابن تیمیہ۔ (کذا فی اکفار الملحدین صفحہ ۵۴)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جو افعال علامت تحقیر و توہین کے ہوں اُن کے کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اگرچہ اس کی نیت تحقیر و توہین کی نہ ہو جیسا کہ شامی میں مذکور ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ شریعت میں جو ایمان معتبر ہے اُس میں چند شرائط اور بھی ہیں مثلاً ایسے افعال سے اجتناب کرنا جو احکام شرعیہ کے استخفاف و تحقیر پر مشتمل ہوں اور بعض حضرات نے کہا کہ جو تصدیق ایمان میں معتبر ہے وہ ان افعال کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتی، بلکہ جب کسی نے یہ افعال کئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ رسالت کی تکذیب کر دی۔

اسی طرح ابن حجر مکی نے کتاب الاعلام میں اس کو متفق علیہ کفر میں درج کیا ہے۔

(اعلام علی ہامش الزواجر صفحہ ۲ ج ۲)

افتراء علی اللہ اور تحریف قرآن

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً وھو یدعی الی الاسلام۔

اُس سے زیادہ ظالم کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرے حالانکہ اُس کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔

اس آیت میں اُس شخص کو اظلم الناس قرار دیا ہے جو حق تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو فی الواقع حق تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو۔ (جیسا کہ عبارت تذکرہ میں موجود ہے)

اور قرآن مجید کی تحریف بھی ایک گونہ حق تعالیٰ پر افتراء ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذين يلحدون في ايتنا لا يخفون علينا افمن يلقى في النار خيرا من يأتي اماناً يوم القيامة اعملوا ما شئتم انه بما تعملون بصير.

جو لوگ ہماری آیت میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر چھپ نہیں سکتے کیا وہ شخص بہتر ہے جو جہنم میں ڈالا جائے گا یا وہ جو قیامت کی روزماً مومن ہو کر آئے گا۔ جو چاہو کرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

شیخ سراج الدین بلقینی سے ایک ایسے ہی شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو قرآن مجید کی تفسیر میں جمہور اُمت کے خلاف نئے نئے معنی ایجاد کرتا تھا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ ملحد زندیق ہے۔ (اتقان مصری ص ۱۹۱ جلد ۲)

حدیث میں ہے کہ

من قال في القرآن برأيه او بما لا يعلم فليتبوأ مقعده من النار۔

(اخرجه الترمذی وحسنه والنسائی والبوداؤی تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵ جلد ۱)

جو شخص قرآن کی تفسیر (تفسیر ماثور کے خلاف) اپنی رائے سے یا بے علمی سے کرے اُس کو چاہئے اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے۔

آیات اور روایات مذکورہ سے واضح ہوا کہ آیات قرآن مجید کی تفسیر ظواہر الفاظ کے خلاف (۱) کرنا زندقہ والحاد ہے اور تفسیر ماثور کے خلاف کوئی تفسیر ایجاد کرنا گمراہی ہے اور

(۱) خلاف کے لفظ سے واضح ہو گیا کہ جو تفسیریں ائمہ سلف سے محض لغت و عربیت یا اجتہاد کی بناء پر منقول ہیں وہ اس کے تحت میں نہیں آتی کیونکہ وہ تفسیر ماثور کے مخالف نہیں۔ الغرض تفسیر ماثور سے مغائر کوئی ایسی تفسیر جس کا احتمال کلام کے اندر ہو بیان کرنا گناہ نہیں بلکہ اُس کے مخالف تفسیر کرنا گناہ ہے مغائر اور مخالف کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں۔ ۱۲ منہ

ایسا کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تذکرہ اول سے آخر تک تمام ہی آیات قرآنیہ کو بے محل اور خلاف مراد استعمال کرنے سے بھرا ہوا ہے اس وقت جو دو تین آیتیں بطور نمونہ کے عقیدہ نمبر ۱۰ میں بحوالہ عبارت تذکرہ نقل کی گئی ہیں اُن میں پہلی آیت ”فالسابقون السابقون اولئک المقربون“ اور آیت ”ومنہم سابق بالخیرات (واقعہ پ ۲۳)“ تذکرہ میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ سابقین وہ لوگ ہیں جو زمین میں سعی بلیغ انعامات الہیہ حاصل کرنے کے لئے کریں۔

یہ تفسیر قطعاً اس تفسیر کے خلاف ہے جو صحابہ و تابعین اور علماء اُمت سے منقول ہے، امام ابن کثیر نے اس کی تفسیر حسبِ عادت خود قرآن کریم اور روایات حدیث و آثار صحابہ سے یہ کی ہے

ومنہم سابق بالخیرات وهو الفاعل للواجبات والمستحبات والتارک للمحرمات والمکروہات وبعض المباحات۔
(ابن کثیر صفحہ ۵۵۵ جلد ۳)

کہ اُمت میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو واجبات اور مستحبات کو ادا کرنے والے ہیں اور محرمات و مکروہات کو اور بعض مباحات کو (جن سے کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو) ترک کرتے ہیں۔

اور اگر انعامات الہیہ سے مصنف تذکرہ کی مراد صرف دنیوی انعامات ہیں (جیسا کہ اُن کی دوسری تصریحات سے مستفاد ہے) تو یہ دوسری تحریف ہے۔

اسی طرح لكل أمة جعلنا منسكاهم ناسكوه فلا ينازعنك في الامر (الایۃ) اس آیت کی خود ساختہ تفسیر کے ذریعہ صاحب تذکرہ نے یہ بات ثابت کرنا چاہا ہے کہ جتنے فرقے کفار کے آج کل موجود ہیں سب اپنی اپنی شریعت و مذہب پر رہتے

ہوئے نجات پاسکتے ہیں اور ان کا باہمی اختلاف محض فروعی اختلاف ہے جیسا کہ عبارت بست و پنجم و عبارت نوزدہم میں بصراحت مذکور ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا الحاد اور آیت کی تحریف ہے جو ان تمام آیات و روایات کے خلاف ہے جن کی تفصیل عقیدہ نمبر ۷ کے تحت میں گذر چکی ہے جن میں اسلام اور آنحضرت ﷺ کے ہر امر وارشاد کی تصدیق کو مدارِ نجات بتلایا گیا ہے آیت کی صحیح تفسیر جو صحابہ و تابعین سے منقول ہے، یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم کے لئے ایک شریعت بنائی ہے جب تک وہ شریعت منسوخ نہ ہو اس پر عمل لازمی ہے، اسی قاعدہ کے ماتحت امت محمدیہ کے لئے بھی ایک شریعت دی گئی ہے اس لئے اب یہود و نصاریٰ یا مشرکین کو یہ حق نہیں کہ آپ سے اس شریعت کے بارہ میں منازعت کریں، بلکہ واجب ہے کہ آپ کی شریعت کا اتباع کریں اور پہلی شریعت کو منسوخ سمجھیں۔ (کذافی روح المعانی صفحہ ۷۷ جلد ۱۷)

صاحب تذکرہ نے اس آیت کے مفہوم کو بالکل بدل کر مقصود آیت کی صریح نقیض کو اس کی تفسیر بنا دیا۔ (نعوذ باللہ منہ)

اسی طرح آیت الذین انعمت علیہم میں نعمت سے دنیوی غلبہ و سلطنت مراد لینا بھی آیت کی کھلی تحریف اور اس تفسیر کے مخالف ہے جو خود قرآن نے دوسری جگہ فرمائی ہے یعنی الذین انعمت علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء کیونکہ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ اس آیت میں نعمت سے نعماء آخرت مراد ہیں جو تمام انبیاء و صدیقین و شہداء کو یقیناً حاصل ہیں ورنہ اگر دنیوی سلطنت و غلبہ مراد لیا جائے تو تمام انبیاء و صدیقین و شہداء کو دنیوی غلبہ کہاں حاصل ہوا، بہت سے انبیاء خود اپنی قوم کے ہاتھوں شہید کئے گئے، لوط علیہ السلام کو اپنے گھر کی حفاظت کی بھی ظاہری طاقت حاصل نہ تھی اسی لئے فرماتے تھے ”لو کان لی بکم قوۃ و اوی الی رکن شدید“ یہ ایک مختصر نمونہ ہے ان تحریفات قرآن کا جس سے تذکرہ بھرا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

خلاصہ یہ ہے کہ تذکرہ میں قرآن کی تحریف صریح ہے اور تحریف قرآن الحاد و زندقہ

ہے جیسا کہ عقائد نسفی اور اس کی شرح کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم

مشرقی کی قرآن دانی کا ایک نمونہ

مشرقی کا علم و فضل، عربی دانی اور قرآن دانی کو پوری طرح تو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علوم عربیت اور قرآن و حدیث کے عالم ہیں مگر بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی اس کو دیکھ کر مشرقی کی علمی قابلیت معلوم کر سکتا ہے اس کی صرف ایک نظیر اس جگہ لکھی جاتی ہے۔

آیت قرآن مجید و کفی اللہ المؤمنین القتال کا ترجمہ آپ لکھتے ہیں مؤمن کے لئے صرف ایک عمل کفایت کرتا ہے وہ سپاہی بن کر لڑتا ہے یہ ترجمہ و مطلب قطع نظر اس سے کہ تفسیر ماثور اور مراد خدا کے خلاف ہے۔ ادنیٰ صرف نحو پڑھنے والا طالب علم سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت کا یہ ترجمہ کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔

خلاصہ کلام در بارہ عقائد مشرقی

مشرقی کی عبارات تذکرہ وغیرہ میں مندرجہ ذیل امور بصراحت موجود ہیں:

- (۱).....عقائد کا سرے سے انکار۔
- (۲).....تمام اقوال و اقرار اور کلمہ شہادت کا انکار۔
- (۳).....تمام موجودہ مسلمانوں کو مشرک و کافر جہنمی قرار دینا۔
- (۴).....یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو مؤمن متقی، صلحاء، ابرار کہنا۔
- (۵).....ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو محض اوزار کی طرح غیر مقصود اور ان سب کا مقصود اصلی دنیوی غلبہ و سلطنت قرار دینا۔
- (۶).....یہ کہ آخرت کی نعمت صرف اس شخص کو ملے گی جس کو دنیا میں نعمت و سلطنت حاصل ہو۔

(۷)..... اسلام اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی تصدیق مدار نجات نہیں بلکہ ہر مذہب والے اپنے مذہب باطل پر رہ کر جنت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

(۸)..... بہت سی ضروریات دین اور قطعیات اسلام کا انکار۔

(۹)..... احکام شرعیہ کا استہزاء اور استخفاف۔

(۱۰)..... افتراء علی اللہ تعالیٰ اور تحریف قرآن۔

اور یہ کل امور حسب تفصیل مذکور بلاشبہ خلاف اسلام اور الحاد و زندقہ ہیں اور ملحد و زندیق اصطلاح شرع میں اُسی شخص کو کہا جاتا ہے جو اسلام کا مدعی ہونے کے باوجود عقائد کفریہ رکھتا ہو اور آیات قرآنیہ کے ایسے معنی بتاتا ہو جو دوسری نصوص اور اجماع امت کے خلاف ہیں، ایسا شخص شرعاً بحکم مرتد ہے، مجمع البحار میں ہے:

أَتَى عَلِيٌّ بَزْنَادِقَةٍ هِيَ جَمْعُ زَنْدِيقٍ (المراد قوله) ثم استعمل في كل ملحد في الدين والمراد ههنا قوم ارتدوا عن الاسلام۔

(مجمع البحار صفحہ ۶۹۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زندیق لائے گئے، اس حدیث کی شرح میں صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں کہ لفظ زنادقہ زندیق کی جمع ہے یہ لفظ ہر ایسے شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو دین میں الحاد کرنے والا ہو اور اس حدیث میں وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

فان الزنديق يمؤه كفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها في صورة الصحيح وهذا معنى ابطان الكفر فلا ينافي اظهاره الدعوى۔ (شامی باب المرتد صفحہ ۵۸ جلد ۳)

کیونکہ زندیق اپنے کفر پر پردہ ڈالتا ہے اور اپنے عقیدہ فاسدہ کی ترویج و اشاعت کرتا ہے اور اُس کو صحیح عقیدہ کی صورت میں پیش کرتا ہے، یہی معنی ہیں کفر پر پردہ

ڈالنے کے، اس لئے زندیق کا اپنے دعوے کو ظاہر کرنا اور شائع کرنا اس کے منافی نہیں۔

اور زندیق و ملحد کی یہی تعریف اور یہی حکم شرح مقاصد صفحہ ۲۶۸ و ۲۶۹ جلد ۲ اور کلیات ابوالبقاء صفحہ ۴۵۳ و ۴۵۴ میں بھی بتفصیل ہے۔

تنبیہ ضروری

کسی مدعی اسلام کو کافر قرار دینا ایک نہایت خطرناک اور نازک معاملہ ہے اسی لئے ہم نے اس میں امکانی احتیاط سے کام لیا اور جب یہ دیکھ لیا کہ ان عبارات میں کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہو سکتی اُس وقت مسلمانوں کی حفاظت اور خود مشرقی کی خیر خواہی کے نظر سے یہ لکھا کہ ایسے خیالات و عقائد رکھنے والا ملحد اور مخالف اسلام ہے۔

ہم نے محض اس نظر سے کہ مقصود نصیحت و خیر خواہی ہے بدزبانی کا انتقام لینا نہیں مناظرانہ طرز کو یکسر چھوڑ کر قرآن کی تعلیم کردہ طرز احسن کو اختیار کیا ہے تاکہ خود مشرقی اور اُن کے متبعین بھی اس کو دیکھیں تو دل آزاری نہ ہو اور وہ سمجھیں کہ ہم کس طرف جارہے ہیں اور مسلمانوں کو لے جانا چاہتے ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بما فی صدور العباد و بیدہ الاضلال
والارشاد نسأله الصواب والسداد فی المبدأ والمعاد۔

ضمیمہ عقائدِ مشرقی

مشرقی کے عقائدِ خود اُن کے قلم سے
اور بعض اعتراضات کے جواب کی کوشش

مشرقی کی تصانیف تذکرہ، اشارات، قول فیصل کا غور اور انصاف سے مطالعہ کر کے جو کچھ اُن کے خیالات و عقائد سمجھے گئے اُن کی تفصیل مع حوالجات اور اُن کا شرعی حکم لکھا جا چکا تھا کہ بعض حضرات نے مشرقی کے دوسرے رسائل و اشتہارات بغرض مطالعہ بھیج دیئے جن میں مولوی کا غلط مذہب نمبر اول تا نہم و یازدہم و شانزدہم اور رسالہ میری سخت گیریاں اور جھوٹ کا پول وغیرہ تھے۔

مجھے چونکہ خود اس کی تلاش تھی کہ مصنف تذکرہ اپنے ان عقائد و اقوال کے بارے میں اب کیا خیال رکھتے ہیں اور کچھ تاویل کرتے ہیں یا نہیں اور یہ اقوال و عقائد جن قرآنی نصوص و احادیث اور اجماع کے خلاف ہیں اُن کا کوئی جواب دیتے ہیں یا نہیں، اس لئے ان میں سے اکثر کو باستیعاب اور بعض کا اکثر حصہ غور و انصاف سے مطالعہ کیا، ان میں چند چیزیں ایسی نظر پڑیں جن کا تعلق اُن عقائد و خیالات سے ہے جن کے متعلق یہ رسالہ لکھا گیا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اُن پر مزید غور کر کے اُس کو قبول یا رد (جو کچھ حق معلوم ہو) اُس کا اسی رسالہ کے ساتھ اظہار کیا جائے نیز ان رسالوں کی قابل مواخذہ عبارتیں بھی مذکورہ تین کتابوں کی عبارتوں کے ساتھ شامل کی جائیں تاکہ اُن کے حوالہ سے کلام لیا جائے۔ چنانچہ حسب ضرورت چند عبارتیں موضع ضرورت میں ملحق کر دی گئی۔

اب ان امور کے متعلق لکھا جاتا ہے جو رسائل مذکورہ میں مشرقی نے بیان کئے ہیں:

(۱)..... مشرقی نے کہا ہے ”مجھ پر الزام ہے کہ تذکرہ میں بُرے عقیدوں کا ذکر کیا گیا ہے“۔

(جواب) تذکرہ میں کسی عقیدہ کی تعلیم کے متعلق ایک لفظ موجود نہیں نہ وہ عقائد کی کتاب ہے نہ اُس میں خاکسار تحریک کی تشریح ہے نہ کم علم کو چاہئے کہ اسے پڑھے وہ اس کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا اور کم علمی کے باعث اس کا غلط مطلب لے گا۔

جواب:..... یہ مانا کہ تذکرہ فنِ عقائد کی کتاب نہیں لیکن جو کچھ مشرقی نے اُس میں لکھا ہے وہ دو (۲) حال سے خالی نہیں یا وہ اُس کو حق اور یقینی سمجھتا ہے تو وہ ہی اُس کا عقیدہ ہے اُس کے مسلمانوں کے مطالعہ کے لئے شائع کرنا اس عقیدہ کی تعلیم ہے کیونکہ عقیدہ کا مفہوم اس سے زائد کچھ نہیں اور یا وہ اُس کو حق نہیں سمجھتا تو اُس کی اشاعت کیوں کی اور اگر غلطی سے ہو گئی تھی تو اب اُس کی اشاعت بند کریں اور اُس کے غلط ہونے کا اعلان کریں۔

اور جب تک یہ نہ ہو، مشرقی کا یہ کہنا بے معنی ہے کہ اُس میں کسی عقیدہ کی تعلیم نہیں یا وہ عقائد کی کتاب نہیں۔ آیا یہ کہنا کم علم اس کتاب کو نہ سمجھیں گے، اگر اپنے سوا ہر انسان کو کم علم کہہ دیں تو اور بات ہے ورنہ اُس میں کوئی ایسے دقیق نکات نہیں جن کو معمولی طالب علم نہ سمجھ سکے، تذکرہ کی جو عبارتیں آخر رسالہ میں ملحق ہیں نمونہ کے لئے ہر شخص اُن کو دیکھ سکتا ہے کہ اُن میں کوئی اغلاق و اجمال نہیں جس کے سمجھنے میں تکلف ہو بلکہ عقائد کفریہ کو پوری وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

(۲)..... لکھا ہے (س) کیا انگریز، جرمن، جاپان حکمران قومیں مؤمن ہیں اور اسی تہذیب پر موت واقع ہو جانے پر وہ الجنت کے حق دار ہو سکتے ہیں۔

(ج) انگریز جرمن جاپان وغیرہ مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مؤمن نہیں، نہ ہو سکتے ہیں، نہ جنت کے حق دار۔ (جھوٹ کا پول ص ۹)

لیکن تذکرہ و اشارات کی ایک دو نہیں بارہ تیرہ عبارتیں جو رسالہ ہذا میں عقیدہ نمبر

کے تحت میں نقل کی گئی ہیں اس کے خلاف بالکل صراحت و وضاحت سے کفار و مشرکین اور بالخصوص انگریزوں کے مؤمن، متقی، اولیاء، صلحاء، ابرار ہونے کا اعلان کر رہی ہیں۔

رسالہ جھوٹ کا پول چونکہ بعد کی تحریر ہے اس کو پہلی تحریر یعنی تذکرہ سے رجوع سمجھ لیا جاتا، مگر اشارات صفحہ ۱۹ میں مشرقی نے بہت زور سے یہ کہا ہے کہ ”میں تذکرہ کی ایک سطر ایک حرف کو بھی بدلنا نہیں چاہتا۔“

اس لئے اب جب تک مشرقی یہ اعلان نہ کریں کہ تذکرہ میں انگریزوں کے مؤمن متقی ہونے کے بارہ میں جو کچھ میں نے لکھا تھا غلط تھا، اب اس کی تصحیح کرتا ہوں اور آئندہ تذکرہ سے اُن عبارات کو خارج کرتا ہوں یا تذکرہ کی اشاعت بند کرتا ہوں اُس وقت تک جھوٹ کے پول کی اس عبارت سے وہ الزام رفع نہیں ہو سکتا اور ایسی متعارض باتوں کو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ تہافت ہے کہیں کچھ کہہ دیا کہیں کچھ، جیسا کہ تذکرہ کے اردو دیباچہ صفحہ ۱۰ تا صفحہ ۱۵ میں انگریزوں کو گمراہ بھی کہا ہوا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشرقی نے اس عبارت میں جو یہ الفاظ بڑھائے ہیں کہ (مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مؤمن نہیں) اس سے یہ غرض ہو کہ عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے اور اپنا خیال وہ ہے جو تذکرہ میں لکھا ہے اس طرح بے شک دونوں متعارض عبارتیں مطابق ہو سکتی ہیں مگر مشرقی سے اصل الزام نہیں اٹھتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(۳)..... مشرقی نے اپنے ”غلط مذہب ۱۱ ص ۱۱“ میں لکھا ہے:

”مجھ پر سوال ہے کہ میرے عقائد کیا ہیں (جواب) میرا عقیدہ یہ ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے۔ (۲) حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ (۳) روز قیامت برحق ہے۔ (۴) اسلام کے پنج ارکان یعنی کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر عمل صحیح ہے اس کے ماسوا جس عقیدے پر تمام دنیا کے مولوی اتفاق ثابت کر دیں وہی عقیدہ میرا ہے۔ انتہی“

یہ الفاظ اگر مشرقی کی کوئی خاص اصطلاح نہیں بلکہ انہیں معنوں میں مراد ہیں جو ہمیشہ سے اُمت محمدیہ نے آج تک سمجھے ہیں تو یہ عقائد صحیح ہیں، قابل اعتراض نہیں، لیکن اُن کی دوسری کتابوں میں عقائد مذکورہ میں سے کئی عقیدوں کے خلاف مکمل جہاد کیا ہوا ہے اور بعض کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی نے الفاظ تو وہی رکھے ہیں جو مسلمانوں کے عقائد کے الفاظ ہیں مگر اُس کے معنی وہ بتلائے ہیں جو سراسر عقائد اسلامیہ کے اور قرآن و حدیث کے خلاف ہیں، جیسے اب سے سینکڑوں برس پہلے فرقہ باطنیہ نے بعینہ اس طرز پر اسلام کو مٹانے کی کوشش کی تھی کہ عقائد کے الفاظ وہی تھے جو مسلمان کہتے ہیں مگر معنی بالکل برعکس بیان کرتے تھے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے الفاظ کو قائم رکھا تھا مگر اُن کی حقیقت بدل دی تھی مگر اُمت اور علمائے اُمت نے (موجودہ صدی یا اُس سے سو دو سو برس پہلے کے مولوی نہیں) بلکہ علمائے سلف نے اُن کو باتفاق کافر، ملحد، زندیق قرار دیا، جس کی تفصیل اسی رسالہ کے مقدمہ میں آپ کی نظر سے گذری ہوگی، کیونکہ یہ بات ظاہر تھی کہ عقائد اسلامیہ سے محض لفظی اشتراک کافی نہیں۔

الغرض اگر مشرقی کا یہی اعلان ہمارے سامنے ہوتا ان کی دوسری کتابوں میں اس کی صریح مخالفت نہ معلوم ہوتی تو ہمیں بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ کسی کو اس تفتیش کرنے کا حق تھا کہ ان الفاظ سے تمہاری مراد کیا ہے، بلکہ الفاظ کے ظاہری مفہوم کا مراد لینا متعین تھا لیکن چونکہ معاملہ یہ ہے کہ تذکرہ، اشارات، غلط مذہب وغیرہ میں صراحتاً ان عقائد کے خلاف پُر زور تقریریں موجود ہیں اور اُن تقریروں کی تردید یا اُن سے رجوع کا کوئی اعلان یا متعارض باتوں میں تطبیق کی کوئی صورت اس میں بیان نہیں کی گئی۔

تو اب اس اعلان کو بجز تلبیس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے اس کی توضیح کے لئے مشرقی کی دوسری کتابوں سے چند عبارتیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں، یہ عبارتیں چونکہ آخر رسالہ میں بالفاظہا پوری نقل ہیں اس لئے یہاں صرف اُن کے چند جملوں اور خلاصہ پر اکتفا کیا جاتا ہے تفصیل کے لئے اُن عبارات کے نمبروں کا حوالہ ہے:

(۱) ”عقائد کی بد معاشی کو جڑ سے اُکھڑ دیا۔ (الی قولہ) بے خوف و خطر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے جو عامل ہے اُس کا عقیدہ بھی درست ہی نہیں بلکہ اُس کو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں آج کچھ نہیں کل کچھ نہیں، ابد الابد تک کچھ نہیں۔“ (تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۸۶ و صفحہ ۸۷ عبارت یکم)

اور دیباچہ اُردو صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۹۸ میں ہے:

(۲) کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک کوئی عبادت نہیں۔ (عبارت سوم)

(۳) توحید قلوب کے اندر پیہم بُت شکنی کرتے رہنا ہے یہی عبادتِ خدا ہے۔ تذکرہ صفحہ ۹۸ (عبارت سوم)

اور بت شکنی سے مراد مشرقی کے نزدیک صرف خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے جیسا کہ خود اشارات صفحہ ۹۳ تا ۹۹ میں تصریح کی ہے۔

نیز اشارات کے انہیں صفحات میں اپنی خیالی اور اصطلاحی توحید کو اس طرح واضح کیا ہے کہ:

”پس جب توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی بُت نہ رہے اور جب خدا تعالیٰ کو ماننے کے کوئی دوسرے معنی لینا ناممکن ہے تو مسلمان اس وقت یقیناً ایک خدا کو ماننے والے نہیں (اس کے بعد مشرکین اور بُت پرست اقوام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں) اُن میں تیس کروڑ دیوتاؤں کی پرستش کے باوجود سب کا طریق عمل ایک ہے تو اس لئے اُن کے تیس کروڑ بُت دراصل بت نہیں رہے (الی قولہ) الغرض اُن کی راہ ایک، کام ایک منہا ایک ہے، اس لئے اُن کا آقا ایک اور حاکم ایک ہے، خدا ایک ہے، دین ایک ہے، (پھر لکھا ہے) ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے وہ دین اسلام پر چل رہی ہے، اُن کو مشرک یا بُت پرست کہنا اندھا پن ہے۔“

(اشارات صفحہ ۹۹ عبارت نہم)

نیز تذکرہ عربی صفحہ ۷۷ کے حوالہ سے عبارت بست و ششم میں ہے فلا واللہ ماہو الا قد بنی الاسلام علی عشرة اصول التوحید فی العمل من دون القول۔

(۴) ”اسلام (۱) کی بنیاد اُن چیزوں پر نہیں جو تم کہتے ہو اور کلمہ شہادت، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ جن کو تم ارکانِ اسلام کہتے ہو وہ ارکانِ اسلام نہیں، بلکہ محض اُمت محمدیہ کی علامت اور عبادت کا طریق خاص ہے جس کے ذریعہ تمہاری اُمت دوسری اُمتوں سے ممتاز ہوتی ہے، لیکن اسلام کی بنیاد اُن چیزوں پر ہرگز نہیں۔ تذکرہ عربی صفحہ ۷۷ (عبارت بست و ششم)

پس کلمہ شہادت کوئی چیز نہیں بجز اس کے کہ وہ اتحادِ عمل کا مظہر ہے اور انسان کے دلی راز کا مصداق اور روزہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ نفس کے ساتھ جہاد اور اُس پر محاسبہ ہے اور نماز کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ قوم کو متحد کرنا اور امام کی اطاعت ہے اور زکوٰۃ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ جہاد بالمال ہے اور حج کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اتحادِ قومی کا مظاہرہ ہے اور یہ تمام ارکانِ اسلام محض تنظیمِ جماعت اور اتحادِ قومی اور تقویتِ قوم کے لئے صرف اس واسطے قائم کئے گئے کہ یہ لوگ زمین پر مستقل اور بادشاہ بن کر رہیں۔“ تذکرہ عربی صفحہ ۷۷ (عبارت بست و ہفتم)

اور یہی مضمون عبارت ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ میں مذکور ہے:

عبارت مندرجہ بالا (۱) سے معلوم ہوا کہ مشرقی کے نزدیک عقائد سرے سے کوئی چیز ہی نہیں تو پھر معلوم نہیں کہ یہ اپنے عقائد کا اعلان کیسا ہے اور کیوں ہے؟ کیا فقط مسلمانوں کو یہ سننے کے لئے کہ میں بھی عقائد رکھتا ہوں۔

عبارت (۲) سے معلوم ہوا کہ اقوال و کلمات اور خود کلمہ شہادت کوئی عبادت نہیں تو

(۱) عربی عبارت مختصر لکھی گئی ہے ترجمہ پوری عبارت کا لکھا گیا ہے ۱۲ منہ

پھر یہ کلمہ شہادت کو اپنے عقائد و ایمان کا جزو بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟۔

عبارت (۳) سے معلوم ہوا کہ عقیدہ نمبر ۱ یعنی اللہ تعالیٰ ایک لاشریک ہے جس کو توحید سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ وہ توحید نہیں جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے موافق تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے بلکہ مشرقی کی توحید کوئی ایسی چیز ہے جس کی رو سے آج کل کے چالیس کروڑ مسلمان تو موحد نہیں ہیں اور تیس کروڑ دیوتاؤں کے پوجنے والے موحد و مسلمان ہیں۔

عبارت (۴) سے واضح ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جن کو اس اعلان میں مشرقی نے ارکان اسلام مانا ہے، اول تو وہ درحقیقت ارکان اسلام نہیں اور جو کچھ بھی ہیں ان کے معنی نہیں جو تیرہ سو برس سے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے سمجھے تھے، بلکہ کچھ جی قواعد اور خالص سیاسی مقاصد کا نام ہے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) اس کے علاوہ پھر الفاظ ہیں کہ ان پر عمل صحیح ہے جو بہت ہی مبہم لفظ ہیں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فرضیت کا انکار ہے من صحیح اور جائز مانتے ہیں پھر یہ بھی متعین نہیں کہ ان پر عمل کے وہی معنی ہیں جو بحوالہ اراستہ تذکرہ وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں یعنی وحدت قومی اور حصول سلطنت کے لئے شش کرنا یا ان پر عمل سے مراد وہی صورت شرعیہ ہے جو عام مسلمان سمجھتے ہیں۔

اب عقائد مندرجہ اعلان میں سے صرف دو چیزیں باقی رہیں ایک یہ کہ حضرت محمد آخری نبی ہیں، دوسرے یہ کہ روز قیامت برحق ہے۔

لیکن جب کہ تذکرہ اور مشرقی کی دوسری تصانیف میں آنحضرت ﷺ کے سمجھائے قرآنی معنی اور آپ کے بہت سے احکام کی صریح مخالفت آپ کی سنتوں کا تمسخر زاء بصراحت موجود ہے تو پھر معلوم نہیں کہ آپ کو آخری نبی ماننے کا کیا مطلب ہے ہے کہ کسی نبی کو ماننے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ وہ ایک انسان تھے فلاں شہر میں پیدا ہوئے تھے ایسا حلیہ تھا۔

بلکہ نبی کو ماننے اور اُس کی نبوت کا اعتقاد رکھنے کے معنی جو خود قرآن نے بتلائے ہیں یہ ہیں کہ اُس کے ہر حکم کو بے حیل و حجت ٹھنڈے دل سے تسلیم کر لے اور اُس کے عین ہدایت ہونے میں ذرا تاثر نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فلا وربک لا یؤمنون (الیٰ) قولہ) ویسلموا تسلیماً۔

الغرض رسول کے بتلائے ہوئے معانی، قرآن اور اُس کے لائے ہوئے احکام کی مخالفت اور تمسخر و استہزاء کے ساتھ شرعی اور اسلامی اصطلاح میں تو نبی ہونے کا عقیدہ جمع نہیں ہو سکتا، ہاں ممکن ہے کہ توحید کی طرح مشرقی کے نزدیک اقرار نبوت کی بھی کوئی خاص اصطلاح ہو جس کے ساتھ یہ سب چیزیں کھپ سکیں۔

اسی طرح روز قیامت برحق ہونے کے الفاظ کا اگر مطلب یہ ہو کہ اُس روز کے متعلق جس قدر تفصیل احوال و احوال کی قرآن اور احادیث صحیحہ قطعہ میں مذکور ہے وہ سب حق ہے تو بے شک یہ عقیدہ صحیح ہے ورنہ اُس شخص کے لئے جس کو احوال قیامت کی تفصیل مندرجہ قرآن و حدیث معلوم ہو اُس کے لئے صرف یہ عقیدہ کافی نہیں کہ روز قیامت برحق ہے، ہاں عوام اور جہلاء جن کو اس کی تفصیل معلوم ہی نہ ہو اُن کے لئے البتہ اتنا ہی اجمال کافی ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ جس عقیدہ پر تمام دنیا کے مولوی اتفاق ثابت کر دیں وہی میرا عقیدہ ہے بجز اس کے کہ جس طرح مولوی کے ساتھ دوسرے کلمات تمسخر اُن کی کتابوں میں مذکور ہیں یہ بھی ایسا ہی ایک کلمہ ہے اور کیا کہا جاسکتا ہے نہ تو کوئی تمام دنیا میں گشت لگا کر ہر قریہ اور بستی کے مولویوں کی فہرست جمع کرے گا اور نہ اُن سب کی کوئی کانفرنس کہیں منعقد ہوگی اور نہ کوئی عقیدہ ثابت ہوگا، خود ہی انصاف سے کہہ دیں کہ کیا کسی عقیدہ کو ثابت ماننے یا کسی کام کو کرنے کا یہی طریقہ ہے یا محض سر سے بلا ٹالنے کا ایک بہانہ ہے خود مشرقی صاحب نے جو اسلام کے دس ارکان تذکرہ عربی صفحہ ۵۷ میں قرار دے کر بڑے شد و مد

سے کہا ہے کہ اسلام صرف یہی ہے اس کے سوا کوئی اسلام اسلام نہیں، کیا اُن دس ارکان کے اعتقاد پر تمام دنیا کے مولویوں کا اتفاق طلب کیا تھا اور اتفاق ثابت ہونے کے بعد یہ عقیدہ قائم کیا ہے یا اب وہ تمام دنیا کے مولویوں کا اُس پر اتفاق ثابت کر سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس طرح پر تو نہ دنیا کا کوئی کام ہو سکتا ہے نہ دین کا، مولویوں ہی کی کیا خصوصیت ہے، کوئی شخص کہے کہ میں تو سنگھیا کو اُس وقت قاتل مانوں گا جب ساری دنیا کے طبیب ڈاکٹر اس پر اتفاق ثابت کر دیں، کیا اُس کے کلام کا یہی مطلب نہ سمجھا جائے گا کہ وہ اُس کے قاتل ماننے کا منکر ہے اور اسی انکار کا یہ بہانہ بنایا ہے۔

الغرض اس عقیدہ کے متعلق جو اجمالی کلمات لکھے ہیں اُن میں دونوں احتمال ہیں کہ صحیح و کافی ہوں یا یہ بھی محض تلپیس ہو، حقیقت حال کا علم صرف علیم و خیر ہی کو ہے وہ ہی اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا اور نیتوں کو پہچانتا ہے۔

خلاصہ:..... یہ ہے کہ مشرقی کا یہ اعلان عقائد الزامات سے اُس وقت تک بری نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنی سابقہ کتابوں سے تبری کا اعلان نہ کریں اور یہ کہ اُن کے الفاظ مندرجہ اعلان انہیں معنوں میں ہیں جن میں تمام اُمت محمدیہ کے مسلمان لیتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و حکمہ اتم و احکم ومنہ الہدایہ فی البدایہ والنہایہ.

دوسرا باب

جماعت خاکساران اور تحریک خاکساری کا شرعی حکم

جماعت خاکساران جو مشرقی کی زیر ہدایت عسکری تنظیم میں شریک ہیں ان کا کوئی مشترک حکم نہیں ہو سکتا بلکہ اُن میں سے جو لوگ مشرقی کے ہم خیال وہم عقیدہ ہیں اُن کا وہی حکم ہے جو مشرقی کے متعلق مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

اور جو لوگ اُس کے ہم خیال نہیں بلکہ صرف اُس کی عسکری تنظیم اور خدمتِ خلق کے اصول کو اچھا سمجھ کر اُس کے ساتھ ہیں وہ مسلمان ہیں اسلام و ایمان سے خارج نہیں۔

لیکن بلاشبہ اپنے اسلام و ایمان کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں اور بہت سے معاصی اور بدعات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے فاسق ہیں جس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے پہلے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ (الف) خاکساری تحریک اور اُس کی عسکری تنظیم کا مقصد کیا ہے۔ (ب) اُس کا طریق کار کیا ہے۔ (ج) بظاہر اسباب اُس پر مرتب ہونے والے آثار کیا ہیں۔

یہ تین چیزیں اگر صحیح اور مطابق شرع ہیں تو ایسی جماعت کی شرکت میں مضائقہ نہیں اور اگر یہ چیزیں سب یا بعض خلاف شرع ہیں تو ظاہر ہے کہ اس جماعت کی شرکت بھی خلاف شرع ہوگی، اس لئے خاکساری تحریک کے مقصد اور طریق کار و آثار کو خود مشرقی کی تصریحات اور طرزِ عمل سے اول لکھا جاتا ہے پھر اُس کا حکم بیان کیا جائے گا۔

(۱)..... اپنے غلط مذہب ۱/ صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں:

”آخری بات جو کمپ میں واضح کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خاکسار تحریک نیا اور ٹھیکہ

خالص اور بے داغ مذہب اسلام ہے اس کے سوا کوئی مذہب مذہب اسلام نہیں، اگر اس تحریک کو مذہب اسلام سمجھ کر اختیار کرو گے تو فتح یقینی ہے“

(۲)..... غلط مذہب نمبر ۱ صفحہ ۱۰ میں ہے:

”الغرض خاکسار تحریک کا منتہا اس امر کا پھر کئی قرون کے بعد اعلان کرنا ہے کہ مولوی، پیر، ملا، مجدد، میرزا، چندہ خور لیڈر، پیشہ ور رہنما کا پچھلے سو سال کا اسلام غلط ہے۔“

نیز اسی نمبر کے صفحہ ۶ میں ہے کہ خاکسار ہندوستان میں صرف اس لئے اٹھے ہیں کہ مولوی کا اسلام غلط ہے

(۳)..... غلط مذہب نمبر ۷ صفحہ ۸ میں ہے:

”میں تمہیں مولوی کے اور حیرت انگیز فریب دکھانا چاہتا ہوں کہ اُس فریب نے اُمت محمدیہ کو کم از کم پچھلے دو سو برس سے یہ عجیب و غریب دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔“

(۴)..... نفس پرور اور خود غرض مولوی نے اس آیت (۱) کا غلط مفہوم بیان کر کے پچھلے تین سو برس کے مسلمانوں کی جماعت میں جو شرارت (الی قولہ) بے مثال فتنہ پیدا کر دیا ہے۔“ الخ غلط مذہب نمبر ۴ صفحہ ۱۔

(۵)..... غلط مذہب نمبر ۴ صفحہ ۲۱ خاکسار تحریک کے چودہ نکات کے ذیل میں لکھا ہے:

”مولوی کا آج کل کا بتایا ہوا راستہ غلط ہے خاکسار سپاہی اس غلط مذہب کو صفحہ زمین سے مٹانے اور اس کی جگہ نبوی اسلام پھر رائج کرنے کے لئے اٹھا ہے۔“

(۶)..... غلط مذہب نمبر ۴ صفحہ ۷۱ میں اطاعت امیر کے متعلق لکھتے ہیں:

”مسلمان کا امیر دراصل رسول خدا ﷺ کا جانشین ہے اسی نقطہ نظر سے اس کا نام

خلیفۃ النبی ہے یہی وجہ ہے کہ جب نبی کے دیئے ہوئے حکموں اور اعمال پر خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی گرفت نہیں تو اسلام کا امیر اور خلیفۃ النبی بھی مسلمانوں کے تمام مواخذے سے باہر ہے۔“

(۷)..... اسی رسالہ کے صفحہ ۱۲ میں ہے:

اسلام میں کامل اور مکمل اطاعت کے سوا ہرگز چارہ نہیں، اسلام سرتاپا اطاعت ہے مطلق اور مجرد اطاعت ہے، بلا قید و شرط اطاعت ہے۔ (پھر صفحہ ۱۳ میں ہے) ”اب رسولوں کے بعد امیر جماعت کی اطاعت بلا قید و شرط ہے، مسلمان کو اختیار نہیں کہ اپنے امیر پر حرف زنی کر سکے۔“

(۸)..... خاکسار سالار ناجائز حکم دے سکتا ہے

”وہ بے شک مختار ناطق ہے لیکن اُس کو اپنے محلہ کی بہبودی اور تحریک کی مد نظر ہے اس لئے وہ ناجائز احکام نافذ کرنے میں اپنے ضمیر، قرآن، اسلام اور خدا تعالیٰ کی آواز کا پابند ہے۔ (قول فیصل اخباری نمبر ۴ منقول از اخبار آفتاب لکھنؤ صفحہ ۳۲، ۲۵ ستمبر ۱۳۹۷ء)۔“

(۹)..... ہر خاکسار سے جو عہد نامہ اس جماعت کی شرکت کے وقت لیا جاتا ہے اُس کی نقل قلمی ایک صاحب نے بھیجی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے بطور مجاہد محفوظ و معاون / خاکسار شامل ہوں سالار محلہ کے تمام احکام کا ہر صورت میں پابند رہوں گا۔“ الخ

مشرقی کی عبارات مرقومہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے

خاکساری تحریک کا مقصد

عقائد مشرقی کی اشاعت اور ترویج ہے

بعض ناواقف مسلمان تنظیم و عسکریت کی ظاہری صورت دیکھ کر بایں خیال اس

تحریک میں شریک ہیں کہ ہمیں مشرقی کے عقائد و خیالات سے کوئی تعلق نہیں صرف تحریک خاکسار میں شریک ہیں، مشرقی کے عقائد علیحدہ چیز ہیں اور یہ تحریک جدا۔

وہ حضرات ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ خاکساری تحریک اور عسکری تنظیم مشرقی کے عقائد سے جدا کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ جن عقائد و خیالات کو تذکرہ میں علمی رنگ کے اندر پیش کیا ہے یہ انہی خیالات کا دوسرا عملی قدم ہے تذکرہ میں اُس نے ایمان و اسلام، عبادت، توحید سب کا خلاصہ دنیوی غلبہ کے لئے اجتماعی قوت پیدا کرنا قرار دیا ہے اُسی کو اس عملی تحریک میں دہرایا ہے کہ خاکسار تحریک ٹھیٹھ خالص اور بے داغ مذہب اسلام ہے اس کو عین اسلام سمجھ کر اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ عبارت مذکورہ نمبر اسے واضح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاکساری عسکریت تذکرہ کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کھڑی کی گئی ہے اور جب تذکرہ کے مزعومہ خیالات و عقائد خلاف اسلام اور خلاف شرع ہیں جیسا کہ اصل رسالہ میں واضح کیا گیا ہے تو اُن کی عملی ترویج میں حصہ لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

تنبیہ:

دنیوی قوت و غلبہ اور سلطنت کے لئے کوشش کرنا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اگر اس قوت و غلبہ کو شرعی جہاد اور اعلیٰ کلمۃ اللہ اور احیاء شعائر میں کام لیا جائے تو یہ عین طاعت و عبادت ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو بلکہ خود دنیوی راحت و آرام ہی کے لئے یہ کوشش ہو تب بھی اس کے فی نفسہ مباح ہونے میں شبہ نہیں لیکن گناہ کی بات اور اس تمام کوشش کو خلاف شرع بنا دینے والی چیز یہ ہے کہ اس کو اس عقیدہ سے کیا جائے کہ یہ عین ایمان، عین اسلام، تمام عبادات کی غرض اصلی ہے، جس پر لازمی طور سے یہ نتیجہ مرتب ہو جو تذکرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اس عسکری تنظیم میں شریک نہ ہو وہ بے دین ہے نہ اُس کی نماز روزہ مقبول ہے، نہ ایمان و اسلام اور جو طوائف کفار عسکریت کی کوشش میں ہیں وہ مؤمن قرار پائیں۔

یہ بالکل ایسا ہے کہ بدن کی ورزش فی نفسہ جائز و مباح ہے اور اگر اُس سے دین کا کام لینا مقصود ہو تو ایک نوع سے عبادت ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر ورزش کرے اور کرائے کہ بس یہی عین ایمان اور عین اسلام اور اصلی فرض اور تمام فرائض اسلام کا مقصود بالذات ہے تو بلاشبہ اس خیالات سے ورزش کرنا بھی گناہِ عظیم ہو جائے گا، کیونکہ یہ قرآنی شریعت کے خلاف ایک نئی شریعت بنانا ہے۔ واللہ اعلم

خاکساری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ تین سو برس سے بلکہ تیرہ سو برس سے جس چیز کو اُمت نے اسلام سمجھا ہے اُس کو غلط ثابت کر دیں اور علماء اسلام پر جہاد کریں۔

عبارت نمبر ۲ میں صاف مذکور ہے کہ خاکساری تحریک اس لئے اُٹھی ہے کہ سو سال سے علماء اسلام نے جس چیز کو اسلام اور قرآن سمجھا اور سمجھایا ہے اُسے غلط ثابت کر دیا جائے اور عبارت نمبر ۳ میں آگے بڑھ کر دو سو برس کے علماء کے پیش کئے ہوئے اسلام کو غلط قرار دے کر خاکساری فوج کو اُس کے خلاف جہاد پر ابھارا گیا ہے اور نمبر ۴ میں اس سے بھی آگے ترقی کر کے تین سو برس کے مولویوں کے بتلائے ہوئے اسلام کے خلاف جہاد کی تلقین ہے۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ اقوال میں تعارض کیوں ہے بحث یہ ہے کہ مشرقی کے نزدیک تین سو برس سے علماء اسلام نے جو کچھ اسلام اور قرآن کو سمجھا اور سمجھایا ہے وہ سب غلط ہے اور خاکساری فوج سے اُس کے خلاف جہاد کرانا منظور ہے۔ یہ تو وہ بیان ہے جس میں براہِ راست خاکساری فوج مخاطب ہیں اور اگر اس کے ساتھ تذکرہ دیباچہ اُردو کی عبارت صفحہ ۹ کو ملا لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدریجی رفتار کسی مصلحت کی بناء پر اختیار کی گئی ہے ورنہ مشرقی کے نزدیک تیرہ سو برس کے کل علماء کا

اسلام ہی سرے سے غلط ہے عبارت تذکرہ یہ ہے:

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے الہی اور نبوی تحیل پر تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی خلفائے راشدین کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس الہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُس وقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چکا تھا۔ (دیباچہ تذکرہ اردو صفحہ ۹)

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اسلام اور قرآن مشرقی نظریہ کے موافق جب (معاذ اللہ) ایک ایسی چیستان اور معنی ہے کہ جس کو تیرہ سو برس کے اربوں پدموں مسلمان اور اُن کے علماء جن میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین سب ہی داخل ہیں، حل نہ کر سکے سب کے سب غلط سمجھتے سمجھاتے آئے تو آج اس اطمینان کا کیا ذریعہ ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد جو مشرقی نے اسلام اور قرآن کو سمجھا ہے وہ صحیح ہے، درحقیقت یہ تو اسلام اور قرآن کو ایک مضحکہ بنانا ہے۔ نعوذ باللہ منہ

الغرض وہ اسلام اور قرآن جو تیرہ سو برس سے علمائے اُمت سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں وہ غلط ہے یا صحیح، مگر اس میں تو شبہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان قوم کا مذہب و دین تو وہی اسلام اور وہی قرآن ہے، مشرقی اسی اسلام اور قرآن کو غلط ثابت کر کے خاکساری فوج کو اُس کے خلاف جہاد کے لئے تیار کر رہا ہے اور مولوی کا غلط مذہب کے نام سے جو اُن کی بہت سے سلسلہ وار نمبر شائع ہوئے ہیں وہ اس جہاد کی تعلیم و تلقین سے بھرے ہوئے ہیں۔

اس لئے خاکساری جماعت کے وہ حضرات جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو مشرقی کے عقیدوں سے کوئی واسطہ نہیں، ہم تو محض عسکری تنظیم میں اُس کے شریک ہیں (اور خود مشرقی کی بھی چند عبارتیں ایسی ہیں جن سے ان لوگوں کو یہ دھوکہ ہوا ہے) وہ دیکھ لیں کہ مشرقی کی عسکری تنظیم کا مقصد اور مُنتہا کیا چیز ہے۔ وہ یہ بھی اعلان کرتے جاتے ہیں کہ ہمیں کسی فرقہ کے عقائد سے کچھ واسطہ نہیں اور بڑے شدد و مد سے خاکسار فوج کو مولویوں کے بتلائے ہوئے اسلام کے خلاف جہاد پر آمادہ بھی کرتے جاتے ہیں، پھر معلوم نہیں کہ عقائد سے

واسطہ نہ رکھنے کا کیا مطلب ہے۔

عبارات نمبر ۶ و ۷ و ۸ و ۹ سے واضح ہے کہ مشرقی کے نزدیک امیر کی اطاعت بالکل اُسی شان سے ضروری ہے جس طر ایک معصوم نبی اور رسول کی کہ اُس کے ہر حکم کو بلا شرط و قید کے مانا جائے اور اُمتی کو اس کا کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ اُس میں کوئی چون و چرا کر سکے اور اسی طاعتِ مطلقہ کا عہد ہر خاکسار سے لیا جاتا ہے۔

اول تو ایسی اطاعتِ مطلقہ اور اُس کا عہد کسی غیر نبی سے خواہ وہ کتنا ہی عالم، متقی بلکہ صحابی ہی کیوں نہ ہو شرعاً ہرگز جائز نہیں، صحیح حدیث میں ہے:

لا طاعة في معصية انما الطاعة في المعروف۔ (رواہ البخاری و مسلم مشکوٰۃ)

گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف جائز کاموں میں ہو سکتی ہے۔

نیز صحیح حدیث میں ہے:

السمع والطاعة على المرأ المسلم فيما احب او كره مالم يؤمر بمعصية
فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ (بخاری، مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ ۳۱)

مسلمان کے ذمہ تسلیم و اطاعت واجب ہے خواہ وہ حکم اپنے خواہش کے موافق ہو یا مخالف جب تک کہ اُس کو کسی گناہ کا حکم نہ کیا جائے اور اگر کسی گناہ کا حکم کیا جائے تو نہ تسلیم کرنا جائز ہے اور نہ اطاعت کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امیر کی اطاعت اُسی حد تک واجب ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف حکم نہ کرے ورنہ اُس کی اطاعت واجب کیا جائز بھی نہیں۔

رہا مشرقی کا یہ سوال کہ جب ہر شخص کو اس کا اختیار دیا جائے کہ قرآن و حدیث کھو کر امام و امیر کو سبق پڑھائے تو نظم قائم نہیں رہ سکتا، اُس کا حل خود حدیث کے اشارات کے موافق حضرات فقہاء نے یہ کر دیا ہے کہ امیر اگر کوئی ایسا حکم دے جو مجتہدین اُمت کے مختلف فیہ ہے تو اُس کی اطاعت کرنا لازم ہے، اگرچہ اس کے فقہی مذہب کے خلاف ہو،

حکم دے کہ آئین بالجہر کیا کرو تو حنفی کو اطاعت کرنا لازم ہوگا

لیکن اگر کوئی ایسا حکم کرے جو باجماع علمائے امت معصیت ہے اور اُس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں وہاں اطاعت کرنا اُس کو نبی یا خدا ماننے کا مرادف ہے اس لئے اُس کا تحمل نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ نظم میں کچھ خلل بھی پڑے، کیونکہ قومی نظم سے دین مقصود ہے نہ کہ دین سے قومی نظم۔

اور جب بڑے سے بڑے عالم متقی کی اطاعت مطلقہ اور اُس کا عہد بنص حدیث جائز نہیں تو کسی ایسے شخص کی اطاعت مطلقہ کیسے جائز ہو سکتی ہے جس کے عقائد بھی خلاف اسلام اور ملحدانہ ہوں، بلکہ ایسے شخص کو تو امیر (۱) بنانا جائز کاموں میں بھی جائز نہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے ولا تطع منهم اثماً او کفورا

(ترجمہ) اُن میں سے کسی گنہگار یا کافر کی اطاعت نہ کرو، اور حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی تعظیم کرنا اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنے پر اعانت کرنا ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱) امیر و متبوع بنانا تو ایسے لوگوں کو کسی حال جائز نہیں، باقی رہا یہ مسئلہ کہ اُن سے کسی معاملہ میں استعانت و تعاون کرنا، سو یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مسلمانوں کے زیر علم و زیر حکم رہ کر خادموں کی طرح کام کریں برابر کے سہیم و شریک نہ سمجھے جائیں، جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے سیرکبیر میں فرمایا ہے:

ولا باس بان يستعين المسلمون باهل الشرك على اهل الشرك اذا كان حكم الاسلام هو الظاهر عليهم۔ (شرح سیر صفحہ ۷۸۶ جلد ۳)

اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ مسلمان اہل شرک کے مقابلہ میں دوسری مشرک قوم سے مدد لیں مگر شرط یہ ہے کہ حکم اسلام سب پر غالب ہو۔

تنبیہ: یہ حکم اصلی کفار سے استعانت کا ہے مرتدین کا یہ حکم نہیں مگر دار الحرب میں مرتد کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو کافر اصلی کا ہے، جیسا کہ شامی باب المرتد صفحہ ۴۴ جلد ۳ سے مستفاد ہے، نیز شرح سیرکبیر میں ہے وعلی هذا لو نقض الذمی العهد ولحق بدار الحرب مع بعض اولاده صار حربيا فكان الجواب فيه وفي المسلم الذي ارتدو لحق بدار الحرب سواء۔ (شرح سیر صفحہ ۳۵ جلد ۴) ترجمہ: اس بناء پر اگر ذمی نے عہد توڑ دیا اور اپنی اولاد کے ساتھ دار الحرب میں چلا گیا تو وہ حربی ہو گیا اور یہی حکم اُس شخص کا ہے جو مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا۔ ۱۲ منہ

خلاصہ

یہ ہے کہ تحریک خاکساری کا مقصد بھی خلاف شرع ہے اور طریق کار بھی اور اُس پر مرتب ہونے والے آثار بھی، کیونکہ:

مقاصد

تو یہ ہیں کہ (الف) تذکرہ کے عقائد کی عملی ترویج۔ (ب) اور تیرہ سو برس کے اسلام کو غلط ثابت کیا جائے۔

طریق کار

یہ ہے کہ (الف) ایک ملحد و زندیق کو امیر المؤمنین خلیفۃ النبی بنایا جائے۔ (ب) اُس کی اطاعت ہر جائز و ناجائز کام میں بے چون و چرا کیا جائے۔ اُس کو غلطی سے عمر معصوم قرار دیا جائے۔

آثار

یہ ہیں جو مشاہد ہیں کہ جو لوگ ابتداء محض خدمت خلق اور جہاد کا جذبہ لے کر اس تحریک میں داخل ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ مشرقی کے مکائد کا شکار ہو کر اُس کے عقائد و خیالات کی بھی حمایت کرنے لگتے ہیں اور اُن کی اشاعت و ترویج میں بے تامل ہوتے لیتے ہیں اور اُن کے جہاد کا رخ بجائے کفار کے مسلمانوں کی طرف نظر آتا ہے، علماء امت سے نفرت اُن کا شعار ہو جاتا ہے، اُن کے بتلائے ہوئے احکام حلال و حرام کو حقار کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مشرقی کی طرح تمسخر کرتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تمام امور خود بھی سخت گناہ اور کبائر ہیں اور آئندہ دوسرے معاذ کی طرف کھینچنے والے، بلکہ سرے سے ایمان و اسلام کو خطرہ میں ڈالنے والے ہیں، اس

خاکساری تحریک کی موجودہ صورت میں شرکت قطعاً حرام و ناجائز ہے، بلکہ ایمان و اسلام کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو لوگ ناواقفیت سے اُس میں شریک ہو گئے ہیں وہ حقیقت کا مطالعہ غور سے کریں اور فوراً اُس سے علیحدہ ہو جائیں اور توبہ کریں۔

البتہ خدمتِ خلق اور تنظیم و اجتماع اور مسلمانوں میں عسکری قوت پیدا کرنے کا جذبہ ایک مبارک اور نہایت اہم جذبہ ہے اس کو فنا نہ ہونے دیں، بلکہ اس وقت ملک میں بہت سی جماعتوں نے بھی عسکری تنظیم اور فوجی پریڈ وغیرہ کا انتظام و اہتمام شروع کر دیا ہے، اُن میں سے کسی جماعت کے ماتحت یہ کام اخلاص کے ساتھ کریں اور خوب سمجھ لیں کہ عمل سے پہلے اُس عمل کی غرض و مقصد کا صحیح ہونا ضروری ہے ورنہ محض عمل سے تو دنیا کی کوئی کافرو گمراہ قوم خالی نہیں، یا اللہ! مسلمانوں کو بصیرت اور حق و باطل میں امتیاز عطا فرما۔

انہ لا ملجأ ولا منجا منك الا اليك واخرو دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

حررہ العبد الضعیف

محمد شفیع الدیوبندی عفا اللہ عنہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ

ضمیمہ ثانیہ

ابھی رسالہ چھپ کر مکمل نہ ہوا تھا کہ دو چیزیں قابل ذکر اور سامنے آئیں، ایک تو خاکسار جماعت کے متعلق کچھ حالات نئے معلوم ہوئے، دوسرے ایک سوال تفسیر ترجمان القرآن مصنفہ ابوالکلام آزاد کے متعلق اس مضمون کا آیا کہ جن عقائد و خیالات کی وجہ سے مشرقی کو علماء کافرو ملحد کہتے ہیں اُن میں بعض میں ابوالکلام آزاد بھی مشرقی کے ہم عقیدہ وہم خیال نظر آتے ہیں جس کو سائل نے تفسیر ابوالکلام کے حوالوں سے ثابت کیا ہے اس لئے ان دونوں چیزوں کے متعلق بھی بمشورہ اکابر علماء رائے ظاہر کی جاتی ہے:

اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

جماعت خاکساران کے حکم میں تفصیل

اصل رسالہ میں خاکساروں کے متعلق یہ تفصیل تو پہلے ہی آچکی ہے کہ ان میں سے جو مشرقی کے ہم عقیدہ ہیں اُن کا وہی حکم ہے جو مشرقی کا ہے اور جو ہم عقیدہ نہیں بلکہ صرف عسکری تنظیم اور خدمتِ خلق کو اصول اچھا سمجھ کر اُس کے ساتھ اطاعتِ مطلقہ کا عہد کئے ہوئے ہیں وہ فاسق ہیں، مگر حال میں متعدد و معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب سے یورپی گورنمنٹ نے خاکساروں کا داخلہ یورپی میں قانوناً بند کیا۔ اور خاکساروں نے اُس کی قانون شکنی شروع کی اور اس سلسلہ میں اُن کے کچھ لوگ مقتول بھی ہو گئے تو ہندوستان کے اطراف اور بالخصوص بلادِ سرحد میں خاکساروں کی حمایت محض اس بناء پر شروع ہو گئی کہ اُن کو مظلوم سمجھا گیا اور اُن پر فائر کا حکم دینے کو حکومت کا بیجا تشدد قرار دیا گیا، اس بناء پر بہت سے مسلمان اُن کی حمایت کے لئے جتھے بنا کر قانون شکنی کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور قابل

اعتماد روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے مجالس عامہ میں یہ تقریریں کیں کہ ہمیں مشرقی کے خیالات و عقائد سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں بلکہ ہم اُن خیالات سے متنفر ہیں اور نہ ہم نے اُس سے اطاعتِ مطلقہ کا کوئی عہد کیا ہے بلکہ اگر وہ خلاف اسلام کوئی حکم دے تو ہم ہرگز اُس کے ماننے کے لئے تیار نہیں، ہماری غرض صرف مظلوم کی حمایت اور مسلمانوں کی بمقابلہ ہنود تقویت ہے اور بس۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس تیسری قسم کے خاکساروں کا وہ حکم نہیں جو رسالہ میں لکھا گیا ہے یعنی ایسے لوگوں کو مطلقاً فاسق بھی نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے علی گڑھ کالج کے ہر تعلیم یافتہ کو بانی کالج کا ہم عقیدہ اور اُس کے حکم میں کہنا درست نہیں بلکہ ہر شخص کے عقائد و اعمال کے موافق اس کا حکم جدا ہے، اسی طرح محض تحریک خاکساری میں داخل ہونے کی وجہ سے سب خاکساروں کا کوئی ایک حکم کلی نہیں ہو سکتا بلکہ اُن کا حکم شخصی حالات کے تابع ہوگا جس کی تفصیل اب تک جو حالات معلوم ہوئے اُس کے موافق یہ ہے کہ (۱) اُن میں سے جو لوگ مشرقی کے ہم عقیدہ ہیں اُن کا وہی حکم ہے جو مشرقی کا لکھا گیا ہے کہ وہ ملحد اور مخالف اسلام ہیں اور (۲) جو لوگ اُس کے ہم عقیدہ نہیں بلکہ صرف اُس کی عسکری تنظیم میں اطاعتِ مطلقہ کے عہد کے ساتھ شریک ہیں وہ فاسق ہیں۔ (۳) اور جو اُس کے نہ ہم عقیدہ ہیں نہ اُس کے ہم خیال اور نہ اُس کی اطاعتِ مطلقہ کا عہد انہوں نے کیا ہے وہ فاسق بھی نہیں۔

البتہ تجربہ کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ یہ تیسری قسم کے خاکسار بھی اپنے دین و ایمان کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں کیونکہ کسی تحریک کا قائد جب اپنے خصوصی عقائد و خیالات کی تبلیغ بھی کرتا ہے تو اُس کی زیر قیادت کام کرنے والے بہت آسانی سے اُس کے جال میں آسکتے ہیں اور شدہ شدہ اُس کے ہم خیال ہو جائیں تو بعید نہیں، علاوہ ازیں جس مقصد کے لئے یہ لوگ اپنی جانوں کی قربانی کے لئے تیار ہوئے ہیں وہ مقصد بھی کسی طرح مشرقی کی قیادت

میں حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ مشرقی کے مقصد اور ان کے مقصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مشرقی کا مقصد تین سو بلکہ تیرہ سو برس کے اسلام کو مٹا کر ایک جدید اسلام کی تعمیر کرنا ہے جو محض مشرقی کے تخیل نے پیدا کیا ہے اور یہ حضرات اُسی قدیم اسلام کی حمایت و نصرت کا جذبہ لے کر اُٹھے ہیں اس لئے اگر ان لوگوں کا مقصد واقعی اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و تقویت ہے تو انہیں لازم ہے کہ اپنا قائد بدلیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

تفسیر ترجمان القرآن مصنفہ ابوالکلام آزاد کے متعلق سوال و جواب

تمہید

طبع رسالہ ہذا کے بعد اور اشاعت عامہ کے قبل بعض خاص اصحاب نے مضامین رسالہ پر مطلع ہو کر ایک سوال پیش کیا جس کا جواب بھی دیا گیا، بمناسبت مقام رسالہ کے ساتھ اُس کا الحاق بھی مفید معلوم ہوا چنانچہ ذیل میں سوال و جواب دونوں منقول ہیں:

سوال

رسالہ ہذا میں مشرقی کے جو اقوال صفحہ ۲، ۱۸، ۳۳، ۲۷ و صفحہ ۳۳ میں نقل کئے گئے ہیں بعض عبارات انہیں کی نظیر تفسیر ترجمان القرآن تالیف ابوالکلام آزاد میں بھی پائی جاتی ہیں گویا تافرق ہے کہ مشرقی کے کلام میں بہت زیادہ صریح اور قبیح عنوان سے مذکور ہیں اور تفسیر مذکور میں نہایت ہوشیاری سے اُن پر ایک قسم کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے مگر

بھی اُن کے مدلولات میں ایسا تین اور تعین ہے کہ وہ پردہ سے نفوذ کر کے عام نظروں تک پہنچ جاتے ہیں حتیٰ کہ جن کو دین اور علم سے کوئی مس نہیں اُن سے بھی مخفی نہیں رہ سکے، مثلاً گاندھی نے بھی اُس سے یہی سمجھ کر اپنی تقریر میں اُس کو ظاہر کیا، جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا، ایسی عبارتیں تفسیر مذکور میں کثرت سے ہیں اُن میں سے بعض بطور نمونہ کے اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔ وہی ہذہ۔

(۱) تفسیر سورہ فاتحہ صفحہ ۵۴ میں لکھتے ہیں:

”اُس نے (یعنی قرآن نے) کسی مذہب کے پیروں سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ، نیا اصول قبول کرے بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کار بند ہو جائے۔“ وہ کہتا ہے کہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو میرا کام پورا ہو گیا، کیونکہ میرا پیام کوئی نیا پیام نہیں ہے، وہ وہی قدیم اور عالمگیر پیام ہے جو تمام بانیان مذہب دے چکے ہیں۔ انتہی

(۲) نیز تفسیر سورہ فاتحہ صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں۔

”اُس نے (قرآن نے) نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں اُس نے کہا کہ دین خدا کی بخشش عام ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو۔“

(۳) عبارت مذکورہ نمبر ۲ ہی کے سلسلہ کلام میں چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

اُس نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اُس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں، وہ کہتا ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروان مذہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا تمام مذہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ الدین اور الاسلام کے نام سے پکارتا ہے۔“ انتہی

عبارات مذکورہ میں کھلے طور پر دعوے کئے گئے ہیں:

اول: یہ کہ تمام مذہب سچے ہیں اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ مذاہب سے مراد مذاہب انبیاء علیہم السلام اور مذاہب سماویہ ہی ہیں بلکہ تمام مذاہب عالم، ہندو، آریہ، آتش پرست اور تمام بُت پرست اقوام کو بھی شامل ہے جیسا کہ گاندھی نے بھی اُس سے یہی سمجھا اور شائع کیا۔

دوسرے: یہ کہ پیروان مذہب جو اپنے اپنے مذہب کی سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اگر وہ از سر نو اپنے مذہب کی تعلیم کردہ سچائی کو اختیار کر لیں تو اُن کی نجات و سعادت کے لئے کافی ہے۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہود اگر تورات پر اور نصاریٰ انجیل پر اور ہندو وید پر صحیح صحیح عمل کرنے لگیں تو سب کو نجات حاصل ہے اُن کو کوئی ضرورت نہیں کہ دین اسلام قبول کریں یہ دونوں دعوے عبارات مذکورہ میں بالکل واضح ہیں اور خط کشیدہ جملوں سے تو خصوصیت کے ساتھ متبادر ہیں۔

اور اس سے سمجھ کر گاندھی نے جو تقریر کی ہے وہ ماہوار رسالہ ترجمان القرآن مرتبہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جلد ۱۳ عدد نمبر ۱ میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:

۱۹۳۱ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو مسٹر گاندھی نے جامعہ ملیہ دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

”مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات و سعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے، لیکن مجھے اس کی سند کہیں سے نہیں ملتی تھی اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائی کا مدعی ہے لہذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام طور سے شائع کرایا ہے۔“ انتہی

اور چونکہ گاندھی کی اس تقریر کے شیوع کے بعد بھی مؤلف تفسیر مذکور کی طرف سے نہ کوئی نکیر کیا گیا، نہ اُن عبارتوں میں کوئی تاویل کی گئی نہ عنوان موجود کو موہم قرار دے کر اُس کا کوئی عذر کیا گیا اس سے ہر شخص بلزوم عادی یہی سمجھے گا کہ مؤلف کی یہی مراد ہے۔

تو کیا اس صورت حال میں ان اقوال کے قائل کا بھی وہی حکم ہوگا جو رسالہ میں مشرقی پر جاری کیا گیا ہے۔ مینو اتو جروا۔؟

الجواب

جب بناء حکم کی اقوال خاصہ ہیں تو ظاہر ہے کہ اشتراک بناء سے حکم بھی مشترک ہوگا بلکہ دونوں قائلوں میں علم و نظر کے تفاوت سے نیز تلبیس کے قصد اور عدم قصد کے تفاوت سے عجب نہیں کہ حکم مذکور میں شدت بڑھ جائے، مگر فرق اول کی بناء پر یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید مؤلف کے ذہن میں اُن عبارات میں کوئی تاویل ہو گویا بعید ہی ہو۔

نیز گاندھی کی تقریر پر مؤلف کی طرف سے نکیر کا وقوع اور ہم لوگوں کو اُس کا معلوم نہ ہونا بھی بامکان عقلی محتمل ہے، گویا بعد ہی ہو۔ ان احتمالات پر نظر کر کے ہم مزید احتیاط کے لئے خود ضابطہ کا فتویٰ دینے کی جگہ ایک دوسری صورت تحقیق حکم کے لئے تجویز کرتے ہیں اور صورت یہ ہے کہ ہم طالبان تحقیق کو مشورہ دیتے ہیں کہ اول مؤلف صاحب سے ان عبارات کے متعلق استفسار کر لیں، پھر جو جواب آئے اُس کو مع تمام صورت حال کے علماء اہل فتویٰ کی خدمت میں پیش کر کے شرعی حکم حاصل کریں اور اُس کو جلد شائع کر دیں تاکہ اُمت کو غلطی سے نجات ہو بالخصوص آئندہ نسلوں کو۔

واللہ الموفق

العبد الضعیف محمد شفیع الدیوبندی عفا اللہ عنہ

رمضان ۱۳۵۸ھ

نسخ بالخبر



فتویٰ متعلقہ

جماعت اسلامی

سوال

بگرامی خدمت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تاریخ تالیف _____ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ (مطابق مارچ ۱۹۷۵ء)
مقام تالیف _____ کراچی

گزارش آنکہ جیسا کہ حضرت والا کو معلوم ہے کہ احقر کو دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو
الہ یار میں افتاء کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے، طرح طرح کے سوالات میں اکثر یہ
سوال بھی آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت جمہور اہل سنت والجماعت کے
طریقہ پر ہے یا نہیں؟ اور مذاہب اربعہ میں سے ان کا کس مذہب سے تعلق ہے، اور ان
کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کے بارے میں ان کے رجحانات سلف صالحین کے خلاف ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟
بعض لوگ آپ کی کسی سابقہ تحریر کی بناء پر آپ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان
کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟

والسلام

احقر محمد وجیہ

از

دارالعلوم ٹنڈوالہ یار (سندھ)

مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں حضرت مفتی صاحب

رحمہ اللہ کی محتاط اور معتدل رائے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب

مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں میرے پاس سالہا سال سے سوالات آتے رہے ہیں، جن کے جواب میں اس وقت کے حالات اور ان کے بارے میں اپنی اس وقت کی معلومات کے مطابق لکھتا رہا ہوں، ان میں بعض تحریریں شائع بھی ہوئی ہیں، اور بعض نجی مکاتیب کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ اس وقت ان تمام تحریروں کو سامنے رکھنا ممکن نہیں، البتہ اس عرصہ میں احقر کو کچھ ان کی مزید تحریرات کے مطالعہ کا موقع ملا، کچھ ان کی نئی تالیفات سامنے آئیں، اور کچھ ان کے لٹریچر کے عام اثرات اور ان کی جماعت کے حالات کو مزید دیکھنے کا موقع ملا، اس مجموعہ سے اب ان کے بارے میں جو میری رائے ہے، وہ بے کم و کاست ذیل میں لکھ رہا ہوں:

میری سابقہ تحریرات اگر اس تازہ تحریر کے موافق ہوں تو فہما، اور اگر سابقہ تحریرات میں کوئی چیز اس کے خلاف محسوس ہو، تو اسے منسوخ سمجھا جائے، اور اب میری رائے کے حوالہ کے لئے صرف ذیل کی تحریر پر اعتماد کیا جائے۔

احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے سلف کے خلاف ہو، حالاں کہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس بنیادی غلطی کی بناء پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے، وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے

”خلافت و ملوکیت“ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں، بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے، اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے، وہ جمہور علمائے اہل سنت و الجماعت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔

نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا، اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے۔ اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ ان کو منکرین حدیث، قادیانیوں یا اباحیت پسند لوگوں کی صف میں کھڑا کرنا بھی میرے نزدیک درست نہیں۔ جنہوں نے سود، شراب، قمار اور اسلام کے کھلے محرمات کو حلال کرنے کے لئے قرآن و سنت میں تحریفات کی ہیں..... بلکہ ایسے لوگوں کی تردید میں ان کی تحریروں میں ایک خاص سطح تک کے نو تعلیم یافتہ حلقوں میں موثر اور مفید بھی ثابت ہوئی ہیں۔ یہ بات میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص میری اس بات کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ میں مودودی صاحب کے ان نظریات سے متفق ہوں، جو انہوں نے جمہور علمائے خلاف اختیار کئے ہیں، تو یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات ہے۔

اگرچہ جماعت کے قانون میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اصولاً جو بات مولانا مودودی صاحب کے بارے میں درست ہو، ضروری نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے بارے میں بھی درست ہو، لیکن عملی طور سے جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کے لٹریچر کو نہ صرف جماعت کا سرمایہ اور اپنے عمل کا محور بنایا ہوا ہے، بلکہ اس کی طرف سے زبانی اور تحریری مدافعت عام طرز عمل ہر جگہ مشاہدہ میں آتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے افراد ان نظریات اور تحریر سے متفق ہیں۔ البتہ اگر کچھ مستثنیٰ حضرات ایسے ہوں، جو مذکورہ

امور میں مولانا مودودی سے اختلاف رکھتے ہوں۔ اور جمہور علمائے اہل سنت کے مسلک کو اس کے مقابلے میں درست سمجھتے ہوں، تو ان پر اس رائے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

نماز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ امام اس شخص کو بنانا چاہئے، جو جمہور اہل سنت کے مسلک کا پابند ہوں۔ لہذا جو لوگ مودودی صاحب سے مذکورہ بالا امور میں متفق ہوں، انہیں باختیار خود امام بنانا درست نہیں۔ البتہ اگر کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھ لی گئی، تو نماز ہوگئی۔



یہ میری ذاتی رائے ہے، جو اپنی حد تک غور و فکر کے بعد فیما بین و بین اللہ قائم کی ہے، میں کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی اور بے احتیاطی سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اور دین کے معاملہ میں مداخلت سے بھی۔ جن حضرات کو میری اس رائے سے اتفاق نہ ہو، وہ اپنے عمل کے مختار ہیں، مجھے ان سے کوئی مباحثہ کرنا نہیں، نہ میرے قوی اور مصروفیات اس کے متحمل ہیں۔ اگر کوئی صاحب..... اس کو شائع کرنا چاہیں، تو ان سے میری درخواست ہے کہ اس کو پورا شائع کریں، ادھر اور ایا کوئی ٹکڑا شائع کر کے خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلیل

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ



وحدت امت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

میرے بزرگوار اور دوستو، یہ امر ایک حقیقت ہے اس میں کسی تواضع کا دخل نہیں کہ میں ابتداء عمر سے نہ کبھی کوئی خطیب رہا نہ واعظ، نہ بڑے مجموعوں کو خطاب کرنے کا عادی، میری پوری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری یا پھر کچھ کاغذ کالے کرنے میں، عام مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق مختلف رسائل پر تصنیف کا سلسلہ رہا اور میرے بزرگوں نے اپنے حسن ظن سے خدمتِ فتویٰ میرے سپرد فرمادی، عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں صرف ہوا،

ہمارے محترم حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اپنے حسن ظن اور کرم فرمائی سے مجھے یہاں لا بٹھایا اور جو عنوان مجھے کلام کرنے کے لیے حوالہ فرمایا وہ جس طرح اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایسا یقینی اور واضح ہے کہ اس میں دورائے ہونے کی گنجائش نہیں، اسی طرح ہمارے معاشرے میں اس کا وجود ایسا کمیاب ہے کہ اپنے معاشرے کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی، مجھے عنوان یہ دیا گیا ہے کہ امتِ اسلامیہ ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور ناقابلِ انکار حقیقت ضرور ہے مگر ہمارے حالات و واقعات دنیا کو اس کے خلاف یہ دکھلا رہے ہیں کہ یہ امت ایک ناقابلِ اجتماع تشنت ہے اپنے حالات و خصوصیات وقت سے صرف نظر کر کے مسئلہ کے دلائل پر بحث ایک نرا فلسفہ ہے جس سے ہماری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی اس لئے مجھے اس مسئلہ کے مثبت پہلو پر کچھ کلام کرنے سے زیادہ اس کے منفی پہلو و فترت و تشنت اور اس کے اسباب پر غور اور اس کے علاج کی فکر کرنا ہے۔

جہاں تک اسلام کی دعوت اتحاد اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ کل انسانوں کو ایک

تاریخ تالیف _____ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ (مطابق ۱۹۶۵ء)
مقام تالیف _____ کراچی

یہ مقالہ ایک خطاب کا مضمون ہے جو ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائل پور کے ایک جلسہ کے سامنے کیا گیا اس وقت ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ اس کو محفوظ کر لیا گیا تھا ریکارڈ کی بعینہ نقل اخبار المنبر لائل پور میں شائع ہوئی اور اس کے اقتباسات پاک و ہند کے مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے بعض احباب نے اس کو مفید سمجھ کر کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تو نظر ثانی اور کچھ حذف وازد یاد کے ساتھ مندرجہ ذیل صورت میں پیش کیا گیا۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

قوم ایک خاندان ایک برادری قرار دینے کا معاملہ ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مسلمان پر مخفی ہو، قرآن کریم کے واضح الفاظ خلقکم من نفس واحدة میں تمام بنی نوع اور بنی آدم انسان کو، انما المؤمنون اخوة میں مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا گیا۔

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں رسول کریم ﷺ نے جو اس وقت کے مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع میں ہدایتی اصول ارشاد فرمائے ان میں اس بات کو بڑی اہمیت سے ذکر فرمایا کہ:

”اسلام میں کالے گورے، عربی عجمی وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں سب ایک ماں

باپ سے پیدا ہونے والے افراد ہیں“

اس ارشاد کے ذریعہ جاہلانہ وحدتیں جو نسب اور خاندان کی بنیاد پر یا وطن اور رنگ اور زبان کی بنیاد پر لوگوں نے قائم کر لی تھیں، ان سب کے بتوں کو توڑ کر صرف خدا پرستی اور دین کی وحدت کو قائم فرمایا۔

یہی وہ حقیقی وحدت ہے جو مشرق و مغرب کے تمام بنی آدم اور نوع انسان کے تمام افراد کو متحد کر کے ایک قوم، ایک برادری بنا سکتی ہے اور سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے، نسب اور وطن یا رنگ اور زبان کی بنیاد پر جو وحدتیں اہل جاہلیت نے قائم کر لی تھیں اور آج کی مزعومہ روشن خیالی کے دور میں پھر انہی کی پرستش کی جا رہی ہے، ان وحدتوں کی بنیاد پر ہی انسانوں کے طبقات میں تفرقہ ہے اور تفرقہ بھی ایسا جس کو کسی عمل اور کوشش سے مٹایا نہیں جاسکتا جو کالا ہے وہ گورا نہیں بن سکتا، جو نسب میں سید یا شیخ نہیں۔ وہ کسی سعی و عمل سے شیخ یا سید نہیں بن سکتا۔

اسلام نے ایک ایسی وحدت کی طرف دعوت دی جس میں تمام انسانی افراد بلا کسی مشقت کے شریک ہو سکتے ہیں اور یہ وحدت چونکہ ایک مالک حقیقی وحدہ لا شریک لہ کے تعلق اور اس کی اطاعت سے وابستہ ہے اس لئے بلاشبہ ناقابل تقسیم ہے۔

جو عنوان اس مجلس میں مجھے دیا گیا ہے اس کے مثبت پہلو پر تو اتنی گزارش ہی کافی سمجھتا ہوں، مگر اب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ ایک عقیدہ اور نظریہ ہے جو زبانوں پر جاری اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے، لیکن جب اپنے گرد و پیش ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے برعکس یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ملت ایک تفرقہ ہے جس میں اجتماع کا امکان دور دور نہیں، وہ ملت جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک خدا کی اطاعت پر جمع کر کے ایک برادری بنانے کی دعوت دی تھی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔

”اے ایمان والو! تم ڈرتے رہو اپنے رب سے، وہ ذات پاک جس نے پیدا کیا

تم کو ایک جان سے۔ (سورہ نساء)

اور پھر مسلسل دعوت اور افہام و تفہیم کے باوجود جو لوگ اس برادری سے کٹ گئے، ان کو ایک جداگانہ قوم قرار دے کر خدا تعالیٰ کے ماننے والوں کو حسب دستور ایک قوم ایک ملت، ایک برادری بنا کر بنیان مرصوص سیسہ پلائی ہوئی ناقابل شکست دیوار بنایا تھا، آج وہ ملت ہی طرح طرح کے تفرقوں میں مبتلا ایک دوسرے سے بیزار اور برسر پیکار نظر آتی ہے، اس میں سیاسی پارٹیوں کے جھگڑے، نسبتی برادریوں کی تفریق، پیشوں اور کاروبار کی تقسیم، امیر غریب کا تفرقہ تو بنیاد منافر تھی ہی، زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ دین اور خدا پرستی غیروں کو اپنا بنانے اور نسبی، نسلی، وطنی اور لسانی تفرقوں کو مٹانے ہی کا نسخہ اکسیر تھا آج وہ بھی ہمارے لئے جنگ و جدل اور عداوتوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بن گیا جس نے پوری ملت کو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا اور اس سے بچنے کا کوئی علاج نظر نہیں آرہا، ہماری ہر تنظیم تفریق اور ہر اجتماع افتراق کا سامان بہم پہنچاتا ہے اور یہی وہ روگ ہے جس نے ملت اسلامیہ کو اس عظیم الشان عددی اکثریت کے باوجود پسماندہ بنایا ہوا ہے ہر قوم ہمیں اپنے میں جذب کرنے کی طمع رکھتی ہے، مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر عقائد سے لے کر اعمال و اخلاق تک ثقافت و معاشرت سے لے کر معاملات و اقتصادیات تک ہر

قوم کی یلغار ہے، ایک طرف حکومت و اقتدار اور اقتصادیات و تجارت میں ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف ملحدانہ تبلیغات کے ذریعہ ان کے عقائد و نظریات کو متزلزل اور ان کی خدا پرستی کے اصول کو نئی تعلیم و تہذیب اور خیر خواہی اور ہمدردی کے عنوان سے ہوا پرستی میں تبدیل کیا جا رہا ہے ہمارے عوام انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ اقتدار میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ علم دین سے محروم اور حقائق سے نا آشنا کر دیئے گئے، اب گھر کی دولت علم و فکر گنوا کر جو کچھ دوسروں کی طرف سے آتا ہے اسی کو سرمایہء سعادت سمجھنے لگے، خصوصاً جبکہ اس تعلیم و تہذیب کے سایہ میں نفس کی بے لگام خواہشات اور عیش و عشرت کا میدان بھی کھلا نظر آتا ہے اور ہمارے علماء اہل فکر و نظر اپنے جزوی اور فروعی اختلافات اور بہت سے غیر ضروری مسائل میں ایسے الجھ گئے کہ ان کو اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کی گویا خبر ہی نہیں۔

اسباب مرض اور علاج

آج کی اس مجلس میں ملت کا درد رکھنے والے علماء، فضلاء اور مفکرین کا اجتماع نظر آتا ہے، دل چاہتا ہے کہ ملت کے اس مرض کے اسباب اور اس کے علاج پر کچھ غور کیا جائے

امیر! جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

سب سے پہلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے، نہ مثالی جاسکتا ہے، اختلاف رائے نہ وحدت اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لئے مضر، اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے، کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ

والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس لئے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لئے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں، دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں۔

اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جاسکتا اور اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلاف رائے اگر اپنی حدود کے اندر رہے وہ کبھی کسی قوم و جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے، اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشا ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آراء سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جاسکے اگر اختلاف رائے مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

صحابہ و تابعین میں اختلاف رائے اور اس کا درجہ

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلاف رائے خود رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں امور انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے جن کا قرآن و حدیث میں صراحۃً ذکر نہ تھا یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن و سنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا عقل و دیانت کی بناء پر ناگزیر تھا۔

اذان اور نماز جیسی عبادتیں جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں اور مسجدوں میں ادا کی

جاتی ہیں۔ ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد کا خاصا اختلاف نظر آتا ہے اور اس کے اختلاف رائے پر باہمی بحث و مباحثہ میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔

ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال و حرام جائز و ناجائز میں بھی صحابہ کرام ؓ کی آراء کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، پھر صحابہ کرام ؓ کے شاگرد حضرات تابعین کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی اور کوئی ان کے بالمقابل دوسری جماعت دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کرتی تھی لیکن صحابہ ؓ و تابعین کے اس پورے خیر القرون میں اس کے بعد ائمہ مجتہدین اور ان کے پیروں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے روکتے ہوں یا کوئی مسجد میں آنے والا لوگوں سے یہ پوچھ رہا ہو کہ یہاں کے امام اور مقتدیوں کا اذان و اقامت کے صیغوں میں قرأت فاتحہ، رفع یدین وغیرہ میں کیا مسلک ہے، ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل یا سب و شتم تو ہیں، استہزاء اور فقرہ بازی کا تو ان مقدس زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

امام ابن عبد البر قرطبی نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظ ذیل میں بیان کیا ہے:

عن یحییٰ بن سعید قال ما برح اهل الفتوى يفتون فيحل هذا و يحرم هذا فلا يرى المحرم المحل هلك لتحليله ولا يرى المحل ان المحرم هلك لتحريمه۔ (جامع العلم ص)

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے، ایک شخص غیر منصوص احکام میں، ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے

حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمدؓ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کر لیں کافی ہے کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے۔ (جامع بیان العلم)

ایک شبہ اور جواب

یہاں اصول دین اور اسباب اختلاف سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو اور جائز بھی ہو، ناجائز بھی ہو؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہوگی پھر دونوں جانب کا یکساں احترام کیسے باقی رہ سکتا ہے جس کو ایک آدمی غلط سمجھتا ہے اس کو غلط کہنا عین دیانت ہے۔

جواب یہ ہے کہ کلام مطلق حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں نہیں، کیونکہ قرآن سنت کے منصوصات اور تصریحات کے اعتبار سے کچھ چیزیں واضح طور پر حرام ہیں جیسے سود، شراب، جوا، رشوت وغیرہ، ان میں دو رائیں نہیں ہو سکتی اور نہ سلف صالحین کا ان میں کہیں اختلاف ہو سکتا تھا اور ان میں اختلاف کرنا تو دین کے پینات اور واضح نصوص کا انکار کرنا ہے جو باتفاق اُمت گمراہی اور الحاد ہے اور جو ایسا کرے اس سے بیزاری اور برأت کا اعلان کرنا عین تقاضائے ایمان ہے، اس میں رواداری ممنوع ہے۔

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف رائے کا احترام صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قرآن و سنت میں صراحۃً مذکور نہیں یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال و ابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح و تفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہو سکتا یا دو آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے ان سب صورتوں میں مجتہد عالم کو قرآن و سنت کے نصوص میں مقدور بھر غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کا منشا اور مفہوم کیا ہے اور

اس سے کیا احکام نکلتے ہیں، اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک عالم مجتہد اصول اجتہاد کے مطابق قرآن و سنت اور تعامل صحابہ وغیرہ میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں کام جائز ہے اور دوسرا عالم مجتہد ان ہی اصولوں میں پورا غور و فکر کر کے اس کے ناجائز ہونے کو صحیح سمجھے، ایسی صورت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق ہیں کسی پر کوئی عتاب نہیں، جس کی رائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے اس کو دوسرا اجر و ثواب اور جس کی صحیح نہیں اس کو ایک اجر ملے گا۔ اسی سے بعض اہل علم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اجتہادی اختلافات میں دونوں متضاد قول حق و صحیح ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، تمام احکام عبادات و معاملات سے اللہ تعالیٰ کا مقصود کوئی خاص کام نہیں بلکہ بندوں کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے، جب دونوں نے اپنی اپنی غور و فکر اور قوت اجتہاد شرائط کے ساتھ خرچ کر لی تو دونوں اپنا فرض ادا کر چکے دونوں صحیح جواب ہیں، مگر جمہور امت اور ائمہ مجتہدین کی تحقیق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک حق و صحیح ہوتا ہے، تو جو لوگ اپنے اجتہاد سے اس حق کو پالیں وہ ہر حیثیت سے کامیاب اور دوسرے اجر کے مستحق ہیں اور جو مقدور بھر کوشش کے اس حد تک نہ پہنچے تو معذور ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں بلکہ ان کے سعی و عمل کا ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

ایک اہم واقعہ، اہم نکتہ

ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی، قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ فرمایا: ”میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی۔“

میں نے عرض کیا: ”حضرت بات کیا ہے؟“

فرمایا: ”ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔“

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوایگا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو ”خطاء محتمل الصواب، (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔ پھر فرمایا:

”ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کونسا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ

صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔“

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے:

”اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو، نہ مالکؒ کو، نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلا دیا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا۔“

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے واغیاران کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا وہ پھیل رہے ہیں اور گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ نے فرمایا:

یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

سلف صالحین میں اختلاف ہو تو لوگوں کو کیا کرنا چاہئے

ایسے ہی اختلاف کے متعلق جس میں صحابہ کرامؓ کی دورائیں ہوں، امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔

احد القولین خطاء و المائتہ فیہ موضوع

(جامع بیان العلم لابن عبد البرؒ ص ۸۳ ج ۲)

متضاد اقوال میں سے ایک خطا ہے مگر اس خطا کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے اور امام مالکؒ سے صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔

خطاء و صواب فانظر فی ذلک۔ (جامع بیان العلم)

ان میں بعض خطا ہیں بعض صواب و صحیح تو عمل کرنے والے اہل اجتہاد کو غور کر کے کوئی جانب متعین کرنا چاہئے۔

امام مالکؒ نے اپنے اس ارشاد میں جس طرح یہ واضح کر دیا کہ اختلاف اجتہادی میں ایک جانب صواب و صحیح اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے دونوں متضاد چیزیں صواب نہیں ہوتیں اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس اختلاف خطاء دونوں میں باہم جھگڑا اور جدل جائز نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جس کو خطا پر سمجھتا ہے اس کو نرمی اور خیر خواہی سے خطا پر متنبہ کر دے۔ پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت کرے جدال اور جھگڑا یا بد گوئی نہ کرے۔ حضرت امام کے ارشاد کا پورا متن یہ ہے

كان مالك يقول المراء و الجدل في العلم يذهب بنور العلم من

قلب العبد - وقيل له رجل له علم بالسنة فهو يجادل عنها قال ولكن

ليخبر بالسنة فان قبل منه والاسكت (اوجز المسالك شرح موطأ

حضرت امام نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم حاصل ہے کیا وہ حفاظت سنت کے لئے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے پھر وہ قبول کرے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے نزاع و جدال سے پرہیز کرے۔

محمد بن عبدالرحمن صیرفی نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ باہم مختلف ہوں تو کیا ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ان میں غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ان میں صحیح صواب کس کا قول ہے؟ تو فرمایا:

لا يجوز النظر بين اصحاب رسول الله ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے اختلاف میں لوگوں کو غور و فکر ہی نہ کرنا چاہیے صیرفی نے کہا کہ پھر عمل کس کے قول پر اور کس طرح کریں؟

تقلد اہم شئت۔ (جامع بیان العلم ص ۱۱۱ ج ۱)

ان میں سے جس کا جی چاہے اتباع کر لیجئے، (یہی کافی ہے۔)

ائمہ مجتہدین کے ان اقوال میں ابوحنیفہ اور مالک رحمہم اللہ کا مسلک تو یہ ہوا کہ جب صحابہ کرامؓ کے باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو بعد کے فقہاء کو چاہئے کہ دلائل میں غور کر کے جس کا قول سنت سے زیادہ قریب تر سمجھیں اس کو اختیار کر لیں اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں دونوں طرف جب صحابہ ہیں تو جس کا قول چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت ابی ابن کعبؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ میں ایک مسئلہ میں باہمی اختلاف ہو رہا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے سنا تو غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے اور

فرمایا کہ افسوس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں پھر ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ:

صدق ابی ولم یأل ابن مسعود

یعنی صحیح بات تو ابی ابن کعب کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعود نے بھی نہیں کی۔ پھر فرمایا کہ مگر میں آئندہ ایسے مسائل میں جھگڑا کرتا ہوا کسی کو نہ دیکھوں، ورنہ اتنی سزا دوں گا۔ (جامع العلم ص ۸۴ ج ۲)

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اجتہادی مسائل و اختلافات میں ایک قول صواب و صحیح ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں خلاف و اختلاف پر زیادہ زور دینا مقتدیانِ اہل علم کے لئے مناسب نہیں جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع و جدال کے خطرات پیدا ہو جائیں۔

امام شافعیؒ کے ایک مفصل کلام کو نقل کر کے ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کے اس کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہ کرنا چاہیے یعنی ان میں کوئی دوسرے کو یہ نہ کہے کہ آپ غلطی اور خطا پر ہیں۔ (جامع بیان العلم ص ۷۳ ج ۲) وجہ یہ ہے کہ ایسے اجتہادی مسائل میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے قول کو یقینی طور پر صواب و صحیح اور دوسرے کے قول کو یقینی طور پر خطا و غلط کہہ سکے۔ اجتہاد اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو رائے قائم کی ہے اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ رائے صحیح و صواب ہے مگر احتمال خطا اور غلطی کا بھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے کا قول صحیح و صواب ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات میں جمہور علماء کے نزدیک علم الہی کے اعتبار سے دو مختلف آراء میں سے حق تو کوئی ایک ہی ہوتی ہے مگر اس کا متعین کرنا کہ ان میں سے حق کیا ہے، اس کا یقینی ذریعہ کسی کے پاس نہیں۔ دونوں طرف خطا و صواب کا احتمال دائر ہے مجتہد اپنے غور و فکر سے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے کر عمل کے لئے اختیار کر لیتا ہے۔

ایک اہم ارشاد

استاذ الاساتذہ سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: اجتہادی مسائل اور ان کے اختلاف جن میں ہم اور عام اہل علم الجھتے رہتے ہیں اور علم کا پورا زور اس پر خرچ کرتے ہیں، ان میں صحیح و غلط کا فیصلہ دنیا میں تو کیا ہوتا میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں بھی اس کا اعلان نہیں ہوگا کیونکہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر و ثواب سے نوازا ہے اور ان کی خطا پر پردہ ڈالا ہے تو اس کریم الکرماء کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے ان مقبولان بارگاہ میں سے کسی کی خطا کا اعلان کر کے اس کو رسوا کریں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جن مسائل میں صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدینؒ کا نظری اختلاف ہوا ہے ان کا قطعی فیصلہ نہ یہاں ہوگا نہ آخرت میں، کیونکہ عمل کرنے والوں کے لئے ان میں سے ہر ایک کی رائے پر اپنی ترجیح کے مطابق عمل کر لینا جائز قرار دیدیا گیا ہے اور جس نے اس کے مطابق عمل کر لیا وہ فرض سے سبکدوش ہو گیا اس کو باجماع امت تارک فرض نہیں کہا جاسکتا۔ ان مسائل میں کوئی عالم کتنی ہی تحقیقات کرے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کی تحقیق کو یقینی حق و صواب کہا جائے اور اس کے مقابل کو باطل قرار دیا جائے، امام حدیث حافظ شمس الدینؒ ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ و تابعین کا اختلاف ہو گیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اس اختلاف کے مٹانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کو قطعی طور پر حق پر اور دوسرے کو یقینی باطل قرار دیا جائے اور یہ

ممکن نہیں ہے۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی

مذکورۃ الصدر تصریحات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس مسئلہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن و سنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے اس لئے دونوں جانبیں داخل معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جاسکتا ہے اس لئے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود ایک منکر ہے یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز و عدم جواز اور حرمت و حلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو جیسے منکرات پر کی جاتی ہے یا ایک دوسرے کو یا اس کے تبعین کو گمراہی یا فسق و فجور کی طرف منسوب کرتا ہو یا اس کو ترک و طیفہ یا ارتکاب حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبد البرؒ نے امام شافعیؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطا وار مجرم کہنا جائز نہیں۔

شرائط اجتہاد

حضرت امام شافعیؒ نے جہاں مجتہدین کے آپس میں ایک دوسرے کے تخطیہ کو نادرست قرار دیا ہے وہیں اس کی معقول وجہ اور ایک شرط کا بھی ذکر کیا ہے ان کی عبارت کا متن یہ ہے:

وفی هذا من قول الشافعیؒ دلیل علی ترك تخطئة المجتہدین بعضهم لبعض اذ کل واحد منهم قد ادی ما کلف باجتہادہ اذا کان ممن اجتمعت فیہ آلة القیاس و کان ممن لہ ان یجتہد

ویقیس (جامع العلم ص ۱۱۱)

امام شافعیؒ کے کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطا وار نہ قرار دے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہ فرض ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا یعنی اس کے اجتہاد اور قیاس کے شرائط موجود ہوں اور اہل اجتہاد کے نزدیک اس کو اجتہاد و قیاس کا حق حاصل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مختلف آراء کا یہ احترام کہ ان میں سے کسی کو منکر نہ کہا جائے اور اس کے کہنے ماننے والوں کو خطا وار نہ کہا جائے، یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو، آج کل کا سا جاہلانہ اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن و حدیث سے اس کا رابطہ کبھی نہیں رہا، اردو، انگریزی ترجموں کے سہارے قرآن و حدیث پر مشق شروع کر دی، ایسا اجتہاد خود ایک گناہ عظیم ہے اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف و شقاق ہے جس پر نکیر واجب ہے۔

سنت و بدعت کی کشمکش میں صحیح طرز عمل

ہمارے معاشرہ میں مذہب کے نام پر ایک اختلاف وہ بھی ہے جو بدعت و سنت کے عنوان سے پیدا ہوا کہ بہت سے لوگوں نے قرآن و سنت کی تعبیر میں اصول صحیح کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنالیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے اس قسم کے اختلافات بلاشبہ وہ تفرق و افتراق ہیں، جن سے قرآن و سنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے، ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید ہے لیکن قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتلایا ہے جس کے ذریعہ تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے یہ وہی اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت و تدبیر پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم قابل قبول عنوان سے قرآن کریم کے صحیح مفہوم کی طرف بلایا ہے اور آخر میں مجادلہ بالنتی ہی احسن یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے مگر افسوس کہ آج کل عام اہل علم اور

مصلحین نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء اور تمسخر و اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے، سچے، جائز و ناجائز حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا جس کے نتیجے میں جنگ و جدال کا بازار تو گرم ہو گیا مگر اصلاح خلق کا کوئی پہلو نہ نکلا۔

افتراق اُمت کے اسباب

میں نے اس تمہیدی گزارش کو اتنا طول دینا اور اتنی تفصیل سے بیان کرنا اس لئے گوارا کیا کہ مسلمانوں کے طبقات اہل دین و اصلاح اور دینی خدمات انجام دینے والوں کے مابین جو تفرقہ آج پایا جاتا ہے وہ عموماً انہیں حقائق کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

اب میں ان اسباب و عوامل کو پیش کرتا ہوں جو میرے غور و فکر کی حد تک مسلمانوں میں باہمی آویزش اور شقاق و جدال کا سبب بنے ہوئے ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ اس کو خدمت دین سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔

غلو

میرے نزدیک اس جنگ و جدل کا ایک بہت بڑا سبب فروغی اور اجتہادی مسائل میں تخریب و تعصب اور اپنی اختیار کردہ راہ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا، اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے کہ جو لوگ خود درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام مجتہد کا اتباع کریں اور جن لوگوں نے اپنے نفس کو آزادی اور ہوا پرستی سے روکنے کے لئے دینی مصلحت سمجھ کر کسی ایک امام مجتہد کا اتباع اختیار کر لیا ہے وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتی ہے، اسی طرح دوسرے مجتہد کا اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت

کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک اپنی تعلیمی اور عملی آسانیوں کے لئے ہو تو نہ اس میں کوئی مضائقہ ہے نہ کوئی تفرقہ اور نہ ملت کے لئے اس میں مضرت۔

مضرت رساں اور تباہ کن ایک تو اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اپنی رائے اور اختیار سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ و جدل اور دوسرے ان فروعی مسائل کی بحثوں میں غلو کہ سارا علم و تحقیق کا زور اور بحث و تہیص کی طاقت اور عمر کے اوقات عزیزانہی بحثوں کی نذر ہو جائیں۔ اگرچہ ایمان و اسلام کے بنیادی اور قطعی اجماعی مسائل مجروح ہو رہے ہیں کفر و الحاد دنیا میں پھیل رہا ہو، سب سے صرف نظر کر کے ہمارا علمی مشغلہ یہی فروعی بحثیں بنی رہیں جن کے متعلق مذکورۃ الصدر تفصیل میں ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان میں ہزار تحقیقات کے بعد بھی بات اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ یہ راجح ہے اور اس کے خلاف مرجوح اور اس راجح مرجوح کا بھی یقینی فیصلہ نہ دنیا میں ہو سکتا ہے، نہ برزخ میں ان کا سوال ہوگا، نہ محشر میں اس راجح مرجوح کا اعلان ہوگا۔

اسی طرح نہ ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں پر نکیر کرنا درست ہے نہ ان کو خطا کا مجرم ٹھہرانا صحیح ہے، اس وقت ہماری قوم کا برگزیدہ ترین طبقہ علماء فقہاء کا خصوصاً جو تعلیم و تصنیف میں مشغول ہیں، ان کی شبانہ روز مشغولیت کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حضرات کی علمی تحقیقات اور سعی و عمل کی ساری توانائی انہی فروعی بحثوں میں محدود نظر آئے گی۔

لمحہ فکر یہ

ان میں بعض حضرات کا غلو تو یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارک قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں جیسے کسی منکر اسلام کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور اسی کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ حضرات اسلام کی بنیادوں پر چاروں طرف سے حملہ آور طوفانوں سے باخبر نہیں یا جان بوجھ کر اغماض کرتے ہیں۔ اس وقت جبکہ ایک طرف تو کھلے ہوئے کفر، عیسائیت اور کمیونزم نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیرا ڈالا ہوا ہے، اور یہ دونوں کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں صرف پاکستان میں ہزاروں کی تعداد ہر سال مرتد ہو جاتی ہے دوسری طرف کفر، نفاق اور الحاد خود اسلام کا نام لینے والوں میں کہیں قادیانیت اور مرزائیت کے لباس میں، کہیں پرویزیت اور انکار حدیث کے عنوان سے کہیں مغرب سے لائی ہوئی ابا حیت اور تمام محرمات شرعیہ کو حلال کرنے کے طریقوں سے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور یہ الحاد، کفر و نفاق پہلے کفر سے اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ اسلام اور قرآن کے عنوان کے ساتھ آتا ہے جن کے دام میں سیدھے سادھے جاہل عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے ہمارے نو تعلیم یافتہ نوجوان بہ کثرت اس لئے آجاتے ہیں کہ نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے ان کو دینی تعلیم اور اسلامی اصول سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ مادی علوم و فنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں اور کھلے اور چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فحاشی، عریانی، ننگے ناچ، رقص و سرور کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو کے ذریعہ فلمی گانوں اور سینماؤں کی زہریلی فضاؤں سے کون ہے جو بچ نکلے۔

اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان آج سارے جرائم اور بد اخلاقیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارے بازار جھوٹ، فریب، سود، قمار سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں، ہندو بنے نہیں، اسلام کے نام لیوا ہیں، ہمارے سرکاری محکمے رشوت، ظلم و جور، کام چوری، بے رحمی اور سخت دلی کی تربیت گاہیں بنے ہوئے ہیں اور ان کے کارفرما بھی نہ انگریز ہیں نہ ہندو، محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام لینے والے روز آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے ہیں ہمارے عوام علم دین سے کورے، جہالتوں میں ڈوبے ہوئے دین کے فرائض و واجبات سے بیگانہ، مشرکانہ رسموں اور کھیل تماشوں کے دلدادہ ہیں۔

اے بسر اپردہ یثرب بخواب خیزد^(۱) کہ شد مشرق و مغرب خراب

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم غور و فکر سے کام لیں اور سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم ﷺ کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اور اگر محشر میں آپ نے ہم سے سوال کر لیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے، میری امت اس بد حالی میں مبتلا تھی، تم وراثت نبوت کے دعویدار کہاں تھے؟ تم نے اس وراثت کا کیا حق ادا کیا؟ تو کیا ہمارا یہ جواب کافی ہو جائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلہ پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلباء کو شرح جامی کی بحث حاصل و محصول خوب سمجھائی تھی، یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دلچسپ تقریریں کی تھیں یا صحافیانہ زور قلم اور فقرہ بازی کے ذریعہ دوسرے علماء و فضلاء کو خوب ذلیل کیا تھا۔

فروعی اور اجتہادی مسائل میں بحث و تمحیص گو مذموم چیز نہیں، اگر وہ اپنی حد کے اندر اخلاص سے اللہ کے لئے ہوتی لیکن جہاں ہم یہ دیکھ رہے ہوں کہ اسلام و ایمان کی بنیادیں متزلزل کر دینے والے فتنوں کی خبر ہم سنتے ہیں، اللہ و رسول کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ استہزاء و تمسخر اپنے آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں مگر ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی تو اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ فروعی بحثیں ہم اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہے ہیں، اگر ان میں کچھ للہیت اور اخلاص ہوتا تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروع سے زیادہ اصول اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے، ہم نے تو گویا علمی اور دینی خدمات کو انہیں فروعی مباحث میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور سعی و عمل کی پوری توانائی اسی پر لگا رکھی ہے، اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے لڑنا کس محاذ پر چاہیے تھا اور ہم نے

(۱) حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ارواحنا و انفسنا) سے اس انداز سے خطاب تاویلا ہی جائز ہو سکتا ہے اور جب ایک موجد اپنے الفاظ استعمال کرے گا تو اس سے مراد استعانت و استغاثہ نہیں ہوگی۔

طاقت کس محاذ پر لگادی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تو خرب و تعصب کے غلو کا نتیجہ ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق و تشتت اور جنگ و جدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر و استہزاء تک پہنچ جانا ہے جو کسی شریعت و ملت میں روا نہیں اور افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمتِ علم دین کے نام پر کیا جاتا ہے اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو ایک جہاد قرار دے کر لڑتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست و بازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر و الحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں۔

قرآن و حدیث میں اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

”اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو سارے کے سارے، اور نہ تم تفرقہ ڈالو۔“

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وصیت کا ذکر ہے جو تمام انبیاء سابقین کو کی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان اقیموا الدین ولا تفرقوا فیہ

امام تفسیر ابو العالیہؒ نے فرمایا کہ اقامت دین سے مراد اخلاص ہے، اور لا تفرقوا کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں عداوت نہ کرو، بھائی بھائی بن کر رہو۔

اس وصیت کے بعد قرآن میں بنی اسرائیل کے تفرق کا بیان کر کے اہل اسلام کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے طریقہ پر نہ جائیں، اس میں ارشاد ہے:

و ما تفرقوا الا من بعد ما جاءہم العلم بغیا بینہم۔

حضرت ابو العالیہؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لفظ بغیا بینہم میں ارشاد ہے کہ

ایسے اختلاف کا عداوت اور جنگ و جدل تک پہنچنا کبھی دین کے سبب سے نہیں ہوتا بلکہ بغیا علی الدنیا و ملکھا و زخرفھا و زینتھا و سلطانتھا (جامع العلم ص ۸۴ ج ۲) یعنی یہ عداوت جب بھی غور کرو تو اس کا سبب دنیا، حب مال یا حب جاہ ہوتا ہے جس کو نفس و شیطان خدمت دین کا عنوان دے کر مزین کر دیتا ہے ورنہ اس طرح کے مسائل میں اختلاف رائے کی حد وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، کہ مثبت طور اپنے عمل کے لئے ایک جانب کو صالح سمجھ کر اختیار کر لیں اور اس سے مختلف مسلک رکھنے والوں سے لڑتے نہ پھریں جس طرح دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے اپنے معالجہ کے لئے کسی ایک حکیم یا ڈاکٹر کا انتخاب کر کے صرف اسی کے قول پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کی ہدایات پر عمل کرتا ہے مگر دوسرے ڈاکٹروں کو برا بھلا کہتا نہیں پھرتا، ایک مقدمہ میں آپ کسی ایک شخص کو وکیل بنا کر اپنا مقدمہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں مگر دوسرے وکلاء سے لڑتے نہیں پھرتے، اجتہادی مختلف فیہ مسائل میں بھی ٹھیک یہی آپ کا طرز عمل ہونا چاہیے۔

جماعتوں کا غلو

ہماری دینی جماعتیں جو تعلیم دین یا ارشاد و تلقین یا دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے لئے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء و صلحاء اور مخلصین کام کر رہے ہیں اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامت دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں تو یہ مختلف جماعتیں اپنے اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور تقسیم عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں۔

مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے جو اپنے سعی و عمل کا ایک دائرہ اور نظام عمل

بنایا ہے عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدمت دین کو اسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں، گویا ان سے نہ کہیں، دوسری جماعتوں سے اگر جنگ و جدل بھی نہیں تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے اس کے نتیجہ میں ان جماعتوں میں بھی ایک قسم کا تشقت پایا جاتا ہے، غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگرچہ دین کی اشاعت، حفاظت اور مسلمانوں کی علمی، عملی، اخلاقی اصلاح ہی ہے لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کسی نے ایک دارالعلوم قائم کر کے تعلیم دین کی اہم خدمت انجام دی، کسی نے ایک تبلیغی جماعت بنا کر رشد و ہدایت کا فرض ادا کیا، کسی نے کوئی انجمن بنا کر احکام دین کی نشر و اشاعت کا تحریری انتظام کیا، کسی نے فتویٰ کے ذریعہ خلق خدا کو ضروری احکام بتانے کے لئے دارالافتاء قائم کیا کسی نے اسلام کے خلاف ملحدانہ تبلیغات کے جواب کے لئے تصنیفات کا یا ہفتہ واری، ماہواری رسالہ اخبار کا سلسلہ جاری کیا، یہ سب کام اگرچہ صورت میں مختلف ہیں، مگر در حقیقت ایک مقصد کے اجزاء ہیں، ان مختلف محاذوں پر جو مختلف جماعتیں کام کریں گی یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کا نظام عمل مختلف ہوگا اس لئے ہر جماعت نے بجا طور پر سہولت کے لئے اپنے اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظام عمل اور اس کے اصول و قواعد بنا رکھے ہیں اور ہر جماعت ان کی پابند ہے، یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن و سنت سے ثابت ہے اس سے انحراف کرنا قرآن و سنت کی حدود سے نکلنا ہے لیکن یہ اپنا بنایا ہوا نظام عمل اور اس کے تنظیمی اصول و قواعد نہ منصوص ہیں، نہ ان کا اتباع از روئے شرع ہر ایک کے لئے ضروری ہے بلکہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولت عمل کے لئے ان کو اختیار کر لیا ہے ان میں حسب ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں اور حالات اور ماحول بدلنے پر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام عمل بنا لینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوتا۔ مگر اس میں علمی غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظام عمل کو مقصد منصوص کا درجہ دیدیا گیا، جو شخص اس نظام عمل میں شریک نہیں اگرچہ مقصد کا کتنا ہی

عظیم کام کر رہا ہو اس کو اپنا بھائی اپنا شریک کار نہیں سمجھا جاتا، اور اگر کوئی شخص اس نظام عمل میں شریک تھا پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے اگرچہ وہ اصل مقصد یعنی اقامت دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے اس غلو کے نتیجہ میں وہ ہی تخریب و تعصب اور گروہ بندی کی آفتیں اچھے خاصے دیندار لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں جو جاہلی عصبتیوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کو نظر انداز کرنا

ہماری تبلیغ و دعوت اور اصلاحی کوششوں کو بے کار کرنے اور تفرقہ اور جنگ و جدل کی خلیج کو وسیع کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کو ہے کہ آج کل کے اہل زبان اور اہل قلم علماء نے عموماً دعوت و اصلاح کے پیغمبرانہ طریقوں کو نظر انداز کر کے صحافیانہ زبان اور فقرے چست کرنے ہی کو بات میں وزن پیدا کرنے اور موثر بنانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اور تجربے و مشاہدے سے واضح ہے کہ یہ ایک ایسا منحوس طریقہ ہے کہ اس سے خطا کار یا گمراہ کی اصلاح کی کبھی توقع نہیں رکھی جاسکتی یہ طریقہ کار ان کو ضد اور ہٹ دھرمی پر اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اصلاح کے بجائے دلوں میں دشمنی کے بیج بوتا ہے اور عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔

ہاں اپنے ہوا خواہوں اور معتقدین کے لئے کچھ دیر کا سامان تفریح ضرور ہو جاتا ہے اور ان کی دادِ سخن دینے سے لکھنے والے بھی کچھ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے دین کی بڑی اچھی خدمت کی ہے۔

لیکن جو لوگ اس مضمون کے مخاطب ہوتے ہیں ان کے دلوں سے پوچھئے کہ اگر کسی وقت ان کو اس بات کے حق ہونے کا یقین بھی ہو جائے تو یہ فقرہ بازی اور تمسخر و استہزاء کا طریق اس کو حق کی طرف آنے سے مانع نہیں بن جاتا؟ اور انہیں ہمیشہ کے لئے اس داعی

کا دشمن نہیں بنادیتا ہے؟۔

پیغمبرانہ دعوت کے عناصر اربعہ

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کی دعوت کا طریقہ ملاحظہ فرما جائے تو اس کے الفاظ سادہ مگر عام انسانی ہمدردی سے لبریز اور نرم ہوتے ہیں وہ مخالفین کی سخت ترین بدکلامی سن کر بھی جواب سادہ اور نرم دیتے ہیں فقرے نہیں کہتے دل میں ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ حق بات قبول کر لے اس کے لئے حکمت کے ساتھ تدبیریں کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کی روح قرآن کے ایک لفظ نذیر سے سمجھی جاسکتی ہے جو ہر پیغمبر کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم میں جا بجا ان کو بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔ لفظ نذیر کا ترجمہ اردو میں ڈرانے والے کا کیا جاتا ہے مگر ڈرانے کا لفظ نذیر کا پورا مفہوم ادا نہیں کرتا، اردو زبان کی تنہا کی وجہ سے اس ترجمہ کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈرانے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں چور، ڈاکو کا بھی ڈرانا ہوتا ہے درندہ اور دشمن کا بھی ڈرانا ہے اور ایک شفیق باپ بھی اپنے بچہ کو بچھو، سانپ، زہر اور آگ سے ڈراتا ہے پہلی قسم نری تخویف ہے نذارت و انداز نہیں چور، ڈاکو یا دشمن اور درندہ کو نذیر نہیں کہا جائے گا اور دوسری قسم جو مہربان باپ کی طرف سے ہے وہ ڈرانا شفقت و ہمدردی کی بناء پر ہے، مضر اور تکلیف دہ چیزوں سے ڈرانے والے نذیر کہا جاتا ہے، انبیاء علیہم السلام کے لئے نذیر کا لفظ استعمال فرما کر ان کی تبلیغ و تعلیم کی روش کی طرف اشارہ کر دیا گیا وہ صرف کوئی پیغام ہی نہیں پہنچاتے بلکہ حکمت اور ہمدردی اور خواہی سے اس پیغام کو موثر بنانے اور مخاطب کو ہلاکت سے بچانے کی پوری تدبیر اور کوشش بھی کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں دعوتِ پیغمبرانہ کے جو اصول ایک آیت میں بیان کئے گئے ہیں،

گویا اس لفظ نذیری کی شرح ہیں، ارشادِ ربانی ہے:-

ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی
ھی احسن۔

اس میں دعوت الی اللہ کے آداب میں سب سے پہلے بالحکمۃ کو رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کا کام صرف ایک پیغام و کلام کو لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں بلکہ حکمت و تدبیر سے مناسب وقت مناسب ماحول دیکھ کر ایسے عنوان سے پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لئے قبول کرنا آسان ہو جائے۔

دوسری چیز موعظہ ہے جس کے معنی کسی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ نیک کام کی طرف بلانے کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ داعی کے لئے ضروری ہے کہ جو کلام کرے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

تیسری چیز موعظت کے ساتھ حسنہ کی قید ہے اس میں اشارہ عنوان کو نرم اور دلنشین بنانا ہے کیونکہ بعض اوقات خالص ہمدردی اور خیر خواہی سے کسی کو اس کی بھلائی کی طرف بلایا جاتا ہے مگر عنوان اور لب و لہجہ دلخراش ہوتا ہے تو وہ دعوت بھی مؤثر نہیں ہوتی۔ اس لئے موعظت کے ساتھ حسنہ کی قید لگائی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت نے دعوت پیغمبرانہ کے آداب میں تین چیزوں کو ضروری قرار دیا۔ اول حکمت و تدبیر اس کام کے لئے دعوت بیکار نہ ہو جائے مؤثر ہو، دوسرے ہمدردی و خیر خواہی سے نیک کام کی دعوت، تیسرے اس دعوت کا عنوان اور لب و لہجہ نرم و قابل قبول ہو۔

آخر میں ایک چوتھی چیز یہ بتائی گئی کہ اگر دعوت کو ان آداب کے ساتھ پیش کرنے پر بھی قبول نہ کیا جائے اور نوبت مجادلہ ہی کی آجائے تو پھر عامیانا انداز کا مجادلہ نہ ہونا چاہیے بلکہ بالتی ہی احسن یعنی اچھے طریقے پر ہونا چاہیے۔ ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ”برفق ولین و حسن خطاب“ یعنی مجادلہ بھی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب

کے ساتھ ہونا چاہیے اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مجادلۃ بالتی ہی احسن ہے اس میں اپنا غصہ اتارنا یا اپنے نفس کی بڑائی پیش نظر نہ ہو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے بلند کرنے کے لئے ہو، اور مجادلہ بالتی ہی احسن صرف مسلمانوں کے لئے نہیں غیر مسلموں سے مجادلہ کی نوبت آئے تو اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کو اسی کی ہدایت ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے:

ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتی ہی احسن

یعنی کفار اہل کتاب سے مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بھی بالتی ہی احسن نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب کے ساتھ ہونا چاہئے۔

انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ

انبیاء علیہم السلام کے دعوت و اصلاح کے واقعات جو قرآن و حدیث میں بے شمار ہوئے ہیں ان میں سے ایک ایک کو دیکھئے تو پوری عمر کی کوششوں کو اسی انداز پر پائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام سو پچاس نہیں بلکہ نو سو برس تک جس قوم کو دعوت دینے اور ہمدردی اور خیر خواہی سے سمجھاتے رہے اس کے باوجود جب ان کی قوم نے سختی ا تہذیبی کا معاملہ کیا ان کو بے وقوف بتایا تو آپ کو معلوم ہے کہ اس رسول مقبول علیہ السلام جواب دیا؟۔

يقوم ليس بى سفاهة ولكنى رسول من رب العلمين۔

میرے بھائیو مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں رب العلمین کی طرف سے رسول بنا کر تمہاری بھلائی کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

سرور کائنات ہمارے رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی کے واقعات اسی طرز کے ہیں ہر طرح کی ایذا میں سہنے کے بعد بھی ظالموں سے انتقام لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے اس لئے بھی دعائے خیر کی جاتی۔

اهدقومی انہم لایعلمون جن حضرات علماء کو وراثت انبیاء کا کچھ حصہ ملا ہے۔ ان سب کا بھی دعوت و تبلیغ میں یہی حال رہا ہے۔ آخری دور میں حضرت سید اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ دہلی کی جامع مسجد سے وعظ کر کے باہر آرہے تھے مسجد کی سیڑھیوں پر چند غنڈوں نے راستہ روکا اور کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں، مولانا نے نہایت طمانیت سے فرمایا کہ بھائی! آپ کو غلط خبر ملی ہے میری والدہ کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ موجود ہیں۔

وہ جانتے تھے کہ ان کا مقصد صرف گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے، مگر وراثت انبیاء کا جو کام ہونا چاہیے وہ کیا کہ ان کی گالی کو ایک مسئلہ بنا کر بات ختم کر دی۔

طریق نبوت اور ہم

حقیقت یہ ہے کہ دعوت و اصلاح کا کام انبیاء یا ان کے وارث ہی کر سکتے ہیں جو قدم قدم پر اپنا خون پیتے ہیں اور دشمن کی خیر خواہی اور ہمدردی میں لگے رہتے ہیں، ان کی رفتار و گفتار میں کسی مخالف پر طعن و تشنیع کا شائبہ نہیں ہوتا، وہ مخالف کے جواب میں فقرے چست کرنے کی فکر نہیں کرتے، وہ ان پر الزام تراشی کا پہلو اختیار نہیں کرتے، اسی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چند روز کی مخالفتوں کے بعد بڑے بڑے سرکشوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، ان کی بات کو ماننا پڑتا ہے، آج افسوس یہ ہے کہ ہم اسوۂ انبیاء سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے کلام و تحریر میں ان کی کسی بات کا رنگ نہ رہا۔

آج کل کے مبلغ و مصلح کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مخالف پر طرح طرح کے الزام لگا کر اس کو رسوا کرے اور فقرے ایسے چست کرے کہ سننے والا دل کو پکڑ کر رہ جائے، اسی کا نام آج کی زبان میں زبان دانی اور اردو ادب ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔

اللہ تعالیٰ تو اپنے انبیاء کو جب مقام دعوت پر کھڑا کرتے ہیں تو موسیٰ و ہارون علیہما السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو فرعون جیسے سرکش کافر کی طرف بھیجنے کے وقت یہ ہدایت

نامہ دے کر بھیجتے ہیں۔

قُولَا لہ قُولَا لِنَالْعَلَّہ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَحْشٰی

”فرعون سے بات نرم کرو، شاید وہ راستہ پر آجائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔“

آج ہمارے علماء اور مصلحین و مبلغین میں کوئی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ ہادی اور رہبر نہیں ہو سکتا اور ان کے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں ہو سکتے تو ان کے لئے کیسے روا ہو گیا کہ جس سے ان کا کسی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی پکڑی اچھالیں اور ٹانگ کھینچنے کی فکر میں لگ جائیں اور استہزاء و تمسخر کے ساتھ اس پر فقرے چست کریں اور پھر دل میں خوش ہوں کہ ہم نے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے اور لوگوں سے اس کے متوقع رہیں کہ ہماری خدمات کو سراہیں اور قبول کریں۔

میری نظر میں اس وقت یہ تین اسباب ہیں جو مسلمانوں کا شیرازہ بندھنے نہیں دیتے۔ ہر اجتماع کے نتیجہ میں افتراق اور ہر تنظیم کے نتیجہ میں تفریق، ہر اصلاح کے نتیجہ میں فساد اور ہر دعوت کے نتیجہ میں نفرت ہمارے سامنے آتی ہے۔ کاش ہم ملکر سوچیں اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں، کیونکہ اصل مرض یہی ہے کہ حب مال و جاہ، حسد و بغض کی نجاستوں سے اپنے قلوب پاک نہیں ہمیں اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم چوری، رشوت، سود، شراب، رقص و سرور اور سینما سے پرہیز کرتے ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں لیکن خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہماری یہ نماز، روزہ کی پابندی اور سود، شراب، رقص و سرور سے پرہیز کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اپنی مولوی گری کے پیشہ کی خاطر ہو کیونکہ اس پیشہ میں ان چیزوں کی کھپت نہیں ورنہ اگر ہم ان چیزوں سے خالص خوف خدا کی بنا پر بچے ہوتے تو حب مال و جاہ، حسد و بغض، کبر و ریا سے بھی بچے ہوتے کیونکہ ان کی نجاست کچھ سود و شراب سے کم نہیں، مگر یہ باطنی گناہ ہمارے جتنے اور عمامے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی پرواہ نہیں ہوتی، اور یہی وہ چیزیں ہیں جو دراصل سارے تفرقوں کی بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ

سب آفتوں سے بچنے کی توفیق کامل عطا فرمائے تاکہ یک دل ہو کر دعوت و اصلاح برانہ جذبہ اور پیغمبرانہ آداب کے ساتھ لے کر کھڑے ہو جائیں۔

کلام

ہل نظر و فکر سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں مسلمان ب اور آفات میں مبتلا ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے اکثریت اور مادی اسباب کے اعتبار سے پوری تاریخ اسلام میں کسی وقت بھی کو اتنی عظیم طاقت حاصل نہیں تھی جتنی آج ہے۔

اور اس تفرقہ کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا سبب خدا اور آخرت سے دوسری قوموں کی طرح صرف دنیا کی چند روزہ مال و دولت اور عزت و جاہ کی گام ہے، جو ہمارے معاشرہ میں کبھی سیاسی اقتدار کے لئے کشمکش، تجارتی اور صنعتیوں اور منصوبوں کی خاطر باہمی تصادم کی صورت میں ہمارے معاشرہ کو پارہ پارہ اور کبھی مذہبی اور دینی نظریات کی آڑ اور مختلف نظاموں کے روپ میں ہمیں ایک کے خلاف اہانت و استہزاء کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ورنہ اگر اجتہادی نظریات کے ف کے باوجود صحابہ و تابعین کی طرح ہماری جنگ کا رخ صرف کفر اور الحاد کی طرف ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک بنیاد پر موقوف نظر آئیں۔

علماء سے دردمندانہ گزارش

سی اور اقتصادی میدان اور اعزاز و منصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام ہمارے بس میں نہیں لیکن خود دین و مذہب کے لئے کام کرنے والی نظریاتی اور نظامی اختلافات اشتراک مقصد کی خاطر معتدل کئے جاسکتے ہیں م کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کے

اہم مقصد کو صحیح معنی میں مقصد اصلی سمجھ لیں تو یہ وہ نقطہ وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی وقت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی مؤثر اقدام انجام پاسکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مقصد اصلی ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اسلئے ہماری ساری توانائی اور علم و تحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے، وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں، ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دین اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کر لیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر و الحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ و جدل میں خرچ ہونے لگتی ہے اسلام و ایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لئے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا نظر آتا ہے، ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے، اعمال و اخلاق برباد ہیں معاملات و معاہدات میں فریب ہے۔ سود قمار بازی، شراب خنزیر، بے حیائی، بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں، سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک و ملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟، اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا اظہار ہوتا ہے وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟، ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیاد پر موقوف کیوں نہیں بن جاتے۔

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیاء اور نزول قرآن کا وہ مقصد عظیم

نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنالیا جس نے اولاد آدم کو بہیمیت کا مال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، کیا وہ یہی مسائل تھے جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔

آخر وہ کونسا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے صول اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں میں عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں گے۔ قادیانیت کا۔ یث اور تحریف دین کے لئے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کے مقابلہ کریں۔

اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں ہمارے ماویٰ اور بلار رسول کریم ﷺ نے ہم سے یہ مالیا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے۔ اسلام کے نام پر کفر مار رہا تھا۔ میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی و سنت کی کھلے طور پر تحریف کی جارہی تھی، خُدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جارہی عیان علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے لوگوں کو راستے پر لگایا؟ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا۔

س لئے ملت کا درد اور اسلام و ایمان کے اصول و مقاصد پر نظر رکھنے والے

حضرات علماء سے میری دردمندانہ گزارش یہ ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان و قلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن و حدیث آپ کو بھلا رہے ہیں۔

(۱) علماء کرام! اس بات کا عہد بھی کیجئے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے۔ عوامی جلسوں، اخباروں اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے، ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول و دعوت و اصلاح کے تابع و لُخراش عنوان اور طعن و تشنیع استہزاء و تمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشین عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کر دیں گے۔

(۴) چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن و سنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول و دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ و ناصحانہ بیانون اور دلنشین دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالتی ہی احسن کے ساتھ اپنے زور زبان اور زور قلم کو وقف کر دیں گے۔

میں جو کچھ کہہ گیا ہوں افسوس کہ نہ میرا منصب تھا نہ علماء کرام کے سامنے مجھے ایسی جرات کرنا چاہیے تھی مگر دکھے دل کے کچھ کلمات ہیں جو زبان پر آ گئے۔ میرے محترم بزرگ مجھے معاف فرمائیں اور اگر ان باتوں میں کوئی مفید پہلو ہے تو وہ خود ان کا اپنا کام ہے اس کو اختیار فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر حضرات علماء اس طرف متوجہ ہو گئے اور کام شروع کیا تو

ان تنصروا اللہ ینصرکم۔

یعنی اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، آنکھوں سے پورا ہوتا ہوا مشاہدہ کریں گے۔

(۱) ان أريد الاصلاح ما استطعت وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب

بندۂ ناکارہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ



۹

اختلاف اُمت پر ایک نظر

اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل

ایک شام ایک عالم دین کے ساتھ

حکیم محمد سعید دہلوی

حضرات کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب محترم کی ذات گرامی سے کو واقف نہیں۔ قیام پاکستان کی جدوجہد اور تعمیر پاکستان کی کوششوں میں ان کا شمار صرف او میں ہوتا ہے۔ مذہبیات اور اسلامیات میں حضرت کے مقام بلند سے سب واقف ہیں۔ بلاشبہ یہ ہماری انتہائی خوش بختی ہے کہ حضرت مفتی صاحب آج اس وقت ہمار درمیان ہیں اور ہمیں آپ کے خیالات عالیہ سے مستفیض ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ ش مصروفیات اور بہ کثرت مشاغل دینی کے علی الرغم حضرت مفتی صاحب نے ہما درخواست کو شرف قبول عطا فرمایا اور ”ایک شام ایک عالم دین کے ساتھ“ کی اس مج کورونق بخشی۔ اس کے لیے میں اپنی طرف سے اور آپ سب کی طرف سے بہ صمیم قلب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حضرات! اس موقع پر آپ کی اجازت سے اور حضرت مفتی صاحب کی اجازت کے بغیر ان کی شخصیت کے بارے میں چند کلمات عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ گو اس حقیقی تعارف کا حق ادا نہ ہوگا، تاہم ایسی چیزوں کا اعادہ اکثر حالات میں سبق آموز ہون اور شخصیت کو سمجھ لینے سے اس کی بات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے!

حضرت مفتی صاحب شعبان ۱۳۱۴ ہجری مطابق جنوری ۱۸۹۷ء کو مرکز اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، گویا دارالعلوم ہی میں آنکھ کھولی، یہیں عا وفنون کی تعلیم و تربیت پائی، طب یونانی کی تعلیم بھی پوری حاصل کی، یہیں درس

تاریخ تالیف _____ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۶۳ء)
مقام تالیف _____ کراچی

حکیم محمد سعید صاحب مرحوم نے لاہور میں ”ایک شام عالم دین کے ساتھ“ کے نام سے ایک مجلس منعقد کی جس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو مذکورہ موضوع پر بیان کی دعوت دی، حضرت مفتی صاحب نے اختلاف امت کے اسباب اور اس کا علاج سہل انداز میں بیان فرمایا۔

وتصنیف وتالیف کی خدمات بچپن سے بڑھاپے تک انجام دیں۔ ۱۳۳۷ھ ہجری (۱۹۱۹ء) میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر دارالعلوم کے منصب درس پر فائز ہوئے اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک تمام علوم وفنون کی کتابیں بڑی کامیابی کے ساتھ زیر درس رہیں۔ اس کے ساتھ تصنیف وتالیف، تقریر و تحریر، نظم و نثر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ بہت سی مفید کتابیں شائع بھی ہوئیں۔ ۱۳۴۹ھ ہجری (۱۹۳۱ء) میں ارکان دارالعلوم نے صدر مفتی کا منصب آپ کے سپرد کیا۔ دارالعلوم کو جو مرکزیت پورے عالم اسلام میں حاصل ہے، اس کی اہمیت کے ساتھ یہاں فتویٰ کی خدمت کوئی معمولی کام نہ تھا۔ بڑے بڑے علماء کے سوالات آتے اور اختلافی مسائل میں فیصلے کے طالب ہوتے تھے، مگر تائید ربانی سے یہ کام بھی بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔

اس کام میں بڑی کامیابی آپ کے شیخ مرشد حکیم الامہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی مخصوص اعانت و توجہ سے ہوئی۔ مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع فرماتے، یہاں تک کہ حضرت قدس سرہ بھی آپ کے فتاویٰ پر اعتماد فرماتے اور اہم مسائل میں ان کو شریک مشورہ فرماتے تھے۔ عائلی مسائل کے متعلق اہم کتاب ”حیلہ ناجزہ“ کی تصنیف میں حضرت مفتی صاحب کو برابر شریک رکھا اور آخر کتاب میں اس کا ذکر بھی فرمایا۔ دوسرے اہم مسائل میں بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریریں حضرت نے امداد الفتاویٰ میں شامل فرمائیں۔

آخر عمر میں احکام القرآن کی تصنیف کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کام کا بھی ایک بڑا حصہ حضرت مفتی صاحب کے سپرد فرمایا، جو حضرت مفتی صاحب کی ایک اہم تصنیف (عربی زبان میں) ہے، مگر ابھی تک اس کی اشاعت کا انتظام نہیں ہو سکا۔

(بحمد اللہ! اب حضرت کی یہ کتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی سے شائع ہو چکی ہے)

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے شروع میں

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کے دست حق پرست پر بیعت استرشاد کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ ہجری سے حضرت حکیم الامہ تھانوی قدس سرہ سے رجوع اور ان کی خدمت و صحبت سے استفادے کا سلسلہ جاری ہوا اور ۱۳۴۹ھ ہجری میں حکیم الامہ قدس سرہ نے آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ اس طرح علوم ظاہرہ کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں اور تزکیہ اخلاق و تصوف کی تعلیم خانقاہ تھانہ بھون میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ دارالعلوم کراچی میں فتویٰ کے ساتھ حدیث کی اعلیٰ کتابوں کا درس بھی جاری رہا۔ تقریباً چالیس ہزار فتاویٰ موصوف کے قلم سے نکل کر عالم اسلام میں پھیلے جس کا ایک چھوٹا سا حصہ کتابی صورت میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے نام سے آٹھ جلدوں میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

۱۳۶۲ھ ہجری (۱۹۴۴ء) میں جب کہ مشترکہ ہندوستان میں تحریک پاکستان قوت سے اٹھی، اس وقت اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ دارالعلوم سے استعفیٰ دے کر پوری توجہ بناء پاکستان کی تحریک میں صرف کی۔ مستقل رسائل اور اخباری بیانات اور فتاویٰ کے علاوہ پورے ملک کا دورہ تحریک پاکستان کے لیے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کے واسطے کیا۔ سابق صوبہ سرحد کے ریفرنڈم اور پاکستان کی کامیابی میں بڑا دخل حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور مفتی صاحب کی کوششوں کا ہے، ورنہ اس صوبے کے بیشتر علما کانگریس کے حامی اور تقسیم ملک کے مخالف تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد کراچی کے علما اور معززین شہر نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ دستور پاکستان کا ایک خاکہ خالص اسلامی بنیادوں پر مرتب ہو جائے، تو اس کے لیے بہ مشورہ شیخ الاسلام مولانا عثمانی صاحب، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے اسمائے گرامی تجویز ہوئے کہ ان کو اس کام کے لیے پاکستان بلایا جائے۔ اسی تحریک پر مبنی ۱۹۴۸ء میں مفتی صاحب کراچی پہنچے اور پھر یہیں مستقل کام کا ارادہ کیا، یہ دستوری خاکہ سب نے مل کر تیار کیا، پھر اسی سال دستور اسمبلی نے کام شروع کیا

تو اس میں ایک مشاورتی بورڈ علماء کا مقرر کیا۔ اس بورڈ میں بھی حضرت مفتی صاحب ایک اہم رکن کی حیثیت سے آخر تک شامل رہے۔ حکومت کی طرف سے پہلا لاء کمیشن بنا اور زکوٰۃ کمیٹی بنی، ان سب میں مفتی صاحب کی شرکت خاص اہمیت سے رہی۔

۱۳۷۰ ہجری (۱۹۵۱ء) میں شہر کراچی میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی، جواب تک مستقل ادارے کی صورت میں چل رہا ہے۔ ایک وسط شہر محلہ نانک واڑہ میں، دوسرا شہر سے باہر کورنگی ٹاؤن میں۔ حضرت مفتی صاحب اس دارالعلوم کے بانی بھی ہیں اور مجلس انتظامیہ کے صدر بھی۔ اس کے ساتھ فتاویٰ کی بھاری ذمہ داری اور کچھ سلسلہ درس بھی جاری ہے۔ دارالعلوم کراچی میں جو فتاویٰ اب تک درج رجسٹر ہو چکے ہیں، ان کی تعداد ستر ہزار سے زائد ہے۔ مستقل تصانیف اور مقالات اور زبانی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے۔ دعا ہے کہ مسلمان ان کے علمی و عملی افادات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔

حضرات! جناب محترم مفتی صاحب کی آج کی تقریر کا موضوع ہے ”اختلاف امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لیے راہِ عمل“، اختلاف رائے انسان کی افتاد طبع کے تابع ہوتا ہے، جس طرح انسانوں کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح ان کے طبائع میں بھی اختلاف ہے، گویا اختلاف رائے ایک فطری بات ہے اور فطرت نے کسی چیز کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا ہے۔ داعی اسلام ﷺ نے اپنی امت کے اختلاف کو باعثِ رحمت قرار دیا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے سارے فتنے اسی اختلاف کے جگائے ہوئے ہیں۔ یہی اختلاف جس کو رحمت کہا گیا ہے، اگر بر بنائے مخالفت ہو تو اتنی بڑی مصیبت اور زحمت بن جاتا ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں ہو سکتی، لہذا معلوم ہوا کہ اختلاف اور مخالفت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس عالم کو اختلاف ہی سے زینت دی ہے، اس عالم کا سارا حسن و جمال اختلاف کا رہن منت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیبائش اختلاف کا دوسرا نام ہے،

یہی نہیں بلکہ غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی تخلیق اور کون و فساد کے سارے نظام کی بنا ہی اختلاف پر ہے۔ کائنات سرد و گرم تر و خشک اور جذب و دفع کا ایک کھیل ہے اور یہ ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر اس اختلاف کی بنا تو حید و تکوین پر ہو تو موجب تعمیر ہے، ورنہ موجب تخریب۔

مذہب اسلام توحید کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اسلام کے ہر فکر و فعل میں خدا قدر مشترک یا قدر مطلق کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کثرت میں وحدت کے مشاہدے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ ساری کثرت، وحدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اگر ہمارا اختلاف اس ہم آہنگی کا مظہر نہ ہو بلکہ اس سے منحرف ہو تو وہ اختلاف نہیں بلکہ نفاق ہے، وہ اختلاف محمود ہے، جس کا مقصد و منشا یک جہتی کو قائم رکھنا اور انحراف سے بچنا ہو، ورنہ مذموم، وہ اختلاف یقیناً باعثِ برکت و رحمت ہے جو انسانوں کو حق پر جمع کرے اور ناحق سے روکے، ایسا اختلاف درحقیقت اتفاق کا موجب ہے۔

جو شخص اس لیے اختلاف کرتا ہے کہ اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کرے وہ دراصل اختلاف نہیں کرتا، مخالفت و انحراف کرتا ہے۔

اسلام نے باطل سے اختلاف کو بڑی اہمیت دی ہے اور خطرے کے وقت باطل سے اختلاف کو افضل الجہاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

”جابر حاکم کے سامنے سچ بات کہہ دینا سب سے بڑا جہاد ہے۔“

اسلام نے دوسروں سے اختلاف پر ہی زور نہیں دیا ہے بلکہ خود اپنے نفس کو بری باتوں سے، یعنی ایسی باتوں سے کہ جو خدا سے ہم آہنگی و اتحاد میں حائل ہوں روکنے کو جہاد اکبر کہا ہے۔

اس قسم کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کرنا حضرت مفتی صاحب کا منصب ہے۔ حضرت ہی اپنے آج کے دلچسپ اور وقت کے لحاظ سے نہایت ضروری موضوع پر عالمانہ

تبصرہ فرمانے کے اہل ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اسلام کے داخلی اختلاف پر گفتگو کرنے کا حق قطعی طور پر حضرت مفتی صاحب قبلہ جیسے بھر عالم ہی کو پہنچتا ہے۔
اب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قبلہ کی خدمت میں بڑے ادب سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ حاضرین کو اپنے خیالات عالیہ سے مستفیض فرمائیں۔

اختلاف امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لیے راہ عمل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اس وقت میرے مقالے کا موضوع ”اختلاف امت“ پر ایک نظر ہے، میں اس کو سیدی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ کے ایک ارشاد سے شروع کرتا ہوں، جو آپ نے مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں علماء کے ایک مجمع کے سامنے فرمایا تھا۔

جو لوگ حضرت سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کے لیے امت کی صلاح و فلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جوان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ فرمایا۔

الحمد لله بمصیبتہ گرفتارم نہ بمعصیتہ

جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا:

”اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے، غم اس کا ہے کہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں۔“

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، علما کا بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق ہیں، یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسی سال کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ:

”میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلم دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ان کا قرآن کو چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کئے جائیں، ہر کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی پر برداشت نہ کیا جائے۔“

نباض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی زندگی میں ضعف و علالت اور جہوم مشاغل کے باوجود اس کیلئے سعی پیہم فرمائی۔ بذات درس قرآن شروع کرادیا، جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے، عوام بھی۔ اس ناکارہ درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعے کے بعد حضرت کی عمر ہی گنتی

چندایام تھے۔

آن قدح بہ شکست وآں ساقی نماںد

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث و آفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے۔ قرآن کریم کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہیں۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

اختلاف رائے کچھ مذموم نہیں اگر اپنی حدود کے اندر ہو انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے اور وہ انسان کی بقاء و ارتقاء کیلئے ضروری ہے، مگر یہ مادہ دشمن کی مدافعت کیلئے رکھا گیا ہے۔ اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے، خواہ اس لیے کہ دشمن کے پہچاننے اور متعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے۔ بہر حال جب اس کا رخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لیے قرآن کریم نے مومن کیلئے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرمادیا ہے:

”إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا“

”شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو۔“

جس کا حاصل یہ ہے کہ مومن کے غصے اور لڑائی کا مصرف صحیح شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں۔ جب اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے، جو عظیم عبادات میں سے ہے۔

حدیث میں فرمایا ہے:

”ذروة سنامه الجهاد“

یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ جہاد ہے۔

لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتی ہے، جس سے بچانے ہی کیلئے اللہ کے سارے رسول اور کتابیں آئی ہیں۔ شکل و صورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا، وہ کاشا جہاں سے یہ لائنیں بدلتی ہیں صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔ دو قومی نظریہ، جس نے پاکستان بنوایا اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمہ اور اسلام کے ماننے والے ایک متحد قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رخ اس طرف ہونا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ جب قہر و غضب اور مدافعت کا مادہ، جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، جب جہاد کے ذریعے اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے، ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پر نالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آرہی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر والحاد، خدا اور رسول سے بغاوت، فحاشی و عیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے، اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری، اخلاق، مروت کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضا و جوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے۔ چھوٹا سا نقطہ اختلاف ہو تو اسے بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات و رسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے، دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ ذرا اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ۔

ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

سیاستِ ممالک سے لیکر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو ”انما المؤمنون اخوة“ کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھاپیں۔ قرآن حکیم نے جہاں غفو و درگزر، حلم و بردباری کی تعلیم کی تھی وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا ہے۔ فبالی اللہ المشتکی وانا لله وانا الیہ راجعون۔

اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل بورڈوں کی نشست، حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ، صنعت و تجارت میں مقابلہ اور کمپنیشن، جائدادوں اور زمیندار یوں کی کش مکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے، جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ خلاق کا ثبوت ہے۔ وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین و مذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ عموماً قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کر کے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جہاد بنا ہوا ہے، جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افتراء و بہتان، تمسخر و استہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پروا نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال و قتال اور لڑائیاں ہیں۔ نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔

ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزاء کرنے والوں، شراب پینے والوں، سودا اور رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں، جو ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔ کوئی خدا کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں جس کے لیے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو، جس کے لیے دوسروں کی غیبت و بہتان، تذلیل و تحقیر روا ہو۔

اصلاح حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نو تعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں جو دین و مذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں اور وہ صرف اسی اختلاف کو مٹانے کیلئے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جو خالص نفسانی اور ذاتی اغراض کیلئے لڑی جا رہی ہیں جن کے لئے ایک دوسرے کی جان، آبرو اور مال سب کچھ حلال سمجھ لیا جاتا ہے، جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب امنڈتے ہیں، مگر ان کو چونکہ نئی تعلیم نے تہذیب و شرافت کا نام دے دیا ہے، اس لیے نہ وہ قوم کیلئے کوئی مرض رہا، نہ اس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف و لڑائی میں صرف ملا بدنام ہے، اسی کا علاج زیر غور رہتا ہے، حالانکہ دین و مذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں، اگر غور کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود سے تجاوز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ وہ کوئی برادری کا نوتہ نہیں بن سکتے۔ وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنہیں ایثار کیا جاسکے بلکہ قرآن و سنت کی تعبیر کے اختلافات ہیں، جن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد انہیں اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترکہ مذہب بنا لیا جائے۔ پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہو، تاکہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن، ہاں! خالص دنیوی معاملات جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو، وہاں اپنے اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جاسکتی ہے، اس لیے باہمی جنگ و جدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلاف رائے کو مٹا کر سب کو ایک نظریے کا پابند کر دیا جائے۔

اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہل عقل و بصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان میں اختلاف کرنا عقل و دیانت کا عین مقتضی ہوتا ہے۔ ان میں اتفاق صرف دو صورتوں سے ہو سکتا ہے، یا تو مجمع میں کوئی اہل بصیرت و اہل رائے نہ ہو۔ ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت و مروت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صاد کر دیا، ورنہ اگر عقل و دیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے اور یہ اختلاف کبھی کسی حال میں مضر بھی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لیے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسمبلیوں میں حزب اختلاف کو اسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن و سنت کے جملات اور مبہمات کی تشریح و تعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو ”رحمت“ کہا گیا ہے، جو اسلام کے عہد اول سے صحابہ و تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین میں چلے آئے ہیں۔ ان مسائل میں جو اختلافات صحابہ کرام میں پیش آچکے ہیں ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہو سکتے کہ صحابہ کرام کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے، جو نصوص حدیث اور ارشادات قرآنی کے بالکل خلاف ہے، اسی لیے حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرام کے درمیان ہو چکا ہے اس کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں۔

اسی کے ساتھ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت جو ان میں اختلاف رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ و جدال کی صورت اختیار کی ہو۔ باہمی اختلاف مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔

سیاسی مسائل میں مشاجرات صحابہ کا فتنہ، تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا، آپس میں تلواریں بھی چل گئیں، مگر عین اسی فتنہ کی ابتدا میں جب امام مظلوم حضرت عثمان غنیؓ باغیوں کے زور غے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کرتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتا دیا کہ:

”اذا هم أحسنوا فأحسن معهم وإن هم أساوا فاجتنب إساءتهم“

”یعنی جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو“۔

اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد:

”وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان“ کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار و افتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی اور معاویہؓ کے درمیان میدان جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہؓ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہؓ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی کے لشکر کا پہلا سپاہی، جو تمہارے مقابلے کیلئے نکلے گا وہ معاویہؓ ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلاف جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رخ اختیار کر چکا تھا، اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت اختلاف رائے جو صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے تو بلاشبہ رحمت ہی ہے اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کیلئے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہو سکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرون اولیٰ کے بعد بدعت و سنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن و سنت کی تعبیر میں اصول صحیحہ کو چھوڑ کر ذاتی رایوں کو امام بنالیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے۔ اختلافات بلاشبہ وہ تفریق و افتراق تھے، جن سے قرآن و سنت سے مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے، ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی، مگر قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتا دیا ہے، جس کے ذریعے تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں، جن میں سب سے پہلے حکمت و تدبیر سے اور پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن و سنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلاتا ہے اور آخر میں مجادلہ باللتی ہی احسن یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصول کو نظر انداز کر دیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروع انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزا و تمسخر اس کو زیر کرنے کیلئے جھوٹے سچے، جائز ناجائز ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا، جس کا لازمی نتیجہ جنگ و جدل اور جھگڑا فساد تھا۔

مذہب کے نام پر اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے، بلکہ سننے کیلئے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے تو اس باہمی جنگ و جدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمے دار اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، جن کیلئے قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی ان کیلئے وقف کر دی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ

کچھ اور ہے جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے، جس کو دنیا سے مٹانے ہی کیلئے قرآن اور اسلام آیا تھا۔ اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق و تنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں، تم نے اس کیلئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ، کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اسکی کوشش کا رخ بدلے گا، اس کے نتیجے میں باہمی آمیزش یقیناً کم ہوگی۔ میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ اپنے خیالات و مزعومات کو بدلے۔

گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس لگا دیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقہ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں اور ان میں بھی لب و لہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں۔ فقرے کسے اور دوسرے کو توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔ ہمارے پبلک جلسے، اخبارات، اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے، دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ و جدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

عوام کا ایک مغالطہ اور اس کا حل

بہت سے حضرات مسائل میں علما کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں۔ سب سے آواز

ہو کر جو سمجھ میں آئے، کیا کریں اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بہ جانب نظر آتا ہے، لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گرد و پیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔

ایک صاحب بیمار ہوئے، ڈاکٹروں یا حکیموں کی رایوں میں تشخیص و تجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں، یہی ناکہ وہ ان ڈاکٹروں، حکیموں کی تعلیمی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کیلئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتے ہیں، مگر دوسرے ڈاکٹروں، حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو، اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرز عمل علما کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے۔

ایک مثال اور لیجئے!

آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا۔ ان میں اختلاف رائے ہوا کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ بیٹھے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے کر لے۔ بلکہ ہوتا یہی ہے مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابل اعتماد ہے، اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا بھلا نہیں کہتا، اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلاف علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچنا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا، مگر علما کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ

سوال کرنے والے پر نہیں، بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق و جستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں، اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتا دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو آپ اس کا ایم. بی. بی. ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفا یاب ہوتے ہیں، مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے کرتے اور داڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلے میں کچھ بول لینے کو معیار بنالیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ و جدال کا بازار گرم ہے، اس کے دور کن ہیں۔ ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علما دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء اگر اپنی تحقیق و تنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسروں کی تنقیص و توہین سے پرہیز کرنے لگیں اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں، اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انھیں مسائل سے متعلق ہیں، اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں۔ اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علما یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتائیے کہ اس میں کیا اشکال ہے۔ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ و جدل ختم ہو سکتا ہے، جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرز عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔

کاش! میری یہ آواز ان بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے، جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کیلئے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کے غار میں جا چکا ہے، ان سے نجات مل جائے۔

عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے، وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہے، خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو، مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے۔

ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام و تفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رہنا چاہئے، لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جاسکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کر لو، ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلاف رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام و تفہیم، قرآنی اصولِ حکمت، موعظت، مجادلۃ بالآئی ہی احسن کو نظر انداز نہ کریں، مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے، وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کیلئے دوسرے کے واسطے اپنی جگہ چھوڑ دے، اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ دوسرے راستے سے حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو اس کیلئے ایک عظیم الشان بشارت ہے، جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور شروٹیں بھی نہیں ہو سکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أنا زعيم ببیت فی ربض الجنة لمن ترک المراء وهو محق“

”میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔“

میں آخر میں پھر اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات، ناواقفیت یا غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔

دنیا میں اگرچہ صالحین کی قلت ضرور ہے۔ مگر گرم نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحی کاسخت قحط ہے، جو گرد و پیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں اور اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے اس کی صدائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے صحیح راستے پر چلنے کی توفیق کامل عطا فرمادیں۔

اللہم وفقنا لما تحب وترضى من القول والفعل والعمل والنية. و صلى الله تعالى على خير خلقه و صفوة رسله محمد وآله وصحبه اجمعين .



سنت و بدعت

جواب آقا خان، ہمیشہ شک نہ کرنا۔

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
خصوصا على سيدنا محمد المصطفى ومن بهديه اهتدى۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
خصوصا على سيدنا محمد المصطفى ومن بهديه اهتدى۔

مقدمہ
(مقدمہ رحمتیہ) صاحب رسالہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق آخر زمانہ میں فتنوں کی کثرت
ہونے والی تھی، وہ ہوئی اور ہوتی چلی گئی۔ ہم جیسے ضعیف القوۃ، ضعیف الہمیہ، ضعیف
الایمان لوگوں کی نوبت اس دور میں آئی جب کہ پوری دنیا کو فتنوں نے گھیر لیا ہے۔ روز و
شب نئے نئے فتنوں کی بارش ہے۔

لیکن جیسے فتنوں کا زمانہ مشکلات کا خازن ہے، ویسے ہی اس زمانہ میں صحیح طریق
سنت پر قائم رہنے اور دوسروں کو قائم رکھنے کے خصائل بھی بے حد و بے قیاس ہیں۔ حدیث
میں ہے: "انما یصلح الناس بالسنۃ"۔

العبادة فی الهرج کہ جحرۃ الی۔ رواہ مسلم (مشکوۃ)
فتنہ کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہجرت کر کے میرے پاس آجائے۔
ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص فساد امت کے زمانہ میں میری سنت کو زندہ کرے،

تاریخ تالیف _____ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (مطابق ۱۹۳۱ء)
مقام تالیف _____ دیوبند

تجدید و ترمیم

اس رسالہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے سنت و بدعت کی حقیقت
اور بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کا فرق کو تحریر فرمایا ہے اور قرآن و سنت اور
مشاہیر صوفیائے کرام کے اقوال سے بدعت کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں۔

اس کے لئے سوشہیدوں کا ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں سنت کے مطابق نیک عمل کرنے والے کا ثواب پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ اور وہ پچاس بھی آج کے نہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے پچاس آدمی۔

اور جس وقت بدعات و منکرات دنیا میں پھیل جائیں، اس وقت کے اہل علم کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کو اس وقت اپنے علم کا اظہار کرنا چاہئے، اور جو ایسا نہ کرے اس پر سخت وعید فرمائی ہے۔

(کما اخرجہ الآجری فی کتاب السنۃ عن معاذ بن جبلؓ و سیاتی تمامہ)

چنانچہ ہر زمانہ، ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں فتنوں کے طوفان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے صحیح طریقہ کو روشن کیا، اور بدعات و محدثات کی تلبیس کو دور کیا۔

لیکن آج کل جن فتنوں کا طوفان ہے، ان میں ایک طرف لادینی، انکار خدا، انکار رسالت، انکار حدیث، انکار ختم نبوت کے وہ فتنے ہیں، جن کی ضرب براہ راست اسلام کی بنیادوں پر پڑتی ہے۔ اس ناکارہ نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے دینی تعلیم و تبلیغ فتویٰ اور تصنیف و تالیف کے مثبت کام کے ساتھ جو کچھ کام ہو سکا وہ انہیں فتنوں کے مقابلہ میں کیا، جو اعتقادی بدعات ہیں۔ عملی بدعات و محدثات کے سلسلے میں اب تک کوئی خاص کام نہیں ہو سکا، حال میں ایک محترم دوست نے اپنے ماہنامہ کے لئے بدعات کی تعریف، اور اس کی خرابیوں پر مشتمل ایک مقالہ لکھنے کے لئے مجھے فرمایا، اور خلاف عادت کچھ ایسے اصرار سے فرمایا کہ اپنی بے شمار ذمہ داریوں، مصروفیتوں اور اس پر طبعی ضعف کے باوجود وعدہ کر لینے کے سوا چارہ نہ رہا۔ کچھ لکھنا شروع بھی کیا، لیکن صبح سے رات کے بارہ بجے تک تمام اوقات مشغول، وقت کہاں سے لاؤں۔

ایک اتفاقی حادثہ

مگر بحکم قضاء و قدر ۲۳ رجب ۱۳۷۶ھ ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء میں دوپہر کے کھانے کے ساتھ ہڈی کا ایک نوکیلا ریزہ حلق میں اتر گیا، اور احساس اس وقت ہوا جب وہ کافی نیچے پہنچ کر حلق میں پھنس گیا۔ جوں جوں اسے نیچے اتارنے کی تدبیریں کیں، وہ اور حلق کے گوشت میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

یہی وہ منزل ہے جہاں انسان کے سارے عزائم، پروگرام، اور مشاغل ایک منٹ میں ختم ہو جاتے ہیں۔

کراچی میں حلق کے اسپیشلسٹ ماہر ڈاکٹر شفیع الدین خان صاحب نے خصوصی عنایت و توجہ سے ایک سرے کے بعد جب ہڈی کو حلق میں پیوست دیکھا، تو بے ہوش کر کے بغیر اپریشن کے نکال لیا۔

حق تعالیٰ نے دوسری زندگی عطاء فرمائی، پچھلی زندگی کی بربادی پر افسوس اور نئی زندگی کو ٹھکانے لگانے کی ملی جلی فکریں دل و دماغ پر چھائی ہوئی، ادھر دل و دماغ حادثہ کے اثر سے دکھے ہوئے، کسی کام پر اقدام کی اجازت نہیں دیتے۔ ڈاکٹروں اور دوستوں کی بھی یہ تاکید کہ چند روز آرام کیا جائے۔ تجویز یہ ہوئی کہ دارالعلوم کراچی کی جدید عمارت جو شہر سے دس بارہ میل دور شرفی گوٹھ میں بنی ہے، چند روز وہاں رہا جائے۔

بالآخر اتوار ۳۰ شعبان ۱۳۷۶ھ کو یہاں آ گیا۔ یہاں کی صحت بخش آب و ہوا اور کھلی فضاء کو حق تعالیٰ نے اس نئی زندگی کی غذا بنا دیا۔ اور اب اس فرصت میں طبیعت کچھ کام تلاش کرنے لگی۔ بدعت و سنت کا یہ مقالہ جو زیر تحریر تھا، اور اسی طرح ایک دو اور ضروری مضامین جو زیر تحریر تھے، ان کی تکمیل کا خیال آیا۔ بنام خدا تعالیٰ شروع کیا۔ تو دو روز میں بعونہ تعالیٰ یہ زیر نظر رسالہ تیار ہو گیا۔

اس پوری داستان کو سامنے رکھ کر جب ذرا بھی حقیقت پر نظر ڈالی جائے، تو انسانی عزم و ارادہ اور اس کے سعی و عمل میں کامیابی و ناکامی کی پوری حقیقت محسوس ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہاں کچھ اپنا نہیں ہے، ہر حرکت، ہر سکون، ہر عمل، ہر سعی اسی رب العالمین کا کرم ہی کرم ہے۔ انسان کے ہاتھ پاؤں کو اس میں مشغول کر کے اس کے برائے نام کسب و اختیار کے نام پر اس کے نامہ اعمال میں ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

فلله الحمد اولہ و اخرہ

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تومی زخم چہ عبارت وچہ معانیم

ایک دردمندانہ گزارش

بدعت و سنت کی جنگ میں ایک لمحہ فکریہ

بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں از روئے قرآن و سنت آگے آتی ہیں، لیکن اس جگہ ایک بات ہر وقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص سنت کے اتباع اور بدعت کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا منشاء بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور ان کے دین کی حفاظت کے اور کچھ نہیں۔

اسی طرح جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہے منشاء اس کا بھی اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی رضا حاصل کرنا ہی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بدعت کو وہ بھی گمراہی کہتا اور برا سمجھتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ علم صحیح نہ ہونے کے سبب وہ کسی بدعت کو بدعت نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو عبادت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے۔

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ہمدردی و خیر خواہی کے لہجہ میں مسلمانوں کو حقیقت امر سے واقف کرایا جائے۔ تشدد، طعنہ زنی، الزام تراشی کے طریقوں سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے کہ ان سے کبھی کسی کی اصلاح نہیں ہوتی۔ ”بدعتی“ اور ”وہابی“ کے طعن آمیز خطابات سے پرہیز کیا جائے، اور کسی کے کلام کو توڑ مروڑ کر اس کے منشاء و مقصد کے خلاف اس پر غلط الزام لگانا کھلا بہتان ہے، جس کے حرام ہونے میں کسی کو کسی تردد کی گنجائش نہیں، آخرت کے حساب کو سامنے رکھتے ہوئے ان حرکات سے باز رہا جائے۔

اس مختصر گزارش کے بعد اصل مقصد پر آتا ہوں، اور چونکہ اصل خرابی ناواقفیت اور بدعت کو بدعت نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے پہلے بدعت کی تعریف اور اس کی حقیقت لکھتا ہوں۔

ان اردت الا اصلاح ما استطعت

و ما توفیقی الا بالله العلی العظیم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بدعت کیا چیز ہے؟

اور اس میں کیا خرابی ہے؟

بدعت کی تعریف:

اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں، خواہ عبادات سے متعلق ہو، یا عادات سے، اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں، جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو، نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً، بدعت کی یہ تعریف علامہ برکوئی کی کتاب ”الطریقۃ المحمدیہ“ اور علامہ شاطبی کی کتاب ”الاعتصام“ سے لی گئی ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عادات اور دنیوی ضروریات کے لئے جوئے نئے آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ وہ بطور عبادت اور بہ نیت ثواب نہیں کئے جاتے۔ یہ سب جائز اور مباح ہیں، بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے مخالف نہ ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحۃً یا اشارۃً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہد رسالت میں موجود نہ تھی، بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہو گئی، وہ بھی بدعت میں داخل نہیں۔ جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ، اور تعلیمی، تبلیغی انجمنیں اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے صرف و نحو اور ادب عربی اور فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کا رد کرنے کے لئے منطق اور فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لئے جدید اسلحہ اور

جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں موجود بھی نہ تھیں، مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ان کا سبب داعی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی۔ بعد میں جیسی جیسی ضرورت پیدا ہوتی گئی علماء امت نے اس کو پورا کرنے کے لئے مناسب تدبیریں اور صورتیں اختیار کر لیں۔

اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں، نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا۔ بلکہ وہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں۔ گویا یہ ”احداث فی الدین“ نہیں بلکہ ”احداث للدین“ ہے۔ اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے احداث للدین کی نہیں۔ یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لئے بضرورت زمان و مکان کوئی نئی صورت اختیار کر لینا ممنوع نہیں۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں اور زمان مابعد میں یکساں ہے، ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں، اس کو بدعت کہا جائے گا۔ اور یہ از روئے قرآن و حدیث ممنوع و ناجائز ہوگا۔

مثلاً درود و سلام کے وقت کھڑے ہو کر پڑھنے کی پابندی، فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنے کے لئے کھانے پر مختلف سورتیں پڑھنے کی پابندی، نماز باجماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی مرتبہ دعاء مانگنے کی پابندی، ایصال ثواب کے لئے تیجہ، چہلم وغیرہ کی پابندی، رجب و شعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لئے چراغاں وغیرہ اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض و واجب کی طرح سمجھنا، ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ درود و سلام، صدقہ خیرات، اموات کو ایصال ثواب، متبرک راتوں میں

نماز و عبادت، نمازوں کے بعد دعاء یہ سب چیزیں عبادات ہیں، ان کی ضرورت جیسے آج ہے ایسے ہی عہد صحابہ کرامؓ میں بھی تھی۔ ان کے ذریعہ ثواب آخرت اور رضائے الہی حاصل کرنے کا ذوق و شوق جیسے آج کسی نیک بندے کو ہو سکتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو ان سب سے زائد تھا۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کو صحابہ کرام سے زائد ذوق عبادت اور شوق رضاء الہی حاصل ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ:

كل عبادة لم يتبعها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها فان الاول لم يدع للاخر مقالا فاتقوا الله يا معشر المسلمين وخذوا بطريق من كان قبلکم

یعنی جو عبادت صحابہ کرامؓ نے نہیں کی، وہ عبادت نہ کرو۔ کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کو یہ پورا کریں۔ اے مسلمانو! خدا تعالیٰ سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے طریقے کو اختیار کرو۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے۔

(اعتصام للشاطبی ص: ۳۱۰، ج: ۱)

بدعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی وجوہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ سب کام عہد صحابہ کرامؓ میں بھی عبادت کی حیثیت سے جاری تھے، تو ان کے ایسے طریقے اختیار کرنا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کئے، ان کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے؟ کیا یہ مقصد ہے کہ ان عبادات کے یہ نئے طریقے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ تھے، آج ان دعوے داروں پر انکشاف ہوا ہے۔ اس لئے انہوں نے اختیار نہیں کئے یہ کر رہے ہیں۔

دین میں کوئی بدعت نکالنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر خیانت کی تہمت لگانا ہے

اور اگر کہا جائے کہ ان کو معلوم تھے، مگر لوگوں کو نہیں بتلایا۔ تو کیا یہ معاذ اللہ ان حضرات پر دین میں بخل و خیانت اور تبلیغ و رسالت کے فرائض میں کوتاہی کا الزام نہیں ہے؟ اسی لئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔

بدعت نکالنا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ دین عہد رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم میں مکمل نہیں ہوا تھا

ایک طرف تو قرآن کا یہ اعلان ”اليوم اكملت لكم دينكم“ یعنی میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر دیا، دوسری طرف عبادات کے نئے نئے طریقے نکال کر عملاً یہ دعویٰ کہ شریعت اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے۔

اس لئے یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کیا، وہ دیکھنے میں کتنا ہی دل کش اور بہتر نظر آئے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اچھا نہیں۔ اسی کو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ ”ما لم یکن یومئذ دیناً لایکون الیوم دیناً“ یعنی جو کام اس زمانہ میں دین نہیں تھا، وہ آج بھی دین نہیں کہا جاسکتا۔ انہوں نے ان طریقوں کو معاذ اللہ نہ تو ناواقفیت کی بناء پر چھوڑا تھا، نہ سستی یا غفلت کی بناء پر بلکہ انکو غلط اور مضرب سمجھ کر چھوڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو ثانی فاروق اعظمؒ سمجھے جاتے تھے، انہوں نے یہی مضمون اپنے ایک مکتوب میں تحریر

فرمایا ہے۔

آج اگر کوئی شخص نماز تین کے بجائے چار رکعت اور صبح کی دو کے بجائے تین یا چار پڑھنے لگے، یا روزہ مغرب تک رکھنے کے بجائے عشاء کے بعد تک رکھے، تو ہر سمجھ دار مسلمان اس کو برا اور غلط اور ناجائز کہے گا۔ حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، کچھ تسبیحات زیادہ پڑھیں، کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا، پھر اس کو باتفاق برا اور ناجائز سمجھنا کیا صرف اسی لئے نہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے اور سکھائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت بدل ڈالی، اور ایک طرح سے اس کا دعویٰ کیا کہ شریعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کیا تھا، اس نے کیا ہے۔ یا معاذ اللہ آپ نے ادائے امانت میں کوتاہی اور خیانت برتی ہے کہ یہ نئے اور مفید طریقہ عبادت لوگوں کو نہیں بتلائے۔

اب غور کیجئے کہ نماز کی رکعات تین کے بجائے چار پڑھنے میں اور نمازوں، دعاؤں، درود و سلام کے ساتھ ایسی شرطیں اور طریقے اضافہ کرنے میں کیا فرق ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادات شرعیہ میں اپنی طرف سے قیدوں، شرطوں کا اضافہ شریعت محمدیہ کی ترمیم اور تحریف ہے، اس لئے اس کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

بدعت تحریف دین کا راستہ ہے

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں شرطیں اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دے دی جائے، تو دین کی تحریف ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی پتہ نہ لگے گا کہ اصل عبادت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی، کیا اور کیسی تھی؟ پچھلی امتوں میں تحریف دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے

عبادات کے نئے نئے طریقے نکال لئے، اور ان کی رسم چل پڑی، کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور نو ایجاد چیزوں میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

شریعت اسلام میں نفل کو فرض سے جدا کرنے کا حکم

شریعت اسلام نے چونکہ ہر فتنہ کے دروازہ کو بند اور فساد دین کے راستہ کو روکا ہے اسی لئے اس کا بھی خاص اہتمام فرمایا کہ فرائض اور نوافل میں پورا امتیاز رہے، حقیقت کے اعتبار سے بھی اور صورت کے اعتبار سے بھی۔ نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تو یہ معمول رہا کہ مسجد میں صرف فرض نماز جماعت سے ادا فرماتے، باقی نوافل اور سنتیں بھی گھر میں جا کر پڑھتے تھے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنت یا نفل نہیں ہے، ان میں اگر نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا، اور کوئی وظیفہ پڑھنا ہے، تو بصورت نماز قبلہ رخ نہیں بیٹھتے، بلکہ دہنی یا بائیں جانب پھر کر بیٹھتے، تاکہ دور ہی سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ نماز فرض ختم ہو چکی ہے، اب امام جو کچھ پڑھ رہا ہے، وہ اختیاری چیز ہے۔ اصل سنت تو یہی ہے کہ نوافل اور نفلی عبادات سب تنہائی میں اپنے گھروں میں ادا کی جائیں، اور اگر مسجد میں ہی سنتیں پڑھنا ہو تو بھی مسنون طریقہ یہ ہے کہ جماعت فرض کی ہیئت کو ختم کر دیا جائے، صفیں توڑ دی جائیں، لوگ آگے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھیں۔

اسی طرح روزہ شرعاً صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ لیکن چونکہ رات کو سب لوگ عادتاً سوتے ہیں، اور سونے کی حالت میں بھی کھانے پینے سے آدمی ایسا ہی رہتا ہے جیسا روزہ میں، اس لئے سحری کھانا مسنون قرار دیا گیا تاکہ سونے کے وقت جو صورت روزہ کی ہو گئی تھی، اس سے امتیاز ہو جائے، اور روزہ ٹھیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہو۔ اسی لئے سحری کھانا بالکل آخر وقت میں مستحب ہے۔ اسی طرح غروب آفتاب کے یقین ہو جاتے ہی روزہ فوراً افطار کرنا چاہئے، دیر کرنا مکروہ ہے تاکہ روزہ کی عبادت کے ساتھ زائد وقت کا روزہ میں اضافہ نہ ہو جائے۔

آج بھی یہ سب چیزیں بحمد اللہ مسلمانوں میں جاری ہیں، مگر جہالت و ناواقفیت سے ان چیزوں کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ صبح اور عصر کی نماز کے بعد عام طور پر ائمہ مساجد قبلہ کی جانب سے مڑ کر تو بیٹھ جاتے ہیں، لیکن اس پر نظر نہیں کہ یہ مڑنا اس غرض سے تھا کہ عملاً اس کا اعلان کر دیں کہ اب فرض ختم ہو چکے، ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے کرے، جہاں چاہے جائے۔ مگر یہاں پوری جماعت کو اس کا پابند کیا ہوا ہے کہ جب تک تین مرتبہ دعاء جماعت کے ساتھ نہ کر لیں اس وقت تک سب منتظر رہیں، پھر ان دعاؤں میں بھی خاص خاص چیزوں کی ایسی پابندی ہے، جیسے کوئی فرض ہو۔ جب تک وہ خاص دعائیں نہ پڑھی جائیں، عوام یوں سمجھتے ہیں کہ نماز کا کوئی جزء رہ گیا۔

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور شریعت اسلام کی احتیاط کی صریح مخالفت ہے کہ دعاؤں اور وظیفوں کو نماز فرض کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وظیفے اور دعائیں بھی گویا نماز کا جزء ہیں، جو امام یہ دعائیں اور وظائف سب مقتدیوں کو ساتھ لے کر نہ پڑھے، اس کی نماز کو مکمل نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اس پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔

بدعت حسنہ اور سیئہ

صحیح حدیث میں ہے کہ:

كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار

یعنی ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ہر بدعت سیئہ اور گمراہی ہے۔ کسی بدعت اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا جاسکتا، البتہ لغوی معنی میں ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں، اس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں، جو صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھیں، بعد میں کسی ضرورت کی بناء پر ان کو اختیار کیا گیا۔ جیسے

آج کل کے مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون۔ کہ اصل بنیاد تعلیم اور درس اور مدرسہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، آپ نے خود فرمایا: "انما بعثت معلماً" یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن جس طرح کے مدارس کا قیام اور ان میں جس طرح کی تعلیم آج کل بضرورت زمانہ ضروری ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں اس کی ضرورت نہ تھی، آج ضرورت پیش آئی تو احواء سنت کے لئے اس کو اختیار کیا گیا۔ جو تعریف بدعت کی اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کی رو سے ایسے اعمال بدعت میں داخل نہیں۔ لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی ان کو بدعت کہہ دے، تو بدعت حسنہ ہی کہا جائے گا، حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے تراویح کی ایک جماعت کو دیکھ کر اس معنی کے اعتبار سے فرمایا: "نعمت البدعة هذه" یعنی یہ بدعت تو اچھی ہے، کیونکہ ان کو اور سب کو معلوم تھا کہ تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی، اور پڑھائی، اور زبانی اس کی تاکید کی۔ اس لئے حقیقتہً اور شرعاً تو اس میں بدعت کا کوئی احتمال نہ تھا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت کا ایسا اہتمام نہ کیا گیا تھا، جو بعد میں حضور ﷺ ہی کی تعلیم کے مطابق کیا گیا۔ اس لئے ظاہری اور لغوی طور پر یہ کام بھی نیا تھا، اس کو "نعمت البدعة" فرمایا۔ بدعت حسنہ کا اس سے زیادہ کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا:

من ابتدع بدعة يراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلى الله عليه وسلم خان الرسالة لان الله تعالى يقول اليوم اكملت لكم دينكم فمالم يكن يومئذ ديناً لا يكون اليوم ديناً. (اعتصام ص: ۳۸-ج: ۱)

فاروق اعظمؓ کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی آڑ لے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعت حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لئے اس میں کوئی وجہ جواز نہیں

ہے۔ بلکہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے، وہ مطلقاً ممنوع و ناجائز ہے، البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں، بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں، بعض مکروہ تحریمی، بعض تنزیہی۔

قرآن حدیث اور آثار صحابہ و تابعین و ائمہ دین میں بدعات و محدثات کی خرابی اور ان سے اجتناب کی تاکید پر بے شمار آیات و روایات ہیں، ان میں سے بعض اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

بدعت کی مذمت قرآن و حدیث میں

علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں آیات قرآنیہ کافی تعداد میں اس موضوع پر جمع فرمائی ہیں، ان میں سے دو آیتیں اس جگہ لکھی جاتی ہیں:

۱..... ولا تكونوا من المشركين من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاً كل حزب بما لديهم فرحون.
مت ہو مشرکین میں سے جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے اور پارٹیاں ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت کی پارٹیاں ہیں۔ (اعتصام ص: ۶۵، ج: ۱)

۲..... قل هل أنبئكم بالأخسرين أعمالاً الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا.

آپ فرمائیے کہ کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ والے ہیں، وہ لوگ جن کی سعی و عمل دنیا کی زندگی میں ضائع اور بیکار ہو گئی، اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ نے ”اخسرین اعمالاً“ کی تفسیر میں اہل بدعت سے کی ہے۔ اور بلاشبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا پورا نقشہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خود تراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ ہم ذخیرہ آخرت حاصل رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کے اعمال نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب، بلکہ الٹا گناہ ہے۔

روایات حدیث بدعت کی خرابی اور اس سے روکنے کے بارے میں بے شمار ہیں ان میں سے بھی چند روایات لکھی جاتی ہیں:

۱:..... صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احدث في امرنا ما ليس منه فهو رد۔ (اعتصام بحوالہ بخاری)
جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل کرے جو دین میں داخل نہیں وہ مردود ہے۔

۲:..... اور مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے:

أما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد وشر الأمور محدثاتها وکل بدعة ضلالة.
اخرجہ مسلم وفي رواية للنسائي كل محدثة بدعة وکل بدعة في النار. (اعتصام ص: ۶۷، ج: ۱)

حمد و صلوة کے بعد سمجھو کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ اور طرز عمل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ اور طرز عمل ہے۔ اور بدترین چیز نو ایجاد بدعتیں ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور نسائی کی روایت میں

ہے کہ ہر نو ایجاد عبادت بدعت ہے، اور ہر بدعت جہنم میں ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے، اور حضرت
اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے:

انکم ستحدثون ويحدث لكم فكل محدثة ضلالة
وكل ضلالة في النار. (اعتصام ص: ۶۷ ج: ۱)

تم بھی نئے نئے کام نکالو گے، اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں
عبادت کی نکالیں گے، خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ عبادت گمراہی ہے، اور
ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:

من دعا الى الهدى كان له من الاجر مثل اجور من
يتبعه لا ينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعا الى
ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثم من يتبعه لا ينقص
ذلك من آثامهم شيئا.

جو شخص لوگوں کو صحیح طریق ہدایت کی طرف بلائے تو ان تمام لوگوں کے عمل
کا ثواب اس کو ملے گا، جو اس کا اتباع کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب
میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت
دے، تو اس پر ان سب لوگوں کا گناہ لکھا جائے گا، جو اس کا اتباع کریں
گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔

بدعات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت
لے اس کے انجام بد پر غور کریں کہ اس کا وبال تنہا اپنے عمل ہی کا نہیں بلکہ جتنے

مسلمان اس سے متاثر ہوں گے، ان سب کا وبال بھی ان پر ہے۔

۴:..... ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عراب بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح
روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں خطبہ دیا، جس
میں نہایت مؤثر اور بلیغ وعظ فرمایا۔ جس سے آنکھیں بہنے لگیں، اور دل ڈر
گئے، بعض حاضرین نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آج کا وعظ تو ایسا ہے،
جیسے رخصتی وصیت ہوتی ہے، تو آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح
زندگی بسر کریں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة لولاة الامر
وان كان عبدا حبشيا فان من يعش منكم بعدى فسيروا
اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين
المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم
ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة
ضلالة. (اعتصام)

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور حکام اسلام کی
اطاعت کرنے کی اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں
سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے، وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے اس
لئے تم میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو اختیار
کرو۔ اور اس کو مضبوط پکڑو، اور دین میں نو ایجاد طریقوں سے بچو۔
کیونکہ ہر نو ایجاد طریقہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۵:..... اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

”جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو

ڈھانے میں اس کی مدد کی۔“ (اعتصام للشاطبی ص: ۷۳ ج: ۱)

۶..... اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے، اور سیدھے جنت میں جاؤ، تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ نہ پیدا کرو۔“ (اعتصام)

۷..... آجری کی ”کتاب السنۃ“ میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اذا حدث فی امتی البدع و شتم اصحابی، فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنة اللہ و الملائکة و الناس اجمعین“ (اعتصام ص: ۸۸ ج: ۱)

جب میری امت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں، اور میرے صحابہ کرام کو برا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے، اور جو ایسا نہ کرے گا، تو اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔

عبداللہ بن حسن نے فرمایا کہ میں نے ولید بن مسلم سے دریافت کیا کہ حدیث میں اظہار علم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ”اظہار سنت“

۸..... حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”مسلمانوں کے لئے جن چیزوں کا مجھے خطرہ ہے، ان میں سب سے زیادہ خطرناک دو چیزیں ہیں، ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں، اس کو اس پر ترجیح دینے لگیں، جو ان کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں۔“

سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: کہ یہ لوگ صاحب بدعت ہیں۔

۹..... اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”خدا کی قسم آئندہ زمانہ میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا، تو لوگ کہیں گے کہ تم نے سنت چھوڑ دی۔“ (اعتصام ص: ۹۰ ج: ۱)

۱۰..... حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو، اور عبادت میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو۔ پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو، اس چیز کو اختیار کرو، جو از روئے سنت تم جانتے ہو، اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو۔“

۱۱..... حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال نہ آئے گا، جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے، اور کسی سنت کو مردہ نہ کر دیں گے۔ یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہو جائیں گی۔ (اعتصام ص: ۹۵ ج: ۱)

۱۲..... حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:

”بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ اور نماز میں مجاہدہ کرتا جاتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ صاحب بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔“

۱۳..... حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا:

”کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں، اور کوئی قول و عمل بغیر نیت کے مستقیم نہیں، اور کوئی قول اور عمل اور نیت اس وقت تک مستقیم نہیں، جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔“

۱۴..... ابو عمر و شیبائی فرماتے ہیں کہ:

”صاحب بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، توبہ کس سے کرے۔“

۱۵..... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ کلام حضرت امام مالکؒ اور تمام علماء وقت کے نزدیک ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے:

”سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سننا وولایة الأمر من بعده سننا الأخذ بها تصدیق لکتاب اللہ واستکمال لطاعة اللہ، وقوة على دين اللہ، ليس لاحد تغييرها ولا تبديلها ولا النظر في شيء خالفها، من عمل بها مهتد ومن انتصر بها منصور ومن خالفها اتبع غير سبيل المؤمنين، وولاه الله ما تولى واصلاه جهنم وساءت مصيرا.“

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں، ان کو اعتبار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت الہی کی تکمیل اور اللہ کے دین میں قوت حاصل کرنا ہے۔ کسی طرح نہ ان میں تغیر کرنا جائز ہے، نہ بدلنا، اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر کرنا۔ جو ان پر عمل کرے گا، ہدایت پائے گا، اور جو ان سنتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے گا، اس کی مدد ہوگی۔ اور جو ان کے خلاف کرے، اس نے مسلمانوں کے راستہ سے مخالف راستہ اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تجویز و اختیار پر چھوڑ دے گا۔ اور پھر جہنم میں جلایا جائے گا، اور جہنم برا ٹھکانہ ہے۔“

بدعات و محدثات

حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات و محدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں۔ اور انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ ”طریقت و شریعت“ دو متضاد چیزیں ہیں۔ بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں، اہل طریقت ان کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں۔ کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے، جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا، تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے۔

اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کے ارشادات، بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کئے جاویں، تاکہ عوام اس دھوکہ سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے، یا اتباع سنت میں متساہل ہیں۔ اس سلسلے کے لئے علامہ شاطبیؒ نے اپنی کتاب الاعتصام (ص: ۶۰۱، جلد: ۱) میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس میں صوفیائے متقدمین کے ارشادات دربارہ مذمت بدعات جمع کئے ہیں۔ ہمارے لئے ان کا ترجمہ کر دینا کافی ہے۔ وہی ہذا:

امام طریقت حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے، اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے، فرمایا: ”ادعونی استجب لکم“ مگر ہم بعض کاموں کے لئے زمانہ دراز سے دعا کر رہے ہیں، قبول نہیں ہوتی، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے قلوب مرچکے ہیں، اور مردہ دل کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اور موتِ قلوب کے دس سبب ہیں:

اول:..... یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔

دوسرے:..... تم نے کتاب اللہ کو پڑھا، اور اس پر عمل نہیں کیا۔

تیسرے:..... تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کیا، مگر آپ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے:..... شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا، مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔

پانچواں:..... تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں، مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں۔

اور غرض اس حکایت کے نقل سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم ترکِ سنت کو موتِ قلب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور فن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاوے، اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ عملِ آخرت کے متعلق ان کی ہمتیں اور نیتیں ضعیف ہو گئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اجسام ان کی خواہشات کا گہوارہ بن گئے۔ تیسرے یہ کہ ان پر طول غالب آ گیا۔ یعنی دنیوی سامان میں قرونوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے

رہتے ہیں، حالانکہ ان کی عمر قلیل ہے۔ چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے۔ پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔ چھٹے یہ کہ مشائخ سلف اور بزرگانِ متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہو گئی، تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنا لیا۔ اور ان کے فعل کو اپنے لئے حجت سمجھا، اور ان کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔

اور ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو۔ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے، ان کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود تعلیم فرمایا ہے، اس طریقہ سے بہتر ہے، جو تم خود اپنے لئے بناتے ہو۔ اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ جیسے بعض لوگ خلاف سنت رہبانیت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے، اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے، اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے، اس سے بچے۔

آج کل لوگوں کو حلاوتِ ایمان اور طہارتِ باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض اور واجبات کو معمولی چیزیں سمجھ کر ان کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کرنا چاہئے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں حق تعالیٰ نے سب اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں واقف نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم

میری سنت کا اتباع کرتے ہو، اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو، اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو، اور میرے صحابہ اور اہل بیت کی محبت رکھتے ہو۔

حضرت ابو بکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو بکر دقاق قدس سرہ جو حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان میں سے گزر رہا تھا، جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے، اور نکل نہ سکتے تھے۔ جس کو ”وادی تہ“ کہا جاتا ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے، اچانک مجھے غیبی آواز آئی:

کل حقیقة لا تتبع بالشريعة فہی کفر
(ترجمہ) جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے، وہ کفر ہے۔

حضرت ابو علی جوازی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آسان ہو جائے، اور اس کے افعال مطابق سنت کے ہو جائیں، اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جاوے، اور اپنے احباب و اخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو، اور خلق اللہ کے لئے اس کا نیک سلوک عام ہو، اور مسلمانوں کی غمخواری اس کا شیوہ ہو، اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے۔ (یعنی ضائع ہونے سے بچائے)۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جن پر علماء اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے، اور ان کی اقتداء کو لازم سمجھنا۔

حضرت ابو بکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اور یہ درجہ ان کو محض اتباع سنت اور ترک بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے۔

ف:..... ہمت اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ کو کہتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے۔ اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصرف اور ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحتہ ثابت نہیں، اس لئے غالباً اس جگہ ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوالحسن وراق رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سواء اقتداء رسول کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے، وہ ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہو گیا۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت عبد اللہ مغربی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب میں سے ہیں، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے، کتاب و سنت کے طریقے پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ ائمہ متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے۔

یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن منازل ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبان تمام فقراء اور اہل آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت ہیں۔

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عبادوزہاد کے مشہور امام حضرت جنید اور حضرت سفیان ثوری کے اصحاب میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

”زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے، جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو آپ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا۔ پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے، جو محسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔“

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کئے، مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا۔ اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا، تو میں مصیبت میں پڑ جاتا، بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ (مگر وہ اختلاف جو تجرید و حید میں ہو کہ وہ رحمت نہیں۔) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے۔ (کیونکہ علم سنت کے علاوہ دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں۔)

ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن میں تشریف لائے، شہر میں ان کی ولایت بزرگی کا چرچا ہوا، حضرت ابو یزید بسطامی نے بھی زیارت کا قصد کیا، اور اپنے ایک رفیق سے کہا، چلو ان بزرگ کی زیارت کر آویں۔

ابو یزید اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے، تو جانب قبلہ میں تھوک دیا، ابو یزید یہ حالت

دیکھتے ہی واپس ہو گئے، اور ان کو سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو ادا کر سکے، اس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزیدؒ کا یہ ارشاد ایک اصل عظیم ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ ترک سنت بوجہ ناواقفیت ہونے کے ہوا ہو۔

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداث بدعت پر مصر ہوں، ان کو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو محمد بن عبد الوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں، جو صواب اور درست ہوں۔ اور صواب اور درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں، جو خالص (اس کے لئے) ہوں۔ اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں، جو سنت کے مطابق ہوں۔

نیز حضرت ابو یزیدؒ کا ارشاد ہے کہ ”اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑنے لگے، تو اس سے ہرگز دھوکہ نہ کھاؤ، اور اس کی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو، جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آداب شریعت کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے۔“

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ جو فعل بغیر اقتداء (رسول) کے کرتا ہے، خواہ وہ (خوبصورت) طاعت ہو، یا معصیت، وہ عیش نفس ہے۔ اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے، وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء و اتباع میں نہیں ہو سکتی، اور اصل

مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ہو اسے بچیں، نیز فرمایا کہ ہمارے (صوفیائے کرام کے) سات اصول ہیں۔ ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء، تیسرے اکل حلال، (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام و ناجائز نہ ہو) چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا، پانچویں گناہوں سے بچنا، چھٹے توبہ، ساتویں ادائے حقوق۔

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہوگئی، توبہ کا التزام اور سنت رسول کا اتباع، اور مخلوق کو اپنی ایذا سے بچانا، نیز کسی نے آپ سے دریافت فرمایا کہ فتوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اتباع سنت۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے، اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے، مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ اور وہ عادل گواہ کتاب و سنت ہیں۔

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو مہتمم (نا قابل اطمینان) نہیں سمجھتا، اس کو مردانِ راہ تصوف میں شمار نہ کرنا۔ نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی۔ تو فرمایا کہ احکام میں تعدی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا، اور تہاؤن فی السنن، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سستی کرنا، اور اتباع الآراء والاهواء یعنی اپنی خواہشات اور غیر معتبر آراء رجال کی پیروی، اور ترک اتباع والاقتداء یعنی سلف صالح کے اتباع و اقتداء کو چھوڑنا، اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دار و گیر کسی شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے؟ فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے، وہ اس کا ماتحت اور تحت القدرت ہو، یا یہ یقین ہو کہ ہماری وہ بات مان لے گا، وغیرہ ذالک) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاوے گا، اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اس کو نجات ہو جاوے گی۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے، اس کو اپنا قصور اور مردانِ راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں، کیونکہ یہی حضرات اہل سنت ہیں۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کرتا ہے، اس کا عمل باطل ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں۔

اور فرمایا کہ میں تو اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں، تو اپنے اختیار سے اعمالِ برّ (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں، ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں، تو

دوسری بات ہے۔

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں، وہ سب کے سب بجز اتباع آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق پر بند کر دیئے گئے۔ (یعنی بغیر اقتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا، اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔)

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے، نیز ارشاد فرمایا: کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ نہ کرے (۱)، اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لکھے، اس معاملہ (تصوف) میں اس کی اقتداء نہ کرنی چاہئے، کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ اور فرمایا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابو عثمان جیری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت و صحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے، ایک حسن ادب، دوسرے دوام ہیبت، تیسرے مراقبہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت و معیت، اتباع سنت اور ظاہر شریعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے، اور اولیاء کی صحبت و معیت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا، تو صاحبزادہ نے بوجہ شدت غم و الم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابو عثمان نے آنکھ کھولی، اور فرمایا: بیٹا! ظاہر اعمال میں خلاف سنت کرنا، یہ باطن میں ریاء ہونے کی علامت ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنت کو حاکم بنا دے گا، وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا۔ اور جو قول و فعل میں خواہشات و اہواء کو

(۱) حفظ قرآن سے غالباً مراد یہ ہے کہ احکام قرآن پر اس کی نظر ہو، اور تلاوت کا ورد ہو، اسی طرح کتابت حدیث سے ضروری احادیث کے مضامین حفظ ہونا مراد ہے جیسا کہ مشائخ سلف و خلف کے تعامل سے واضح ہے۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

حاکم بنائے گا، وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وان تطيعوه تهتدوا“ یعنی اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے، تو ہدایت پاؤ گے۔

حضرت ابوالحسن نووی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں جس کو تم دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے، جو اس کو علم شرعی کی حد سے باہر نکال دے، تو تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے، ایک یہ کہ لوگ علم پر عمل نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ علم کے خلاف عمل کریں۔ تیسرے یہ کہ جس چیز کا علم ہو، اس کو حاصل نہ کریں۔ چوتھے یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے، اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہو گیا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے، جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو، اور اس کے رسول کا سب سے زیادہ متبع ہو۔

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھے، اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے، اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے، اور ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کرے، اور اپنے نفس کو اکل حلال کی عادت ڈالے، تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو، وہ باطل ہے۔

حضرت ابوالعباس ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ

جو سید الطائفہ حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر آداب الہیہ کو لازم کرے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور معرفت سے منور فرما دیتا ہے۔ اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ و اشرف نہیں ہے کہ بندہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور اخلاق میں ان کا متبع ہو، نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو، اور یہ کہ اس کے آداب معاملہ سے غافل ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں، بلکہ عالم صرف وہ شخص ہے، جو اپنے علم کا متبع ہو، اور اس پر عمل کرے، اور سنت نبویؐ کی اقتداء کرے، اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے؟ تو فرمایا:

”دین بلا بدعة وعمل بلا آفة وقلب بلا شغل ونفس بلا شهوة“

دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے (یعنی بدعات و مختصرات کی آفتیں اس میں شامل نہ ہوں) اور قلب فارغ جس کو (غیر اللہ کا) شغل نہ ہو، اور نفس جس میں شہوت (کا غلبہ) نہ ہو۔

اور فرمایا: کہ (حقیقی) صبر یہ ہے کہ احکام کتاب و سنت پر مضبوطی سے قائم رہے۔

حضرت بنان حمال رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے؟ فرمایا (چار چیزیں) اول جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، اس میں اس پر اعتماد و توکل کرنا (یعنی رزق)۔ دوسرے احکام الہی پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ تیسرے قلب کی حفاظت (لا یعنی

تفکرات سے)۔ چوتھے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذات حق کی طرف رکھنا۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے، اس پر چلنا بھی سہل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے کے لئے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

حضرت ابواسحاق رقاشی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں؟ تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے، اور دلیل اس کی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ .

حضرت ممتاز دودینوری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا التزام کرے، اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے، اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے، اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے۔

حضرت ابوعلی روزباری رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے ذکر کیا، بعض صوفیاء غناء مزامیر سنتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے، کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر

نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا ہے کہ وہ پہنچ گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ تک نہیں، جہنم تک۔

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضے کو ضائع کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے، وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى.

مزارات اولیاء اللہ کی شرعی حیثیت

سوال (۱)..... عرس کے لغوی معنی کیا ہیں؟ اور اصطلاح شرع میں عرس کی کیا تعریف ہے؟ قرونِ ثلاثہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو یہ کب سے ہوا؟

سوال (۲)..... آج کل ہندو بنگال کے چند مواضع مثلاً اجمیر، بریلی اور چانگام وغیرہ میں ایک تاریخ معین میں کوئی شاہ صاحب کسی مزار پر سجادہ نشین ہو کر بیٹھتے ہیں، اور ان کے مریدین و معتقدین کا جم غفیر ہوتا ہے، اور مزار پر عمدہ سے عمدہ بیش قیمت غلاف چڑھایا جاتا ہے، اور اوپر شامیانے لگائے جاتے ہیں، اور مزار پر چراغاں کیا جاتا ہے، اور مزار کے گرد لوگ اس مردہ کی شان میں مضمون نعتیہ گاتے ہیں، اور ناچتے کودتے ہیں۔ یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟ اس صورت کے ساتھ عرس کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے بدعتی ہیں یا نہیں؟

سوال (۳)..... چند پیر یہاں ایسے بھی ہیں، جو اپنے مریدوں سے سجدہ کراتے ہیں۔ پس اس قسم کے حکم کرنے والے اور اس کے عاملین مرتد اور بے دین ہیں یا نہیں؟ اور بعض پیر گوزبان سے حکم نہیں کرتے، لیکن مریدین انہیں سجدہ کرتے ہیں، اور وہ منع نہیں کرتے۔ پس ایسے پیر کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا یہ لوگ حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "الساکت عن الحق کشیطان الاخرس" کے شیطان نہیں ہیں؟ اور یہ مرتکب

بدعات مروجہ

بدعت کی چونکہ کوئی شرعی بنیاد نہیں ہر زمانہ ہر ملک میں ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ نئے نئے طریقے بدعت کے ایجاد کرتے رہتے ہیں، جن کا حصر و شمار ممکن نہیں۔ اور اصولی طور پر بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ارشادات کے ذریعہ معلوم ہو جانے کے بعد بدعات کی تفصیلات جمع کرنے کی ضرورت بھی نہیں، لیکن بہت سے عوام اور ناواقفوں کو یہ مشکل ہوتا ہے کہ بدعت کی تعریف سن کر اس کو اپنے زمانہ کی مروجہ بدعات پر منطبق کر کے سمجھیں کہ فلاں چیز بدعت ہے، فلاں نہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں جو بدعات رائج ہو جاویں، ان کو متعین اور شمار کر کے لوگوں کو بتلادیا جائے۔ اس کے لئے علماء اہل سنت نے بحمد اللہ بہت سی کتابیں اردو زبان میں لکھ دی ہیں ان کو ضرور دیکھ لیا جائے۔ "بہشتی زیور" اور "اصلاح الرسوم" کا مطالعہ بھی کافی ہے، اور بعض بدعات مروجہ کا بیان بھی کیا جاتا ہے۔

معصیت کبیرہ ہیں یا نہیں؟ اور بعض پیر اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں، لیکن مرید نہیں مانتے، اور سجدہ کرتے ہیں۔ اس وقت کبھی منع کرتے ہیں، اور کبھی دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی عرس بند نہیں کرتے کہ جس سے اس شرک و بدعت کا قلع قمع ہو جائے۔ بلکہ عرس کو باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ پھر یہ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کیا کروں، لوگ سجدہ کرتے ہیں، منع کرتا ہوں، وہ نہیں مانتے، میں معذور ہوں۔

سوال (۴)..... پیر کی کیا تعریف ہے؟ مرتکب امور بالا کو پیر بنانا اور اس کا معتقد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۵)..... سجدہ بغیر اللہ مطلقاً حرام ہے، یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ بعض لوگ سجدہ تجبیہ کو جائز کہتے ہیں، اور وہ یہ جاہل پیر لوگ ہیں۔ کیا واقعہ بھی ایسا ہی ہے؟ کوئی ان میں فتویٰ تیسیر کا حوالہ بھی دیتا ہے، اور کوئی فتح القدیر کا۔ آیا وہ عبارات صحیح ہیں یا نہیں؟

سوال (۶)..... بدعت کی تعریف اور تقسیم مع حوالہ کتب تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمائیے کہ کونسی بدعت معصیت ہے اور کون سی نہیں؟ اور عرس اگر بدعت ہو تو عرس کرنے والے کو بدعتی کہیں گے؟ اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی؟ نیز عرس کے بدعت ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اسے نہ چھوڑے، بلکہ اس پر مداومت اور اصرار کرے، اور اسے جائز اور قابل ثواب کرنے کے لئے کوشش کرے، تو ایسا شخص مصر علی المعصیۃ ہے یا نہیں؟ اور اصرار علی المعصیۃ عمدہ اور باعث ثواب سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

سوال (۷)..... جن بدبودار چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور وہ شخص مسجد میں بسبب اس اختیاری کے نہ آئے، اور جماعت میں شامل نہ ہو، لیکن نیت جماعت کی رکھے، تو جماعت کا ثواب اسے ملے گا یا نہیں؟ اور جو لوگ اضطراباً معذور ہوں، انحرافاً یا ازفر ہوں، تو آیا ان کے لئے بھی لایقر بن مسجد کا حکم ہوگا؟ اور ان کے لئے بھی

ممانعت ہو، تو انہیں بنا برنیت حضوری جماعت کے جماعت کا ثواب مل گیا یا نہ؟

الجواب

عرس بضم اول و بضم لغت عرب میں طعام ولیمہ کو نیز نکاح کو کہا جاتا ہے۔ کما صرح بہ القاموس۔ آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عرس کہتے ہیں، یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا، یہ فعل بھی بدعت مستحذہ ہے۔ اور یہ نام بھی اس کے لئے مستحذہ ہے۔ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس طرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداء بری نہ تھی، بعد لوگوں کی تعدی نے اس کو گناہ اور بدعت بنا دیا، اسی طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے، اس کی خبر سن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے، پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضری کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے، کوئی دن بھی متعین کر دیا۔ یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا، پھر بعد میں جہلاء و مبتدعین نے اس کو اس حد تک طول دے دیا کہ سینکڑوں محرمات اور افعال شرک و کفر کا تماشا گاہ ہو گیا۔ اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی۔ اب مسئلہ عرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں۔ اول نفس عرس خالی از دیگر منکرات، دوسرے مع بدعات و منکرات مروجہ۔

سوا مرام اول کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلا تعین تاریخ و بلا اہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے، تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ مستحب بلکہ سنت ہے۔ بشرطیکہ منکرات مروجہ وہاں نہ ہوں،

لما اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراہیم قال: "كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیکول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابوبکر و عمر و عثمان"

اس قسم کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں:

کہ روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکور انتقال ایساں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایس عمل واقع شود موجب فلاح و نجات

است۔ (از مجموعہ فتاویٰ ص: ۶۹ ج: ۳)

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنا، یا اسبا عمل کرنا، جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو، اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو، یہ ایک بدعت سیئہ ہے، جس کا اصول اسلام میں کہیں نام نہیں۔

امردوم یعنی عرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عرس سے سمجھے جاتے ہیں، اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک توفی نفسہ بدعت اور پھر اس میں بہت سے مشرکانہ افعال اور بدعات اور امور قبیحہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لئے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہو گیا۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱..... چراغ جلانا، جو نص حدیث حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ)

۲..... چادر وغیرہ چڑھانا، جس کی حدیث صریح میں مخالفت ہے۔

(بخاری)

۳..... ان کے نام کی نذر و منت ماننا، جو مطلقاً حرام ہے۔

"قال فی البحر الرائق الاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشغل بہ الذمہ وانه حرام بل سحت و لا یجوز لخدام الشیخ اخذه و لا اكله و

لا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ۔"

۴..... پھر اس نذر کی مٹھائی وغیرہ کو تبرک سمجھ کر کھانا، اور تقسیم کرنا حالانکہ اس کا حرام ہونا اوپر کی عبارت بحر سے معلوم ہو گیا۔ اس لئے اس کے حلال و تبرک سمجھنے میں تو اندیشہ کفر کا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۵..... راگ باجہ وغیرہ جس کی مذمت و ممانعت پر احادیث کثیرہ صراحۃً وارد ہوئی ہیں، تفسیر روح المعانی میں آیت لہو الحدیث کے ذیل میں تعداد کثیران روایات کی جمع کی گئی ہے۔ فلیراجع۔ نیز شیخ ابن حجر مکی کا رسالہ "کف الرعاع عن محرمات اللہو والسماع" بھی اس موضوع میں کافی شافی ہے۔ خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اس کو ناجائز فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ حقوق السماع حکیم الامتہ مولانا التھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۶..... فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے۔

۷..... عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا، جس پر حدیث میں ارشاد ہے۔

لعن اللہ زوارات القبور

۸..... قبروں کے مجاورین کا بیٹھنا، جس کی ممانعت حدیث وفقہ کی معتبر کتب میں

منصوص ہے۔

۹..... قبر کا طواف کرنا، جو قطعاً حرام ہے۔ ملا علی قاری شرح مناسک باب زیارت

روضۃ القدس میں فرماتے ہیں:

ولا یطوف ای ولا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من

مختصات الکعبة المنیفة بحرم حول قبور الاولیاء انتھی۔

۱۰..... سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے۔ اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا

گناہ کبیرہ ہے۔ کماسیاتی تفصیلہ۔ اگر تتبع کیا جاوے، تو اس قسم کے سینکڑوں گناہوں کا

مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا۔ وفی ذالک کفایۃ لمن اراد الہدایۃ۔ اسی لئے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے، اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیاء کرام جو محقق ہوئے ہیں، اس سے منع کرتے رہے ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جو علاوہ علوم ظاہرہ کے ماہر و علامہ ہونے کے خاندان نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلفاء میں سے ہیں، ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:

قبور اولیاء بلند کردن و گنبد براں ساختن و عرس و امثال آں چراغاں کردن، ہمہ بدعت است۔ بعض ازاں حرام و بعض مکروہ پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ۔

اور بریقہ شرح طریقہ محمدیہ صفحہ ۱۲۲ جلد ۱ میں ہے:

”واقبح البدع عشرة وعد منها طعام الميت وایقاد الشموع علی المقابر والبناء علی القبر وتزیینہ والبیوتۃ عنده والتغنی والسماع واتخاذ الطعام للرقص واجتماع النساء لزيارة القبور

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی مسائل اربعین میں فرماتے ہیں:

مقرر ساختن روز عرس جائز نیست۔

در تفسیر مظہری می نویسند ”لایجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء

والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السراج والمساجد الیہا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد وتسمونہ عرساً“، اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی ہے ”مالم یکن یومئذ دینا لایکون الیوم دیناً“ اس لئے جس عبادت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو، وہ عبادت نہیں گمراہی ہے۔ رسالہ قشیریہ میں اکابر اہل طریق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ فلیراجع ثمہ و مثله فی مفتاح السنۃ للسیوطی ص: ۵

۲..... تفسیر مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والے بدعتی اور سخت گناہ گار ہیں۔

۳..... غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو، تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے۔ (نعوذ باللہ منہ) اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو، بلکہ قصد تعظیم معروف ہو، تو ارتداد و کفر تو نہیں، لیکن سخت تر گناہ اور قریب شرک کے ہے۔ کذا قال ابن حجر المکی فی الاعلام

بقواطع الاسلام علی هامش الزواجر۔ (ص: ۳۲، ج: ۳)

”وفی المواقف وشرحہا من صدق بما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ذالک سجد للشمس کان غیر مومن بالاجماع لان سجودہ لہا یدل بظاہرہ انہ لیس بمصدق ونحن نحکم بالظاهر فلذلک حکمنا بعدم ایمانہ لان عدم السجود لغير اللہ داخل فی حقیقۃ الایمان حتی لو علم انہ لم یسجد لہا علی سبیل التعظیم واعتقاد الالوہیۃ بل سجد لہا وقلہ مطمئن بالایمان لم یحکم بکفرہ فیما بینہ وبين اللہ تعالیٰ وان اجری علیہ حکم الکافر فی الظاہر انتہی ثم قال نقلاً عن الروضۃ ولس من هذا ما یفعلہ کثیر من الجہلۃ الظالمین من السجود بین یدی المشائخ فان ذالک حرام قطعاً بکل حال سواء کان للقبلة او لغيرہا وسواء قصد السجود للہ او غفل وفی بعض صورۃ ما یقتضی الکفر عافانا اللہ تعالیٰ من ذالک انتہی، ففہم انہ قد یکون کفراً بان قصد بہ عبادۃ مخلوق او التقرب الیہ وقد یکون حراماً ان قصد بہ تعظیمہ..... الخ“

یہی مضمون حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی نے مائۃ مسائل کے مسئلہ ۳۳

میں ذکر فرمایا ہے اور حلی نے شرح منیہ کبیر میں کہا ہے، حتی لو سجد لغير اللہ یکفر۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا انتہائی درجہ کا سخت گناہ ہے۔ اور جو پیر اپنے سامنے اس گناہ کو جاری رکھتے ہیں، اگرچہ امر نہ کریں، البتہ شریک گناہ ہیں۔ اگر بالفرض لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے، تو یہ پیر ہی کس کام کا ہے، کم از کم اس کو ان سے علیحدہ ہو جانا فرض ہے۔

الغرض ایسے پیروں سے بیعت کرنا حرام ہے، جو حدود شرعیہ کی پروا نہ کرتے ہوں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ کی اپنی اکثر تصنیفات میں اور رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف وغیرہ میں خود ائمہ تصوف کے اقوال سے اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

۴..... حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجلیل میں پیر یعنی شیخ کامل کی چند شرطیں لکھی ہیں۔ جو شخص ان شرائط کے ساتھ موصوف نہ ہو، اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا چاہئے۔ بالخصوص جو شخص مرتکب امور مذکورہ فی السوال ہو۔ اور معاصی کا مرتکب ہو، اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔ وذا لک کلمہ ظاہر

۵..... سجدہ کے متعلق تفصیل سے جو نمبر ۳ میں مذکور ہو چکی اتنی بات بالا جمال ہے کہ غیر کو سجدہ کرنا حرام ضرور ہے، کفر ہونے میں تفصیل ہے، حرمت میں کوئی تفصیل نہیں۔ فتح القدیر کی طرف اباحت کو منسوب کرنا غلط محض ہے۔

۶..... بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں۔ خواہ عادت ہو، یا عبادت۔ جن لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں، انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسمیں کی ہیں۔ سیدہ اور حسنہ، جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے، وہ اسی معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں۔ ورنہ درحقیقت بدعت نہیں، اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں، دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہ و تابعین کے بعد ہوا ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو، نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ صراحۃً، نہ اشارۃً۔ هذا ملخص مافی الطريقة المحمدية وهو اجمع ما رأيت من تعريف البدعة و ان اردت

التفصیل فراجعه۔ (بريقة شرح الطریقة، ص: ۱۲۸، ج: ۱)

پھر بدعت میں درجات ہیں، بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں، بعض حرام، بعض شرک۔ اور مصر علی البدعة بہر حال فاسق ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ کمافی الدر المختار وغیرہ وخلف مبتدع..... الخ

۷..... جب ان چیزوں کا ترک اس کے اختیار میں ہے، اور ترک نہیں کرتا، بلکہ جماعت کو ترک کر دیتا ہے، تو خواہ نیت ہو یا نہ ہو، ثواب جماعت نہ ہوگا۔ البتہ جو معذور ہوں، جیسے انحر واذفر وغیرہ ان کے لئے بھی مناسب ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہوں۔ تاکہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے۔ ایسے لوگوں کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب گھر بیٹھے مل جائے گا۔ کما صرح به الفقهاء والتفصیل فی رسالتی آداب المساجد۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ

۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

سوال..... مسجد میں درگاہ ہے، درگاہ پر روزانہ اور جمعرات کو روشنی ہوتی ہے، روشنی کے لئے تیل وغیرہ کا انتظام مسجد کی آمدنی سے اور اہل محلہ کی طرف سے ہوتا ہے، صرف درگاہ کے لئے تیل اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ تمام درگاہ کی روشنی میں خرچ نہیں ہو سکتا۔ اگر باقی ماندہ تیل کو امام مسجد اپنے ذاتی مصارف کتب بینی وغیرہ میں استعمال کرے تو جائز ہے یا نہ؟

الجواب..... قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے، لعن اللہ زوارات القبور والمتخذین علیہا السراج۔ اس لئے جو تیل درگاہ کی روشنی کے لئے دیا جاتا ہے، اس کو اصل مزار پر جلانا نہ چاہئے البتہ اگر مزار کے متعلق حجرے ہوں، یا

راستہ پر روشنی کی ضرورت ہو، وہاں جلایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح حجرہ امام اگر متعلقات درگاہ میں ہو، تو اس میں بھی جلا سکتے ہیں۔ ورنہ بلا اجازت مالک دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذر مزار پر چڑھایا ہے، تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں۔ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے، اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے، جس کی نذر کی گئی ہو۔

صرح بہ فی البحر الرائق من کتاب النذر۔ فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہ۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

سوال..... جب کہ مسجد کے اندر حسب ضرورت کافی روشنی ہوتی ہے، اور درگاہ کی روشنی کوئی فائدہ نہیں رکھتی، روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جمعرات کے دن جو ختم درگاہ پر ہوتا ہے، اس میں شرکت کرنے والا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب..... قبر پر چراغ جلانا حرام ہے۔ کما مر اور ختم قرآن میں اگر دوسری بدعات نہ ہوں، تو شرکت میں مضائقہ نہیں۔ لیکن پھر بھی ترک اولیٰ ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ بالفعل بدعات نہ ہوں، رفتہ رفتہ بدعات سے بھی آگے تجاوز کر جاتی ہیں۔ فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہ

سوال..... بزرگان دین کے صد ہا مزار ہیں، جن کی فاتحہ خوانی جائز و ناجائز دونوں طرح ہو رہی ہے، فاتحہ خوانی کے لئے مزاروں پر حاضر ہونے کو واجب اور فرض سمجھنا کیسا ہے؟ ایصال ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے، یا مزاروں پر جانا ضروری ہے؟ نیز اس

طریقہ سے دعاء کرنا کہ یا حضرت آپ اللہ کے دوست ہیں، اور اس کے مقبول بندے ہیں، آپ خدا سے میرے لئے دعاء کیجئے کہ خدا مجھے مقصد میں کامیاب کرے۔ یہ دعاء جائز ہے یا نہیں؟

مزاروں پر عرس ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب..... ایصال ثواب کے لئے قبر پر جانے کی ضرورت نہیں، ہر جگہ سے پہنچتا ہے۔ البتہ قبر پر جانے سے دوسرے فوائد ہیں۔ عام مومنین کی قبر پر جانے سے عبرت اور اعزاء و اقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی، دعاء میں صاحب قبر کو خطاب نہ کرنا چاہئے، بلکہ یوں دعاء کرے تو مضائقہ نہیں کہ: یا اللہ! فلاں مقبول بندے کے طفیل سے ہمارا کام کر دے۔

سوال..... زید سنتا ہے کہ فلاں بزرگ کی درگاہ نہایت عالیشان ہے، اس کو سن کر وہ سفر طے کر کے درگاہ کے دیکھنے کو جاتا ہے۔ یہ جانا کیسا ہے؟

الجواب..... اگر وہاں بدعات و منکرات میں مبتلا نہ ہو، تو جائز ہے۔

سوال..... زید کہتا ہے اگر میرا فلاں کام ہو گیا، تو فلاں بزرگ کی درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا، اور وہاں بنام خدا نیا زکروں گا۔ یہ کیسا ہے؟ اگر زید کا کام حسب منشاء ہو جائے، تو چادر چڑھانا اس پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب..... چادر قبر پر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے، اور نذر اس کی کرنا دوسرا گناہ ہے۔ اور یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوئی۔

سوال..... مولود شریف جو مروجہ طریقہ سے ہوتا ہے کیا حکم رکھتا ہے؟ مولود میں قیام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب..... ناجائز ہے اور اگر بدعات و تعینات مروجہ سے خالی ہو، تو جائز ہے۔

سوال..... شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں ایصال ثواب کے لئے جائز ہے

یا نہیں؟

الجواب..... ایصالِ ثواب جائز ہے، بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے۔

سوال..... بزرگوں کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا مزاروں پر بھیجا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اگر مکان میں فاتحہ دلا کر ایصالِ ثواب کر دیا جائے۔ تو کیا ثواب کم ہوتا ہے؟ جیسے اکثر لوگوں کو مقولہ ہے کہ نیاز قبول نہیں ہو سکتی، جب تک مزاروں پر نہ بھیجا جائے؟

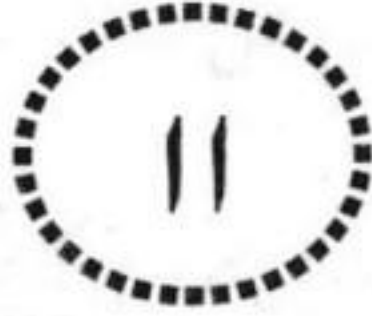
الجواب..... مزار پر بھیجنا فضول اور لایعنی حرکت ہے، ہر جگہ سے ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے۔

سوال..... حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فاتحہ خوانی جو عشرہ محرم میں ہوتی ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز ان کا ذکر شہادت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب..... ایصالِ ثواب یا ذکر شہادت کے لئے عشرہ محرم کی تخصیص لغو اور بدعت ہے۔ بلا تعین کبھی کسی وقت کرے، تو جائز اور ثوابِ عظیم ہے۔ فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہ

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ



بدع الناس عن محدثات الاعراس

یعنی عرس مروج کا شرعی حکم

بدع الناس عن محدثات الاعواس

یعنی عرس مروج کا شرعی حکم

سوال:

(۱) عرس کے لغوی معنی کیا ہیں اور اصطلاح شرع میں عرس کی کیا تعریف ہے؟
قرونِ ثلاثہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں، اور اگر نہیں تھا تو کب سے ہوا؟

(۲) آج کل ہندو بنگال کے چند مواضع مثلاً اجمیر، بریلی اور چائگام وغیرہ میں ایک تاریخ معین میں کوئی شاہ صاحب کسی مزار پر سجادہ نشین ہو کر بیٹھے ہیں اور ان کے مریدین و معتقدین کا جم غفیر ہوتا ہے اور مزار پر عمدہ سے عمدہ پیش بہا قیمت کا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور اوپر شامیانے لگائے جاتے ہیں اور مزار پر چڑھا لیا جاتا ہے اور مزار کے گرد لوگ اس مردہ کی شان میں مضمون نعتیہ گاتے ہیں اور ناپچتے کودتے ہیں یہ امور جائز ہے یا نہیں، اس صورت کے ساتھ عرس کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے بدعتی ہیں یا نہیں؟

(۳) چند پیر یہاں ایسے بھی ہیں جو اپنے پیروؤں سے سجدہ کراتے ہیں بس اس قسم کے حکم کرنے والے اور اس کے عاملین مرتد اور بے دین ہیں یا نہیں، اور بعض پیر تو زبان سے حکم نہیں کرتے لیکن مریدین انہیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتے پس ایسے پیر کے لیے کیا حکم ہے کیا یہ لوگ حسب فرمان نبوی ”الساکت عن الحق شیطان اخرس“ شیطان نہیں ہیں؟ اور یہ مرتکب معصیت کبیرہ ہیں یا نہیں؟ اور بعض پیر اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں لیکن مرید نہیں مانتے اور سجدہ کرتے ہیں اس وقت کبھی منع کرتے ہیں اور کبھی دم

تاریخ تالیف

مقام تالیف

ماخوذ از امداد المفتین

مروجہ عرس کے احکام پر مشتمل یہ رسالہ امداد المفتین کا حصہ چلا آرہا ہے۔

اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

بخود ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن پھر بھی عرس بند نہیں کرتے کہ جس سے اس شرک و بدعت کا قلع قمع ہو جائے بلکہ عرس کو باعث ثواب سمجھتے ہیں ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ پھر یہ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کیا کروں لوگ سجدہ کرتے ہیں منع کرتا ہوں وہ نہیں مانتے، میں معذور ہوں۔

(۴) پیر کی کیا تعریف ہے مرتکب امور بالا کو پیر بنانا اور اس کا معتقد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) سجدہ لغیر اللہ مطلقاً حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے بعض لوگ سجدہ تحیہ کو جائز کہتے ہیں اور وہ یہ جاہل پیر لوگ ہیں کیا واقعہ بھی ایسا ہی ہے کوئی ان میں فتویٰ تیسیر کا حوالہ بھی دیتا ہے اور کوئی فتح القدیر کا، آیا وہ عبارات صحیح ہیں یا نہیں؟

(۶) بدعت کی تعریف اور تقسیم مع حوالہ کتب تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمائیے کہ کوئی بدعت معصیت ہے اور کوئی نہیں اور عرس اگر بدعت ہو تو عرس کرنے والے کو بدعتی کہیں گے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی نیز عرس کے بدعت ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اسے نہ چھوڑے بلکہ اس پر مداومت اور اصرار کرے اور اسے جائز اور قابل ثواب کرنے کے لیے کوشش کرے تو ایسا شخص مصر علی المعصیت ہے یا نہیں اور اصرار علی المعصیۃ عدا اور باعث ثواب سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

(۷) جن بدبودار چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی گئی ہے اور وہ شخص مسجد میں بسبب اس اختیاری کے نہ آئے اور جماعت میں شامل نہ ہو لیکن نیت جماعت کی رکھے تو جماعت کا ثواب اسے ملے گا یا نہیں، اور جو لوگ اضطراراً معذور ہوں، بخر اور ازفر ہوں تو آیا ان کے لیے بھی ”لا یقربن مسجدنا“ کا حکم ہوگا اور ان کے لیے بھی ممانعت ہو تو انہیں بنا برنیت حضوری جماعت کے جماعت کا ثواب مل گیا یا نہ؟

الجواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم عرس بضم اول و بضم تین لغت عرب میں طعام ولیمہ کو نیز نکاح کو کہا جاتا ہے کما صرح بہ فی القاموس۔ آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عرس

کہتے یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا یہ فعل بھی بدعت مستحدثہ ہے اور یہ نام بھی اس کے لیے مستحدث ہے، قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام، نشان نہ تھا بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے مشہور یہ ہے کہ جس طرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداء بری نہ تھی بعد میں لوگوں کی تعدی نے اس کو گناہ اور بدعت بنا دیا اس طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیر حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے تھے اس کی خبر سن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضری کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے کوئی دن بھی متعین کر دیا یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا پھر بعد میں جہلاء و مبتدعین نے اس کو اس حد تک طول دے دیا کہ سینکڑوں محرمات اور افعال شرک و کفر کا تماشا گاہ ہو گیا اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی اب مسئلہ عرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں اول نفس عرس خالی از دیگر منکرات دوسرے مع بدعت و منکرات مروجہ۔

سوا مر اول کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلا تعین تاریخ و بلا اہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ منکرات مروجہ وہاں نہ ہوں کما اخرج ابن جریر عن ابراہیم قال قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشهداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار۔

ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما سے اس قسم کے متعلق شاہ عبد العزیز صاحب اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں کہ تعین روز عرس برائے آنست کہ آن روز بذکر انتقال ایشاں می باشندہ دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔ از مجموعہ فتاویٰ صفحہ: ۲۹/۳۔

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنا یا ایسا عمل کرنا جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو یہ ایک بدعت سیئہ ہے جس کا اصول اسلام میں کہیں نام نہیں۔

امردوم۔ یعنی عرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عرس سے سمجھے جاتے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک قونی نفسہ بدعت اور پھر اس میں بہت سے شرکانہ افعال اور بدعات اور امور قبیحہ کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لیے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہو گیا جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) چراغ جلانا جو بعض حدیث حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲) چادر وغیرہ چڑھنا جس کی حدیث صریح میں مخالفت ہے۔ (بخاری)

(۳) ان کے نام کی نذر و منت ماننا جو مطلقاً حرام ہے:

قال فی البحر الرائق الاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشغل به الذمۃ وانه حرام بل سحت ولا یجوز لخدام الشیخ اخذه ولا اكله ولا التصرف فیہ بوجه من الوجوه.

(۴) پھر اس نذر کی مٹھائی وغیرہ کو تبرک سمجھ کر کھانا اور تقسیم کرنا حالانکہ اس کا حرام ہونا اوپر کی عبارت بحر سے معلوم ہو گیا ہے اس کے حلال و تبرک سمجھنے میں تو اندیشہ کفر کا ہے۔

(۵) راگ باجہ وغیرہ جس کی حرمت و ممانعت پر احادیث کثیرہ صراحتہ وارد ہوئی ہیں تفسیر روح المعانی میں آیت لہو الحدیث کے ذیل میں تعداد کثیران روایات کی جمع کی گئی ہے فلیراجع نیز شیخ ابن حجر مکی رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللہ والسماع بھی اس موضوع میں کافی شافی ہے^(۱)۔ خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اس کو ناجائز فرمایا ہے ملاحظہ ہو رسالہ ”حق السماع حکیم الامت مولانا اتھارنوی“۔

(۶) فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے۔

(۷) عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا جس پر حدیث میں ارشاد ہے ”لعن اللہ زوارات القبور“۔

(۸) قبروں پر مجاورین کا بیٹھنا جس کی ممانعت حدیث وفقہ کی معتبر کتاب میں منصوص ہے۔

(۹) قبر کا طواف کرنا جو قطعاً حرام ہے ملا علی قاری شرح مناسک باب زیارت روضہ اقدس میں فرماتے ہیں:

ولا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریقة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة یحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء. انتھی.

(۱۰) سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا گناہ کبیرہ ہے کما سیاتی تفصیلہ۔ اگر تتبع کیا جاوے تو اس قسم کے سینکڑوں گناہ کا مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا، وفی ذلک کفایۃ لمن اراد الہدایۃ۔ اسی لیے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیاء کرام جو محقق ہوئے ہیں اس سے منع کرتے رہے ہیں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پٹی جو علاوہ علوم ظاہرہ کے ماہر و مفتی و قاضی ہونے کے خاندان نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلفاء میں سے ہیں ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں، قبور اولیاء بلند کردن و گنبد براں ساختن و عرس و امثال آں و چراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ۔ اور بریقہ شرح طریقہ محمدیہ صفحہ ۱۲۲ ج ۱ میں ہے۔

واقبح البدع عشرة وعد منها طعام الميت وایقاد الشموع علی المقابر والبناء علی القبر وتزیینہ والبیوتۃ عنده والتغنی والسماع واتخاذ الطعام للرقص واجتماع النساء لزیارة القبور الخ.

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی مسائل اربعین میں فرماتے ہیں مقرر ساختن روز عرس جائز نیست، در تفسیر مظہری می نویسد:

لا يجوز ما يفعله الجاهل بقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرسا.

اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی ہے ”ما لم يكن يومئذ لا يكون اليوم دينا“

اس لیے جس عبادت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو وہ عبادت نہیں گمراہی ہے رسالہ فقیریہ میں اکابر طرق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ فلیراجع ثمة ومثله فی مفتاح السنة للسيوطی صفحہ ۵۔ (۲) تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والے بدعتی اور سخت گنہگار ہیں۔

سجدہ تعظیم کا حکم شرعی

(۳) غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے (نعوذ باللہ منہ) اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو بلکہ قصد تعظیم معروف ہو تو ارتداد و کفر تو نہیں لیکن سخت تر گناہ اور قریب شرک ہے۔

كذا قال ابن حجر المكي في الاعلام بقواطع الاسلام على هامش الزواجر صفحہ ۳۲ ج ۳۔

وفي المواقف وشرحها من صدق بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم ومع ذلك سجد للشمس كان غير مؤمن بالاجماع لان سجوده لها يدل بظاهره انه ليس بمصدق ونحن نحكم بالظاهر فلذلك حكمنا بعدم ايمانه لان عدم السجود لغير الله داخل في حقيقة الايمان حتى لو

علم انه لم يسجد لها على سبيل التعظيم واعتقاد الوهية بل سجد لها وقلبه مطمئن بالايمان لم يحكم بكفره فيما بينه وبين الله تعالى وان اجري عليه حكم الكافر في الظاهر انتهى. ثم قال نقلا عن الروضة وليس من هذا ما يفعله كثير من الجهلة الظالمين من السجود بين يدي المشائخ فان ذلك حرام قطعا بكل حال سواء كان للقبلة او غيرها وسواء قصد السجود لله او غفل وفي بعض صورة ما يقتضي الكفر عافانا الله تعالى من ذلك انتهى فافهم انه قد يكون كفرا بان قصد به تعظيمه الخ.

یہی مضمون حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی نے مائتہ مسائل کے مسئلہ (۳۳) میں ذکر فرمایا ہے اور حلبی نے شرح منیہ کبیر میں کہا ہے لو سجد غیر اللہ یکفر۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا انتہائی درجہ کا سخت گناہ ہے اور جو پیر اپنے سامنے اس گناہ کو جاری رکھتے ہیں اگرچہ خود نہ کریں وہ بھی شریک گناہ ہیں اگر بالفرض لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے تو یہ پیر ہی کس کام کا ہے، کم از کم اس کو ان سے علیحدہ ہو جانا فرض ہے۔

الغرض ایسے پیروں سے بیعت کرنا حرام ہے جو حدود شرعیہ کی پروا نہ کرتے ہوں، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی اکثر تصنیفات میں اور رسالہ فقیریہ۔ عوارف المعارف وغیرہ (۱) میں خود ائمہ تصوف کے اقوال سے اس کو ثابت کیا ہے۔

بدعتی پیر سے بیعت ناجائز ہے

(۴) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں پیر یعنی شیخ کامل کی چند شرطیں لکھی ہیں جو شخص ان شرائط کے ساتھ موصوف نہ ہو اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا چاہئے بالخصوص جو شخص مرتکب امور مذکورہ فی السؤال کا ہو اور معاصی کا مرتکب ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔ ذلک کله ظاہر۔

(۵) سجدہ کے متعلق جو تفصیل نمبر (۳) میں مذکور ہو چکی ہے اس سے اتنی بات بالا جمال ظاہر ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ضرور ہے کفر ہونے میں تفصیل ہے حرمت میں

کوئی تفصیل نہیں، فتح القدیر کی طرف اباحت کو منسوب کرنا غلط محض ہے۔

بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام و احکام

(۶) بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ عادت ہو یا عبادت جن لوگوں نے یہ معنی لیے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسم میں کی ہے سیدہ اور حسنہ، جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے وہ اس معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں ورنہ وہ درحقیقت بدعت نہیں اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں کہ دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہ و تابعین کے بعد ہوا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو قولاً نہ فعلاً نہ صراحۃ نہ اشارۃ۔ هذا ملخص ما فی الطريقة المحمدية وهو اجمع ما رأیت من تعريف البدعة وان اردت التفصيل فراجع الى طريقة شرح الطريقة: ص ۱۲۸ ج ۱)

پھر بدعت میں درجات ہیں بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں بعض حرام، بعض شرک اور مصر علی البدعة بہر حال فاسق ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، کما فی الدر المختار وغیرہ وخلف مبتدع الخ۔

(۷) جب ان چیز کا ترک اس کے اختیار میں ہے اور ترک نہیں کرتا بلکہ جماعت کو ترک کر دیتا ہے تو خواہ نیت ہو یا نہ ہو ثواب جماعت نہ ہوگا البتہ جو معذور ہوں جیسے انحر ازفر (گندہ دہن ۱۲ گندہ بغل) وغیرہ ان کے لیے یہی مناسب ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہوں تاکہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے ایسے لوگوں کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب گھر بیٹھے مل جائے گا کما صرح بہ الفقہاء التفصیل فی رسالتی اداب المساجد ربیع الاول ۱۳۵۰ ہجری

(۱) اور احقر کا رسالہ بزبان عربی "السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث" جو احکام القرآن کا جزء ہے۔



مروجہ صلوٰۃ و سلام

کی شرعی حیثیت

مروجہ صلوٰۃ و سلام کی شرعی حیثیت

ایک استفتاء اور اس کا جواب

استفتاء

الف..... بعض مساجد میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ جماعت بنا کر اور کھڑے ہو کر باواز بلند بالفاظ ذیل سلام پڑھتے ہیں: یا رسول سلام علیک، یا نبی سلام علی غیرہ وغیرہ، ان میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں، یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، اس لئے یہ سلام خود سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ جو لوگ ان کے اس عمل میں شریک نہیں ہوتے، ان کو مطعون کرتے، اور طرح طرح سے بدنام کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں عموماً مسجدوں میں نزاع اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کا سلام پڑھنا مسجدوں میں جائز ہے؟ اور متولیان مساجد کو اس کی اجازت دینا چاہئے یا نہیں؟

ب..... جہاں مذکورہ طریقہ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے وہاں:

۱..... رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ یا

۲..... بغیر تشریف لائے سلام کو خود سن لیتے ہیں۔ یا

۳..... اس طرح کے صلوٰۃ و سلام کو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

ج..... طریقہ مندرجہ بالا پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا قیام کے بغیر کیا ہے، اور قیام

تاریخ تالیف _____ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ (مطابق ۱۹۶۱ء)
مقام تالیف _____ دیوبند

رسالہ کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔

کے ساتھ ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

..... اندرون مسجد یہ صلوٰۃ و سلام کیا حکم رکھتا ہے، اور مسجد کے باہر اس کا کیا حکم ہے؟

جواب با صواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

والسلام

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوالات کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام میں تمام عبادات نماز، روزہ، ذکر اللہ، تلاوت قرآن وغیرہ سب کے لئے کچھ آداب و شرائط اور حدود و قیود ہیں۔ جن کی رعایت کے ساتھ یہ عبادات ادا کی جائیں، تو بہت بڑا ثواب اور فلاح دنیا و آخرت ہے، اور ان حدود و قیود سے ہٹ کر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے، تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے۔ نماز تمام عبادات میں افضل ہے، لیکن طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنا حرام ہے۔ مقرر کردہ رکعات میں کوئی رکعت زائد کر دے تو حرام ہے، جماعت کی نماز سنت مؤکدہ ہے، اور اس سے نماز کے ثواب میں ستائیس گنا اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن کوئی نفل نماز کی جماعت کرنے لگے، تو ممنوع اور گناہ ہے۔ روزہ کتنی بڑی عظیم عبادت اور اس کا ثواب کتنا بڑا ہے، مگر عیدین اور ایام نحر میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بہترین عبادت ہے، لیکن رکوع و سجدہ کی حالت میں تلاوت ممنوع اور ایسے مقامات پر جہاں لوگ سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں، بلند آواز سے تلاوت ناجائز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام افضل عبادات و

موجب برکات اور سعادت دنیا و آخرت ہے، مگر دوسری سب عبادات کی طرح اس کے بھی آداب و شرائط ہیں، جن کی خلاف ورزی کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ لازم آتا ہے۔ الف..... جس ہیئت سے مساجد میں بطرز مذکور اجتماع اور التزام کے ساتھ درود و سلام کے نام پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، اس کو درود و سلام کی نمائش تو کہا جاسکتا ہے، درود و سلام کہنا اس کا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۱..... سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسجد پوری مسلمان قوم کی مشترک عبادت گاہ ہے، اس میں کسی فرد یا جماعت کو فرائض و واجبات کے علاوہ کسی ایسے عمل کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز، تسبیح، درود، تلاوت قرآن وغیرہ میں خلل انداز ہو۔ اگرچہ وہ عمل سب کے نزدیک بالکل جائز اور مستحسن ہی کیوں نہ ہو۔ فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں باواز بلند تلاوت قرآن یا ذکر جہری جس سے دوسرے لوگوں کی نماز یا تسبیح و تلاوت میں خلل آتا ہو ناجائز ہے۔ (شامی، خلاصۃ الفتاویٰ) ظاہر ہے کہ جب قرآن اور ذکر اللہ کو باواز بلند مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں، تو درود و سلام کے لئے کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

۲..... کسی نماز کے بعد اجتماع و التزام کے ساتھ بلند آواز سے درود و سلام پڑھنا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ صحابہؓ و تابعین سے اور نہ ائمہ مجتہدین اور علماء سلف میں کسی سے۔ اگر یہ عمل اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محمود و مستحسن ہوتا، تو صحابہؓ و تابعین اور ائمہ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے۔ حالانکہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوا کہ درود و سلام کے لئے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت و ناجائز سمجھتے تھے۔ جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح بخاری و مسلم میں بروایت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فہو رد۔ یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی، جو اس میں داخل نہ تھی، تو وہ مردود ہے۔ اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابرؓ وارد ہے: و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں، جو خود ایجاد کی جائیں، اور ہر نوا ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ عبادت کے نام پر دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ تعلیمات رسولؐ کو ناقص قرار دینے کا مرادف اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کا راستہ ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ و تابعین نے اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کل عبادۃ لم يتبعدها اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوها (الی) و خذوا بطریق من کان قبلکم یعنی جس طرح کی عبادت صحابہ کرامؓ نے نہیں کی، تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو، بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو۔

(کتاب الاعتصام للشاطبی ص: ۳۱۱، ج: ۲)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اتبعوا آثارنا و لا تبتدعوا فقد کفیتم یعنی تم لوگ ہمارے (صحابہ کرامؓ کے) آثار کا اتباع کرو، اور نئی عبادتیں نہ گھرو، کیونکہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔

تنبیہ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کلام انفرادی درود و سلام کے بارے میں نہیں۔ کیونکہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث و قرآن میں مذکور اور صحابہ و تابعین کا معمول ہے، نہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے، نہ تعداد جتنا کسی سے ہو سکے، اختیار کرے۔ اور سعادت دارین حاصل کرے۔ کلام صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

اسلام میں نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، مگر اس کی بھی نفلوں کی جماعت با اتفاق فقہاء وائمہ مکروہ کہا گیا ہے، تو کسی دوسری چیز کی جماعت بنا کر دوام و التزام کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کرنے والوں کو اس پر ایسا اصرار ہو، جیسے فرض و واجب پر، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس میں شریک نہ ہوں، ان طعن و تشنیع کی جائے، جو کسی حال جائز نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ عمل بدعت بھی نہ ہو تب بھی زیادہ سے زیادہ ایک نفلی عمل ہوتا، جس پر فرض و واجب کی طرح اصرار کرنے دوسروں کو مجبور کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

جس کام پر اللہ و رسول نے کسی کو مجبور نہیں کیا، کسی دوسرے کو اس پر مجبور کرنے کیا حق ہے، اور نہ کرنے کی صورت میں اس پر طعن و تشنیع کرنا، ایک مستقل کبیرہ گناہ ہے، جس میں یہ حضرات ناواقفیت سے مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا ان کے نزدیک بھی یہ عمل زیادہ سے زیادہ مستحب اور نفل ہے۔ ایک نفل کی خاطر کبیرہ گناہ میں مبتلا ہونا کونسی دانشمندی ہے۔

۳..... خطاب کے الفاظ یا رسول۔ یا نبی اگر اس عقیدہ سے ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر زمان و مکان میں موجود اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، کائنات کی ہر آواز کو سنا اور ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح (معاذ اللہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خدائی صفات میں شریک ہیں، تو یہ کھلا ہوا شرک اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی درجہ دینا ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں، تو گو بصورت معجزہ ایسا ہونا ممکن ہے، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن حدیث سے اس کا ثبوت ہو، حالانکہ کسی آیت یا حدیث میں قطعاً اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور بغیر ثبوت و دلیل کے اپنی طرف سے کوئی معجزہ گھڑ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے، جس کے بارہ میں آپ نے فرمایا ہے:

من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعده من النار یعنی جو شخص میری

طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے، اور اگر اس طرح کا کوئی بھی غلط عقیدہ نہ ہو، تب بھی موہم الفاظ ہیں، جن میں اس عقیدہ فاسدہ کو راہ ملتی ہے۔ اس لئے بھی ان سے اجتناب ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر پکارنے سے اسی لئے منع فرمایا کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں۔

البتہ روضہ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے، کیونکہ وہاں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔

الغرض روضہ اقدس کے علاوہ دوسرے مقامات میں اگر ان الفاظ خطاب کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ ہے، تو کھلا ہوا شرک ہے۔ اور مجلس میں تشریف لانے کا عقیدہ ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء اور بہتان ہے۔ اور دونوں میں سے کوئی غلط عقیدہ نہیں، تو بھی موہم شرک ہونے کی وجہ سے ایسے الفاظ ممنوع ہیں۔ پھر اس ناجائز عمل پر اصرار کرنا دوسرا گناہ ہے، اور فرض و واجب کی طرح اس کو ضروری سمجھنا تیسرا گناہ ہے، اور اس میں شریک نہ ہونے والے بے گناہ مسلمانوں کو برا بھلا کہنا اور مطعون کرنا چوتھا گناہ ہے۔ اور مساجد میں باواز بلند کہہ کر دوسرے مشغول لوگوں کے شغل میں خلل انداز ہونا پانچواں گناہ ہے۔

افسوس ہے کہ بہت سے نیک دل مسلمان قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ناواقف ہونے کے سبب اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا نشان سمجھ کر اس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ جذبہ محبت و عظمت بلاشبہ قابل قدر و مبارکباد ہے، مگر اس کا بے جا استعمال ایسا ہی ہے، جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغرب کی نماز تین کے بجائے چار رکعت پڑھے اور اپنے دل میں یہ حساب لگائے کہ ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے، تو مجھے ثواب اوروں سے زیادہ ملے گا، حالانکہ وہ کمبخت اپنی

تین رکعتوں کا ثواب بھی کھو بیٹھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع اور التزام کے ساتھ کھڑے ہو کر باواز بلند مسجدوں میں درود و سلام پڑھنے کا مروجہ طریقہ سراسر خلاف شرع اور باہم نزاع و جدال اور مسجدوں کی اختلافات کا مرکز بنانے کا سبب ہے۔ اس لئے متولیان مسجد اور ارباب حکومت پر لازم ہے کہ مسجدوں میں اس کی ہرگز اجازت نہ دیں۔ اگر کسی کو کرنا ہے، تو اپنے گھر میں کرے، تاکہ کم از کم مسجدیں تو شور و شغب اور نزاع و جدال سے محفوظ رہیں۔

ب..... سوال الف کے جواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اس مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہتان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا فیصلہ خود ایک حدیث میں اس طرح فرمایا ہے:

من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا ابلغته (مشکوٰۃ بیہقی) یعنی جو شخص میری قبر کے پاس درود و سلام پڑھتا ہے، اسے میں خود سنتا ہوں، اور دور سے درود و سلام بھیجتا ہے، وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

ج..... جس طرح ذکر اللہ تلاوت قرآن کھڑے ہو کر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی طرح جائز ہے، اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے۔ ہاں! اگر کوئی کھڑے ہو کر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے، تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خصوصاً جب کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے، تو بیٹھ کر درود و سلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربانی اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ قرآن کو صرف کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے، بیٹھ کر پڑھنا بے ادبی ہے۔

والتزام تو بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے، جو مسجد میں بھی ناجائز ہے، اور مسجد سے باہر بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسجد میں اگر کوئی بیٹھ کر مسنون درود و سلام کے الفاظ کو بھی باواز بلند اس طرح پڑھے، جس سے دوسرے حاضرین مسجد کے شغل میں خلل آتا ہو، تو وہ بھی ناجائز ہے، اور مسجد سے باہر اس کی گنجائش ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

ہمدردانہ مشورہ

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اور ان معاملات میں جھٹ بندی اور قدیم آبائی رسوم پر ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر سنجیدگی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سمجھنا چاہئے، اور یہ غور کرنا چاہئے کہ دنیا کے تمام معاملات میں ہمارے جھگڑے چلتے ہی رہتے ہیں، کم از کم اللہ کے گھر اور عبادت نماز کو تو ہر طرح کے جھگڑے فساد سے محفوظ رکھا جائے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم - کراچی

۱۳۸۱/۱۱/۱۲ھ



مروجہ سیرت کمیٹی

اور اس کی شرعی حیثیت

مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ آج کل ملک کے اندر سیرۃ کمیٹی اور یوم النبی کے نام سے ماہ ربیع الاول میں جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں، جس میں بہت سے امور شرعی حدود سے متجاوز اور منکر بھی خلط ہو جاتے ہیں، روایات کی نقل میں معتبر اور غیر معتبر کا کوئی معیار قائم نہیں رکھا جاتا۔

نیز سال بھر کے بارہ مہینوں میں محض ربیع الاول اور مہینے کے تیس دنوں میں سے صرف بارہ تاریخ کی خصوصیت اس کے لئے رکھی گئی ہے۔

نیز بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سیرۃ کمیٹی کے پردہ میں قادیانی اثرات اور اس کی تحریک کی تبلیغ و اشاعت کی جاتی ہے، اور مقصد بھی اس تحریک سے اشاعت مذہب قادیان ہے۔

لہذا عرض ہے کہ ان قیودات مروجہ اور تخصیصات کے ساتھ ان سیرۃ کمیٹیوں کا انعقاد از روئے شرع شریف کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بینوا تو جو روا۔

جواب..... سیرت کمیٹی کی تحریک ابتداء میں سخت تلپیس کے ساتھ اٹھائی گئی، اس کو منکرات اور رسوم بدعیہ سے پاک دکھلایا گیا، اور ایسے دل فریب مقاصد و قواعد سطح پر رکھے گئے، جن کو دیکھ کر ہر شخص موافقت پر مجبور ہو، کیونکہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور آپ کے حالات و مقالات کا مسلمانوں تک خصوصاً اور تمام عالم میں عموماً صحیح

تاریخ تالیف _____ ۳ صفر ۱۳۵۱ھ (مطابق ۱۹۳۲ء)
مقام تالیف _____ دارالعلوم دیوبند

آج کل سیرت کمیٹی کے نام سے ربیع الاول میں جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں ان میں بہت سے امور شرعی حدود سے متجاوز ہوتے ہیں اس سے متعلق ایک استفتاء کا جواب۔

صورت میں شائع کر دینا اسلام اور مسلمانوں کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اور تمام مدارس و مکاتب اور تعلیم و تبلیغ کی روح یہی ہے، اس کی ضرورت کا احساس قلوب میں پہلے ہی سے تھا، اس تحریک سے اس کو عملی صورت میں آتے ہوئے دیکھ کر عام مسلمانوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ لیکن اہل علم و فراست کو پہلے ہی سے یہ خطرہ تھا کہ مبادا یہ تحریک کوئی بدعت و ضلالت کی صورت اختیار کر لے، اور اگرچہ اس وقت اس کو سادہ رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے، لیکن عوام کی آمیزش خیال سے کچھ عرصہ کے بعد اس میں بھی وہی رسمی بدعات و خرافات شامل ہو جائیں۔ جو عید میلاد وغیرہ کی قدیم رسوم میں ہیں۔ اس لئے علماء کرام کی بہت بڑی جماعت نے تو اسی وقت سے اس کی موافقت کسی عنوان سے نہیں کی۔ اور بعض مقتدر حضرات علماء نے موافقت کی بھی تو ایسی قیود و شرائط لگا کر کہ جن کی وجہ سے کوئی بدعت اس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ بانیان تحریک نے اس میں خیانت سے کام لیا، اور ان کی تحریرات میں سے قیود و شرائط کو علیحدہ کر کے مطلقاً اپنی موافقت شائع کر دی، جس کا راز یہ تھا کہ ان کو ان قیودات و شرائط کا خلاف کرنا، اور اس تحریک کو مجموعہ بدعات بنانا تھا۔ چنانچہ تین سال کے قلیل عرصہ میں اس کی حقیقت کھل گئی۔ اور یہ تحریک اصلی صورت میں دنیا کے سامنے آ گئی، تو معلوم ہوا کہ یہ وہی مشہور بدعت ہے، جس کو پہلے عید میلاد کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام حدیث و تفسیر علامہ شاطبی اپنی کتاب الاعتصام میں تحریر فرماتے ہیں:

و اما غیر العالم و هو الواضع لها یعنی البدعة فانه لا يمكن ان يعتقدها بدعة بل هي عنده مما يلحق بالمشروعات كقول (۱) من جعل يوم الاثنين يصام لانه

(۱) بدعات غیر مشروعیہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں، جیسے اس شخص کا قول جو یوں کہے کہ پیر کے روز روزہ رکھنا اس لیے ثواب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کا دن ہے اور ۱۲ ربیع الاول کو عیدین کے ساتھ ملحق کر دے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اس میں پیدا ہوئے ہیں ۱۲۔

یوم مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و جعل الثانی عشر من ربیع الاول ملحقاً بایام الاعیاد لانه علیہ السلام ولد فیہ الخ (الاعتصام ص: ۲۱۳، ج: ۲)

اور ساتویں صدی ہجری کے مشہور و معروف بزرگ علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدخل میں اس بحث کو مستقل فصل میں بیان فرمایا، جس کے متفرق جملے درج ذیل ہیں:

و جملة (۱) ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذالك من اكبر العبادات و اظهار الشرائع ما يفعلونه فی شهر ربیع الاول من المولد و قد احتوی علی بدع و محرمات الخ مدخل ص: ۲۶۱، ج: ۱۔

باقی رہے وہ موہوم منافع جن کو اس تحریک کا سنگ بنیاد بتلایا جاتا ہے، اول تو ان محرمات و منکرات کے ساتھ جو ان جلسوں میں مشاہد ہو رہے ہیں، ان کا حصول ہی متصور نہیں۔ اگر بالفرض وہ منافع حاصل بھی ہوں، مگر ایک مستقل بدعت و ضلالت اور بہت سے معاصی کا نتیجہ ہو کر حاصل ہو، تو کیا کوئی عاقل ان منافع کی وجہ سے اس مجموعہ منکرات کو جائز کہہ سکتا ہے؟ اور اگر اس کو جائز کہا گیا، تو پھر دنیا میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہ سکتا ہے۔ کیونکہ کوئی برے سے برا کام اور سخت سے سخت گناہ ایسا نہیں، جس میں کچھ نہ کچھ منافع و فوائد نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے اگر منافع نہ ہوں، تو ان کے پاس ہی کون جائے۔ لیکن ان منافع کے موجود ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود قرآن کریم کا فیصلہ ایسے امور میں یہی ہے کہ

(۱) منجملہ ان بدعات کے جو لوگوں نے گھڑی ہیں اور اس کے ساتھ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب سے بڑی عبادت اور دین کی نشرو اشاعت ہے، وہ بدعات ہیں جو ماہ ربیع الاول میں مجلس مولد کے نام سے کی جاتی ہیں حالانکہ یہ مجلس بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہے ۱۲ مدخل

اثمہما (۱) اکبر من نفعہما اور اگر ذرا غور کیا جائے، اور صرف سطحی اور وقتی چیزوں سے گزر کر اسلامی تاریخ کے مجموعی حالات پر نظر ڈالی جائے، تو بلاشبہ ہر آنکھوں والے پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی وقت اور کسی حال وہ طریقہ نافع نہیں ہو سکتا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کی سنت سنہ سے جدا ہو۔

مسلمانوں کی دینی ترقیات و منافع تو اتباع پر موقوف ہیں ہی، لیکن ساڑھے تیرہ سو برس کی اسلامی تاریخ کا تجربہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کی تمام دینی ترقیات بھی بحیثیت مجموعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے اتباع پر موقوف ہیں۔ اور اس کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس موجودہ تنزل و انحطاط کے بعد بھی اگر اس امت مرحومہ کے لئے کوئی ذریعہ سنبھلنے کا ہے، تو وہی اور صرف وہی ذریعہ ہے، جس نے ان کو اول مرتبہ تمام گمراہیوں اور ذلتوں کی اندھیرویوں سے نکالا تھا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کا اتباع۔ امام دارالبحرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے:

لا یصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها

اس امت کی اصلاح صرف وہی طریقہ کر سکتا ہے، جس نے اس امت کے متقدمین اور سلف کی اصلاح کی تھی۔

اور ارشاد فرمایا ہے:

مالم یکن یومئذ دیناً لایکون الیوم دیناً (اعتصام)

اور جو چیز اس وقت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

(۱) ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے۔ ۱۲

اور مسلمانوں کی اصلاح یا اسلام و تعلیمات اسلام کی اشاعت و تقویت کیلئے نئے نئے طریقے اور رسوم بدعت ایجاد کرنے کی ممانعت جو بے شمار آیات و احادیث میں وارد ہے۔ اس کا راز بھی امام مالکؒ نے خوب ظاہر فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالة لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم فما لکم یکن یومئذ دیناً لایکون الیوم دیناً. (اعتصام للشاطبی ص: ۷۰، ج: ۱)

جو شخص اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرے، جس کو وہ نیکی سمجھتا ہو، گویا وہ اس کا مدعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام امت کو پہنچانے میں خیانت کی۔ (کہ یہ نیکی ان کو نہیں بتلائی) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے آج تمہارا دین کامل کر دیا ہے، تو جو چیز اس دن دین میں داخل نہ تھی، وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ سیرت کمیٹی کی موجودہ تحریک ان موجودہ تعینات و تشخصات کے ساتھ خود بھی ایک بدعت سیدہ ہے، جو اگر دوسرے منکرات پر مشتمل نہ ہو۔ تو اس وقت بھی گناہ ہے۔ اور بالخصوص اب تو اطراف ہندوستان سے ان جلسوں کی جو کیفیات موصول ہو رہی ہیں، وہ ایک خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اور ذکر سیرت کی آڑ میں محرمات لہو و لعب اور تماشے کئے جاتے ہیں۔ جن کے مقابلہ میں نصاریٰ کی رسم کرمس ڈے بھی گرد ہو گئی۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس تحریک کی ابتدائی تلخیص کی وجہ سے جن حضرات علماء نے قیود و شرائط مناسبتہ کے ساتھ اس میں شرکت کی اجازت دی تھی، ان سے مکرر استفتاء کیا جائے۔ چنانچہ نائب شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اس بارہ میں درج ذیل ہے جو کہ سیکرٹری خلافت کمیٹی کا ندھلہ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

نائب شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہم

صدر مدرس دارالعلوم کا

مکتوب گرامی

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

واللہ نامہ باعث سرفرازی ہوا، یادآوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، سیرت کمیٹیوں کا انشاء اور اختراع قادیانیوں کی طرف سے تو نہیں ہوا، مگر بعض اوقات میں اس سے قادیانیوں نے فائدہ ضرور اٹھانا چاہا۔ اور اٹھایا، اس کا بیڑا اٹھانے والے شیخ عبد المجید صاحب قریشی ساکن پٹی لاہور ہیں۔ قریشی صاحب نے ابتداء میں اس کے متعلق مختلف مقامات سے رائے لی۔ چنانچہ میرے پاس اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے پاس بھی ان کے خطوط آئے تھے۔ ہم دونوں کے جوابات تقریباً متفق تھے، خلاصہ یہ تھا کہ یہ امر نہایت مستحسن ہے، بشرطیکہ اس کے لئے کوئی تاریخ اور مہینہ متعین نہ ہو، کبھی صفر میں ہو، تو کبھی جمادی الاولیٰ میں، کبھی ربیع الاول میں ہو، تو کبھی رجب میں، علیٰ ہذا القیاس، بارہ یا پندرہ کی ہمیشہ کے لئے تعین نہ ہوا کرے، نیز سال میں صرف ایک دفعہ نہ ہوا کرے، بلکہ دوسرے تیسرے مہینہ اور اگر اس سے زائد ممکن ہو، تو زیادہ تر ہوا کرے۔ نیز سیرت کے متعلق بیان کرنے والے کوئی واقف کار شخص ہوں جو کہ صحیح اور قوی روایتیں بیان کریں۔ اور عوام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل زندگی سے آگاہ کرتے رہیں۔ جب تک اس قسم کے بیانات عوام تک لگا تار اور کثرت سے نہ پہنچائے جائیں گے، کما بینغی فائدہ نہ ہوگا۔ معترضین علی الاسلام کے زہر آلود پروپیگنڈوں سے عوام کو اسی طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ قریشی صاحب نے ہماری عبارت میں کانٹ چھانٹ کی، اور اپنے مدعاء کے موافق جملوں کو لے کر شائع کرایا، اور باقی کو حذف کر دیا۔ ہم نے اس کے بعد اسی زمانہ میں اخباروں میں اپنی تراشیدہ

عبارت کو پھر چھپوایا، مگر وہ اپنے پروپیگنڈے سے باز نہیں آئے، اور اب انہوں ربیع الاول کو اس کی تحریک شروع کر دی، اور اس کے استحسان میں ہمارے رہے ہیں۔ ہم ہرگز تعین تاریخ و ماہ سالانہ ایک جلسہ کو شرعی اور ملکی نقطہ نظر سے ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ مثل عمل نصاریٰ (برتھ ڈے) یوم پیدائش اور کے ایک رسم ہو رہی ہے۔ کیونکہ عیسائی یوم ولادت عیسیٰ علیہ السلام مناتے ہیں۔ مصر وغیرہ کے لوگ بھی اس قسم کی تابعداری کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اخلاق اور سیر لوگوں کے پہنچانے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہیں۔ اگر مذکورہ بالا طریق پر ہو، تو مفید اور ہے، ورنہ اجتناب چاہئے۔ افسوس کہ سیرت کمیٹی اور اس کے علم برداروں۔ مشروطہ کو ترک کر دیا۔

والسلام

از دارالعلوم دیوبند ننگ اسلاف حسین احمد غفر

اس مفصل تحریر کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ عمل کرنے والوں کے لئے اشتباہ باقی نہ رہے گا، اور معاندین کی بحث کا خاتمہ کسی حجت و دلیل سے غیر ممکن

واللہ سبحانہ و تعالیٰ ولی التوفیق و علیہ التکلیل

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ

خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ۳ صفر ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح

ننگ اسلاف حسین احمد صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۴

تعديل الهادى فى تقبيل الايادى

دست بوتى اور قدم بوتى

بسم الله الرحمن الرحيم

دست بوسی اور قدم بوسی

عجائب اتفاق سے ہے کہ آج سے سینتیس سال پہلے وسط ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ میں احقر نے خواب میں دیکھا کہ سیدی و مرشدی حکیم الامت قدس سرہ میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھے ارشاد فرمایا کہ تقبیل کے متعلق تم نے کتاب دیکھی ہے یا نہیں (ایسا محسوس کرتا تھا کہ حضرت نے اس سے پہلے کسی اشکال کی وجہ سے اس مسئلہ پر کتابیں دیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا، اس کی تاکید کے لئے اس وقت یہ جملہ فرمایا میں نے عرض کیا کہ اب تک دیکھنے کا وقت نہیں ملا، اب دیکھوں گا، اور غالباً طریقہ محمد میں مسئلہ حل جائے گا۔ یہ تو حضرت سے عرض کیا، اور اپنے دل میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ میں یہ مسئلہ ہے، اب اس کو بھی دیکھوں گا۔ اسی اثنا میں آنکھ کھل گئی، کچھ سمجھ نہ آیا کہ تقبیل سے کیا مراد ہے، اور اس پر اشکال کیا ہے، جس کے لئے کتابیں دیکھنے کا ارشاد ہوا ہے، احقر نے یہ خواب حضرت کی خدمت میں لکھ بھیجا جس کا جواب یہ آیا:

”اول بار تو شرح صدر کے ساتھ کچھ سمجھ میں نہ آیا گو تکلف سے کچھ حل ہوا مگر خود تکلف ہی پسند نہیں۔ دوسری بار جو خط پڑھا تو بے ساختہ خیال آیا کہ اس وقت تقبیل ایدی (دست بوسی) کی جواہتمام کے ساتھ عادت ہو گئی ہے۔ میں اس کے محذورات بھی بیان کرتا ہوں، شاید خواب میں اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہوگا۔ خواہ عمل کے لئے خواہ ضبط کے لئے

تاریخ تالیف _____ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ (مطابق ۱۹۷۳ء)
مقام تالیف _____ دارالعلوم کراچی
اشاعت اول _____ البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ (مطابق ۱۹۷۳ء)

اس کا سبب تالیف دلچسپ ہے اندر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی تحریر میں ملاحظہ ہو۔

تاکہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم اگر کسی وقت اس کے متعلق کچھ لکھا جاوے اس کا نام یہ مناسب ہے۔ تعدیل الہادی فی تقبیل الایادی،

اول تو معاملہ خواب کا پھر تعبیر خواب میں بھی حضرت والا نے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کی تاکید نہیں فرمائی، بلکہ محض اپنی فرصت اور خواہش پر چھوڑا۔ اس لئے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کا فوری طور پر کوئی ارادہ نہ ہوا اور انجام کار مرور ایام سے اس میں ذہول ہو گیا۔

اتفاقاً ۱۳۸۲ھ میں احقر کو عمرہ و زیارت کے لئے حرمین کی حاضری نصیب ہوئی، مدینہ طیبہ میں محبت محترم انخی فی اللہ مولانا سید محمود بن سیدندیر طرازی مقیم مدینہ منورہ کے پاس ایک قلمی رسالہ شیخ امام محمد عابد سندھی کا جو بارہویں صدی ہجری کے مشائخ سندھ میں سے ہیں، اور آپ کے حواشی تقریباً صحاح ستہ پر معروف و مقبول ہیں۔ نظر پڑا جس کا نام تھا، ”الکرامة و التقبیل“ جس میں پہلے کرامات اولیاء کے حق ہونے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اس کے بعد علماء و مشائخ کی دست بوسی اور قدم بوسی کو احادیث معتبرہ اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت فرمایا ہے۔ جس سے احقر کو یہ خیال آیا کہ خواب میں جو اس مسئلہ کا طریقہ محمدیہ میں نے دیکھنے کا ذکر کیا ہے، شاید طریقہ محمدیہ سے بھی سنن و آثار مراد ہوں۔ احقر نے اس رسالہ کو خود اپنے قلم سے نقل کر لیا، تاکہ وہ قدیم ارادہ پورا کروں کہ مسئلہ تقبیل پر کچھ لکھوں۔

لیکن اب کہ ۱۳۹۲ھ ہے، اس واقعہ کو بھی دس سال ہو گئے، اور اس کام کا موقع نہ ملا، خواب میں جس تعویق اور تاخیر کا اظہار ہوا تھا۔ وہ شاید کوئی تکوینی امر تھا کہ اب تک بھی اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ ۱۳۹۲ھ میں احقر کو شدید قلبی مرض پیش آیا، بظاہر امید زیست نہ تھی، پھر حق تعالیٰ نے کرم فرمایا اور صحت ہو گئی، مگر ضعف شدید ہنوز چل رہا ہے، اسی حال میں نامکمل تالیفات کی تکمیل اور خاص خاص تالیفات پر نظر ثانی کا

عزم کیا، حق تعالیٰ نے سب سے اہم تالیف تفسیر معارف القرآن کی تکمیل بھی کے بعد کرادی، اور اس وقت شیخ محمد عابد سندھی کا قلمی نسخہ سامنے آکر اس کے لئے پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ مفید و نافع بنادیں، اور قبول فرمائیں۔

بندہ محمد شفیع

روز عید الاضحیٰ

۱۳۹۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

والصلوة والسلام على نبیہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ
و ازواجه اجمعین

علماء و مشائخ کی دست بوسی و قدم بوسی کے مسئلے میں حضرات فقہاء میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اور مستند روایات حدیث اور آثار صحابہ و سلف سے اس کا جواز بلکہ اس پر تعامل ثابت ہوتا ہے۔ مگر جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی ایک حدیث سے تقبیل کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے مسئلہ تحقیق طلب ہو گیا۔ روایات حدیث کی تطبیق و تحقیق کے لئے تو حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ کا رسالہ مذکورہ کافی شافی ہے۔ حضرات فقہاء نے جو اس کو منع فرمایا اس کی وجہ اس کی فی نفسہ ممانعت و حرمت نہیں۔ بلکہ بعض مفاسد اور منکرات کی شمولیت کے سبب سے ان حضرات نے بطور سد ذرائع دست بوسی و قدم بوسی کو منع فرما دیا ہے۔

میں پہلے اس جگہ رسالہ حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ کی تلخیص اردو زبان میں لکھتا ہوں۔ ان کا اصل رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اس کے بعد حضرات فقہاء کے اختلاف اور اس میں اعدل الاقوال پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

تلخیص مقالہ

حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ محرمہ ۱۲۲۲ھ

کسی کی تقبیل یعنی بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے، ایک نفسانی شہوت کے

ساتھ بوسہ دینا ہے، وہ باتفاق فقہاء بجز اپنی زوجہ یا زرخیر کنیر کے کسی دوسری عورت مرد کے لئے جائز نہیں خواہ ہاتھوں پر ہو یا سر اور چہرہ وغیرہ پر۔ دوسرا سبب اس کا بڑا شفقت ہوتی ہے۔ جیسے والدین کا اپنی اولاد کے سر چہرہ وغیرہ پر بوسہ دینا، تیسرا اس کا تعظیم و تکریم ہوتا ہے۔ جیسا کہ علماء مشائخ یا سلطان عادل کے ہاتھوں وغیرہ پر دینا، آخری دونوں صورتیں جائز ہیں، اور احادیث و آثار سے ثابت ہیں۔

تقبیل شفقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بدن کو بوسہ دیا حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کے چہرہ پر بوسہ دیا، جب کہ ان کو بخار میں دیکھا۔ (کما اخرجہ ابو داؤد) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن طالبؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (کما اخرجہ ابی داؤد) یہ واقعات وہ ہیں کہ تقبیل بزرگ شفقت کی بناء پر ہوئی، اور اس میں فقہاء کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔

تقبیل تعظیم

شیخ محمد عابد سندھیؒ نے اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا کہ تعظیم و تکریم کے لئے دست بوسی یا قدم بوسی صرف ان لوگوں کی جائز ہے، جو عالم صالح یا سلطان عادل ہو، یا دینی شرف و بزرگی رکھتا ہو، ان کے سوا دوسروں کے لئے جائز نہیں حرام ہے۔ کیونکہ نصوص حدیث سے اس کا جواز صرف دینی شرافت و فضیلت رکھنے والوں کے لئے ثابت ہے۔ اُن کے سوا دوسروں کے لئے ثابت نہیں۔

البتہ علمی و دینی شرف رکھنے والوں کے لئے دست بوسی بلکہ یا بوسی بھی تو روایات حدیث سے ثابت ہے۔

روایات حدیث متعلقہ تقبیل تعظیم

۱..... ابو داؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ذانح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کی روایت ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ پہنچے، تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

۲..... نیز ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے اس قصہ کے ذکر کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں۔

قال فدنونا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلنا یدیہ

(رواہ ابن ماجہ فی کتاب الادب)

یعنی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

۳..... نیز ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوتے، تو وہ استقبال کے لئے کھڑی ہو جاتیں، اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیتی تھیں۔

۴..... نیز ابو داؤد نے حضرت سید بن حصینؓ سے روایت کیا کہ وہ ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز کچھ لوگ بیٹھے ہوئے باہم بات چیت کر رہے تھے، ان میں ایک شخص ہنسی مزاح کرنے والا بھی تھا، جو ان کو ہنسا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوکھ کو ایک لکڑی سے چھیڑا، تو اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ (آپ نے میری کوکھ میں لکڑی لگائی ہے، میں اس کا بدلہ لوں گا) آپ مجھے بدلہ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آؤ بدلہ لے لو، اس نے عرض کیا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہیں تھا، ننگے بدن پر آپ کی چھڑی لگی ہے، اور آپ کے بدن پر

کرتہ ہے۔ اس لئے انتقام پورا نہیں ہوگا، آپ نے قمیص مبارک کچھ اٹھا دی، یہ شخص آگے بڑھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ کر آپ کے پہلو کو بوسے دینے لگا، اور پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! میری غرض اس گفتگو سے یہی تھی۔

۵..... طبرانی نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھوں سے تھاما، اور اُس کو بوسہ دیا۔

۶..... طبرانی نے معجم اوسط میں سند جید کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، میں نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، تو آپ نے مجھے منع نہیں فرمایا۔

۷..... حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہؓ سے روایت کر کے اس کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ کے سر مبارک اور قدموں کو بوسہ دیا۔

۸..... ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت صفوانؓ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ حدیث حسن ہے۔

حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ نے مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم اور سلطان عادل اور صاحب شرف دینی کی دست بوت بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں صفات کے ایسے جامع ہیں کہ جس کی کوئی نظیر عالم میں نہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت انسؓ کی ایک روایت سے جو تقبیل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، وہ ان عام لوگوں کے لئے ہے۔

اوصاف ثلثہ مذکورہ سے خالی ہوں۔

۹.....ترمذی نے بسند حسن حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی جو اپنے بھائی یا دوست سے ملے، تو کیا اس کی تعظیم کے لئے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ معاف نہ کرے، اور تقبیل کرے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ کیا مصافحہ کرے؟ تو فرمایا کہ ہاں۔

شیخ محمد عابد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے، جن میں مذکور الصدر اوصاف ثلثہ میں سے کوئی وصف نہ ہو، اس کے ساتھ یہ معاملہ معاف نہ اور تقبیل کا نہ کیا جائے۔ صرف مصافحہ کافی ہے۔ اور قرینہ اس کا خود وہ سوال ہے، جو حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ سائل نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑے عالم یا بزرگ سے ملیں، تو کیا کریں؟ بلکہ سوال عام دوست یا بھائی کا کیا ہے، جس کے جواب میں آپ نے معاف نہ اور تقبیل کو منع فرمایا۔ یہاں تک تو واقعات اس کے تھے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی کی، اب وہ واقعات بھی سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی تقبیل فرمائی۔

۱۰.....حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تشریف لانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاف نہ فرمایا، اور ان کے منہ کو بوسہ دیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا، تو انہوں نے بھی آپ کی اتباع میں صدیق اکبرؓ کے منہ کو بوسہ دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اے ابوالحسن! ابوبکر کا درجہ میرے نزدیک ایسا ہے، جیسا میرا درجہ میری والدہ کے سامنے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقبیل اور دست بوسی وغیرہ کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، دوسروں کے لئے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ان میں اوصاف مذکورہ میں سے کوئی موجود ہو، اور مندرجہ ذیل روایات سے اس عدم خصوصیت کی پوری تائید

ہو جاتی ہے۔ جن میں صحابہ کرامؓ کا باہم ایک دوسرے کی دست بوسی وغیرہ کرنا ثابت ہے، اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کیا۔

۱۱.....طبرانی نے یحییٰ بن حارث الذماریؒ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں واثلہ بن اسقعؓ سے ملا، تو ان سے کہا کہ آپ کے اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہاں، میں نے عرض کیا، تو آپ اپنا ہاتھ مجھے دیجئے کہ میں اس کو بوسہ دوں، انہوں نے میری درخواست منظور کر لی، میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، حافظ یثمتی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ رجال اسنادہ ثقات یعنی اس کی اسناد کے سب رجال ثقہ ہیں۔

۱۲.....اور محبت طبری نے اپنی کتاب الریاض النضرۃ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل میں ابورجاء عطار دی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو لوگوں کا ایک مجمع دیکھا، وراہیک شخص کو دیکھا، جو ایک دوسرے شخص کے سر کو بوسہ دے رہا تھا اور یہ کہتا جا رہا تھا کہ میں تم پر قربان ہو جاؤں، اگر تم نہ ہوتے، تو میں ہلاک ہو جاتا، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ جس کے سر کو بوسہ دیا جا رہا ہے، اور بوسہ دینے والا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر صدیقؓ ہیں، اور بوسہ دینے والے حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے پر حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے جم گئی تھی، اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو اس میں خطرہ تھا، اس لئے مخالفت کر رہے تھے، مگر جب صدیق اکبرؓ کی رائے کے مطابق جہاد ہوا، اور اس کے نتائج خیر سامنے آئے، تو اس وقت عمر بن خطابؓ نے صدیق اکبرؓ کی رائے کی تصویب کے لئے یہ عملی مظاہرہ فرمایا۔

۱۳.....اور حافظ ابن حجرؒ نے اصحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حالات میں بروایت ابن مبارک عن داؤد بن ابی الہند عن الشعبيؒ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ گھوڑے پر سوار ہوئے، تو حضرت ابن عباسؓ نے (بطور تعظیم و

اکرام کے) ان کی رکاب تھامی، حضرت زید نے منع کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی! آپ ایسا نہ کریں، مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ:

ہکذا امرنا ان نفعل بعلمائنا۔ ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے علماء کے ساتھ تعظیم و اکرام کا ایسا ہی معاملہ کریں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے ہاتھ چوم لئے، اور فرمایا: ہکذا امرنا ان نفعل باہل بیت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کی تعظیم و اکرام کا معاملہ کریں۔

یہی واقعہ مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابہ میں بروایت ابن عباسؓ نقل کر کے فرمایا ہے کہ اسناد اس کی صحیح علی شرط مسلم ہے۔ اور حافظ ذہبی نے بھی اس پر کوئی تنقید نہیں فرمائی، بلکہ سکوت سے اقرار فرمایا ہے، اور یہ واقعہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں بھی ذکر کیا ہے۔ (ص: ۷۳ ج: ۱۶)

۱۴..... اور بیہقی نے بروایت ضرار بن عمر حضرت ابو رافعؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لشکر روم کے جہاد کے لئے بھیجا تھا، جن میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی تھے، (مگر ہوا یہ کہ رومیوں کی قوت زیادہ تھی) انہوں نے ان مسلمانوں کو قید کر لیا، اور بادشاہ روم نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو حکم دیا کہ تم نصرانی بن جاؤ، تو میں تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کر لوں گا، حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے اس سے انکار کیا، تو حکم دیا کہ ان کو سولی پر چڑھاؤ، اور چار طرف سے ان پر تیر برسائو۔ لوگوں نے تعمیل کی، مگر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سولی پر چڑھے ہوئے بھی بالکل مطمئن ہشاش بشاش نظر آئے، گھبراہٹ پاس نہ تھی، تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو سولی سے اتار لو، اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں پانی کو خوب گرم کر کے پکالو، جب یہ پانی پوری طرح جوش مارنے لگا، تو حکم دیا کہ ایک قیدی کو اس میں ڈال دو، وہ ڈالا گیا، تو فوراً ہی اس کا گوشت گل کر

پانی میں گر گیا، اور اس کی ہڈیاں چمکتی نظر آنے لگیں، عبداللہ بن حذافہؓ کو یہ منظر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اسی دیگ میں ڈال دو، جب ان کو دیگ کے پاس لے رونے لگے، بادشاہ نے ان کو اپنے پاس واپس بلایا، اور کہا کہ تمہارے رونے ہے؟ تو فرمایا کہ مجھے حسرت و افسوس اس پر ہے کہ میری ایک ہی جان ہے، وہ اس کھولتے ہوئے پانی میں پڑ کر ختم ہو جائے گی، تو مجھے حسرت ہی رہ جائے میری سو جانیں ہوتیں، اور ایک ایک کر کے اس پانی میں ڈالی جاتیں، اور یہ سلسلہ کچھ دیر تک چلتا، بادشاہ روم پر حق تعالیٰ نے ان کی اس ثابت قدمی کا رعبہ دیا، وہ سخت تعجب میں پڑ گیا، اور کہنے لگا کہ اچھا بس تم ایک کام کر لو کہ میرے دے دو، تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا، حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے فرمایا کہ شرط سب مسلمان قیدیوں کو آزاد کیا جائے، شاہ روم نے اس کو بھی مان لیا، تو عبداللہ بن حذافہؓ نے اس کے سر کو بوسہ دے دیا، (کیوں کہ نہ وہ کوئی شرک و کفر تھا، نہ کوئی اپنی اور مسلمان قیدیوں کی جان اس سے بچتی تھی، اس لئے قبول کر لیا۔) جس میں شاہ روم نے ان کو مع سب مسلمان قیدیوں کے آزاد کر دیا۔

جب یہ سب مسلمانوں کے ساتھ واپس حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت پہنچے، تو عمر بن خطابؓ کھڑے ہو گئے، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

ابن عساکر نے اس قصہ کا ایک شاہد اور بھی حضرت ابن عباسؓ کی روا بیان کیا ہے، اور ہشام بن عثمان کے فوائد میں مرسل زہری سے نقل کیا ہے۔

۱۵..... طبقات ابن سعد ص: ۲۲۴، ج: ۶ میں عاصم بن ابی النجود کے حال حضرت ابو وائل سے نقل کیا ہے کہ ابو وائل کبھی کبھی گاؤں میں جاتے، اور چند روز رہتے تھے، جب واپس آ کر حضرت عاصم سے ملتے، تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔

۱۶..... مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابہ (ص: ۲۵۴، ج: ۳) میں

ابوسفیان کے مناقب میں لکھا ہے کہ غزوہ حنین میں حضرت ابوسفیانؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یہ آپ کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حرب ہے، آپ ان سے راضی ہو جائیے۔ (کیونکہ فتح مکہ سے پہلے جتنے معرکے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتے، ان سب میں ابوسفیانؓ کفار کے لشکر کی قیادت کرتے تھے، فتح مکہ میں مسلمان ہو گئے، مگر حضرت عباسؓ کو یہ خیال تھا کہ اس کے باوجود آپ کے قلب مبارک میں ان کی طرف سے تکدر ہوگا، اسی لئے یہ درخواست کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی سفارش قبول ہے، میں ان سے راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر وہ عداوت جو میرے خلاف کی ہے، معاف فرمادے، پھر حضرت عباسؓ کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ وہ بے شک میرا بھائی ہے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا، جب کہ وہ گھوڑے کی رکاب میں تھا۔

روایات مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ بزرگان دین کی دست بوسی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں بلا تکبر و اختلاف ثابت ہے بعد کے علماء میں بھی یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

۷..... ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں ابو بکر بن محمد بن عمر سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں ایک روز حضرت ابو بکر بن مجاہد کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت شبلیؒ اس مجلس میں تشریف لائے، تو ابو بکر بن مجاہد کھڑے ہوئے۔ اور ان سے معاف کیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں، ابو بکر بن مجاہد نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے ایک خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا تھا کہ شبلی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے

ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی نماز کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے ہیں۔ ”لقد جاء رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم“ الایۃ اور اس کے بعد مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔

۱۸..... حافظ ابو موسیٰ مدینی وغیرہ نے حضرت سفیان سے روایت کیا ہے انہوں نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی سنت ہے، مجلس میں حضرت عبداللہ بن مبارک موجود تھے، وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو دے کر کہا کہ اس سنت پر عمل کرنے کے لئے اس سے اچھا موقع کہاں ملے گا۔

۱۹..... امام مسلم بن حجاج کا واقعہ جو امام بخاری کے ساتھ پیش آیا کہ امام نے امام بخاری کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور قدم بوسی کا ارادہ کیا، یہ کتب حدیث و روایات میں معروف و مشہور ہے، مذکورہ روایات سے علماء امت کا باہم معاملہ تقبیل کا بغیر کسی انکار کے ثابت ہو گیا۔ اور اس کی مزید تاکید اس واقعہ سے ہوتی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کی طرف سے پیش آیا کہ جب وہ جنازہ پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے چہرہ پر ان کی موت کے بعد بوسہ دیا۔

ان تمام روایات واقعات سے ثابت ہوا کہ علماء و مشائخ اور دینی شرف والے حضرات کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی نیز پیشانی وغیرہ پر بوسہ دینا سنت تعامل صحابہ و تابعین سے بلا کسی تکبر کے ثابت ہے۔

(انہی رسالہ شیخ محمد عابد سندھی محررہ ۱۲۲۳ھ)

اقوال فقہاء

مبسوط شمس الائمہ سرحدی کتاب الاستحسان جلد عاشرس: ۱۴۹ میں لکھا ہے:

۲۰..... روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل فاطمہ

يقول اجد منها ریح الجنة وقيل ابوبكر رأس عائشة و قال صلى الله عليه وسلم من قبل رجل امه فكانما قبل عتبة الجنة۔ (مبسوط)

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کی تقبیل فرماتے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس میں سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ اور صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کے سر کو بوسہ دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی ماں کا پاؤں چوما گویا اس نے جنت کی چوکھٹ کو بوسہ دیا۔ (مبسوط)

مبسوط شمس الائمہ ہی میں محمد بن المنکدر سے نقل کیا ہے کہ ایک رات میں اپنی والدہ کے پاؤں دباتا رہا۔ اور میرا بھائی ابوبکر تمام رات نماز میں مشغول رہا، اور مجھے ہرگز پسند نہیں کہ میں اپنی رات کو ان کی رات سے بدل لوں۔

عورتوں کی تقبیل اور ہاتھ سے چھونے کے متعلق ان روایات کو نقل کر کے شمس الائمہ نے فرمایا کہ یہ تقبیل اور بدن کو مس کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے، جب کہ نہ اپنے نفس سے شہوت کا خطرہ ہو نہ اس عورت سے، جس کی تقبیل کی جائے، اگرچہ وہ اولاد ہی میں سے ہو اور خواہ تقبیل بدن کے کسی حصہ پر ہو، اور جب خطرہ شہوت کا اس کے لئے یا اپنے لئے ہو، تو قطعاً جائز نہیں۔ (مبسوط ص: ۱۳۹ ج: ۱۰)

واما حکم المس فلا خلاف ان المصافحة حلال

لقوله عليه السلام تصافحوا تحابوا و روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال اذا لقي المؤمن اخاه فصافحه تنائرت ذنوبه و لان الناس يصافحون في سائر الاعصار في العهود و الموائيق فكانت سنة متوارثة۔

واختلف في القبلة و المعانقة قال ابو حنيفة و محمد يكره للرجل ان يقبل فم الرجل او يده او شيئاً

منه او يعانقه و روى عن ابى يوسف انه لا باس به و وجهه ما روى انه لما قدم جعفر بن ابى طالب من الحبشة عانقه سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم و قبل بين عينيه و كذا روى ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا اذا رجعوا من اسفارهم كان يقبل بعضهم بعضاً و يعانق بعضهم بعضاً و احتجا بما روى انه سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقليل اقبل بعضنا بعضاً؟ فقال لا، فقليل ايعانق بعضنا بعضاً؟ فقال عليه الصلوة و السلام لا فقليل ايصافح بعضنا بعضاً؟ فقال عليه الصلوة و السلام نعم و ذكر الشيخ ابو منصور ان المعانقة انما تكره اذا كانت شبيهة بما وضعت للشهوة في حالة التجرد و اما اذا قصد بها المبرة و الاكرام فلا تكره و كذا التقبيل الموضوع لقضاء الوطر و الشهوة وهو المحرم فاذا زال تلك الحالة ابيح و على هذا الوجه الذى ذكره الشيخ يحمل الحديث الذى احتج به ابو يوسف۔ (بدائع ص: ۱۲۳ ج: ۵ كتاب الاحسان)

ترجمہ: اور ہاتھ سے چھونے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ مصافحہ حلال ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں مصافحہ کیا کرو، تاکہ باہم محبت بڑھے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی مومن اپنے بھائی مومن سے ملے، اور مصافحہ کرے، تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اور اس لئے کہ مصافحہ کا رواج ہر زمانے میں معاہدات کے مواقع میں رہا ہے اس لئے یہ سنت متوارثہ ہے، اور بوسہ دینے اور معانقہ کے مسئلے میں اختلاف

ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ نے فرمایا کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر یا ہاتھ پر یا اس کے کسی اور عضو پر بوسہ دے یا معانقہ کرے، یہ مکروہ ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور دلیل ان کی وہ روایت ہے کہ جب جعفر بن ابی طالبؓ حبشہ سے واپس ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ فرمایا، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اسی طرح یہ روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اپنے سفروں سے واپس آتے، اور آپس میں ملتے، تو ایک دوسرے کو بوسہ دیتے تھے۔ اور معانقہ کرتے تھے۔ اور ابو حنیفہؒ اور محمدؒ نے اس روایت سے استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہم آپس میں ملا کریں، تو کیا ایک دوسرے کو بوسہ دیں، آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ کیا معانقہ کریں؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپس میں مصافحہ کیا کریں؟ تو فرمایا کہ ہاں۔ شیخ ابو منصور نے فرمایا کہ معانقہ اس صورت میں مکروہ ہے، جب کہ اس طرز پر ہو، جو شہوت کیساتھ کیا جاتا ہے، جب کہ درمیان میں کپڑے حائل نہ ہوں لیکن جب کہ اس سے محض اکرام اور احسان مقصود ہو، تو مکروہ نہیں، یہی حکم بوسہ دینے کا ہے، کہ جو بوسہ شہوت کے ساتھ دیا جاتا ہے، اس کے مشابہ ہو، تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اور ابو یوسفؒ نے جس حدیث سے جواز کا قول اختیار کیا، وہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ اس میں شہوت کا کوئی خطرہ یا مشابہت نہ ہو۔

اور فتاویٰ قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ:

و یکرہ ان یقبل الرجل فم الرجل او یدہ او شیئا منه فی قول ابی حنیفہ و محمد و لاباس بالمصافحۃ و قال ابو یوسف لاباس بالتقبیل و المعانقۃ فی ازار واحد فان

كانت المعانقة من فوق قميص او جبة او كانت القبلة علی وجه المسرة دون الشهوة جاز عند الكل۔

(فتاویٰ قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری ص: ۴۴۴، ج: ۳)

مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر بوسہ دے، یا اس کے ہاتھ کو یا کسی اور حصہ بدن کو، ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے قول میں، اور مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور جب وہ گرتے اور جبہ کے اوپر سے، اور بوسہ دینا بطور مسرت و اکرام کے ہو، شہوت سے نہ ہو، تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کی آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقبیل و معانقہ میں جو اختلاف امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کا نقل کیا جاتا ہے، وہ اس صورت میں ہے جس میں خطرہ شہوت کا یا مشابہت اس کی پائی جائے۔ ورنہ معانقہ اور تقبیل تینوں ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ بدائع میں شیخ ابو منصور کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

فی الدر المختار طلب من عالم او زاهد ان یدفع الیہ قدمہ و یمکنہ من قدمہ لیقبلہ اجابہ و قیل لا یرخص فیہ، و فی رد المحتار قوله اجابہ لما اخرجہ الحاکم ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ارنی شیئا ازاداد به یقینا فقال اذهب الی تلك الشجرة فادعها فذهب الیها فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوك، فجاءت حتی سلمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال لها ارجعی فرجعت ثم اذن له فقبل راسه و رجلیه و قال لو كنت امر احدا ان یسجد

کرے بعض کے نزدیک، اور بعض نے اجازت دی ہے۔

اور اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ:

”اگر یکے از عالم یا زاهد التماس پائے بوسی او کند باید کہ اجابت نہ کند و نگذارد کہ بوسه و درقنیہ گفتہ لایا س بہ است۔“

اور مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں حدیث وفد عبد القیس نقل کرنے کے بعد فرمایا:

”ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چومنا پاؤں کا جائز ہے، مگر فقہاء اس کو منع کرتے ہیں۔ الخ“

اس مسئلہ میں ایک اختلاف ائمہ حنفیہ کا بدائع اور قاضی خان کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے، اس میں دست بوسی اور قدم بوسی کے ساتھ معانقہ بھی شامل ہے، اس اختلاف کا حاصل قاضی خان کی تحقیق کے مطابق یہ تھا کہ جس صورت میں یہ افعال ایسے طرز پر ہوں، جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتباہ ہو، اس کو ابو حنیفہؒ نے مکروہ فرمایا ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو، وہ متفق علیہ جائز ہے۔

اور در مختار شامی اور عالمگیری وغیرہ کے حوالے سے جو اختلاف اوپر نقل کیا گیا ہے، یہ اختلاف فقہاء متاخرین کا ہے اور اصل مسئلہ تقبیل و معانقہ میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ منشاء اختلاف کا یہ ہے کہ جس شخص کی قدم بوسی دست بوسی کی جائے، کیا اس کے لئے بھی یہ جائز و درست ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے؟

اور وجہ اختلاف کی بظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اگر حقیقتہً عجب و تکبر نہ بھی ہو، تو صورتاً ایک متکبرانہ فعل ہے، جس سے تکبر پیدا ہو جانے کا احتمال غالب ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس خطرہ کی بناء پر مکروہ قرار دیا، بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے جائز فرمادیا۔

لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها و قال صحيح

الاسناد۔ اھ من رسالة الشرنبلالی (شامی ص: ۳۷۸، ج: ۵)

کسی عالم سے کوئی درخواست کرے کہ اپنے قدم ہمیں دیں کہ ہم ان کو بوسہ دیں، تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی درخواست قبول کرے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ شامی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ جواز پر دلیل وہ حدیث ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز دکھلا دیجئے، جس سے میرا یقین ایمانی بڑھ جائے، آپ نے کسی درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ، اور میرے پاس بلا لاؤ، وہ گیا، اور درخت سے کہا کہ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں، وہ درخت اسی وقت حاضر ہوا، اور آپ کو سلام کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اپنی جگہ واپس چلے جاؤ، تو وہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے سر مبارک اور دونوں قدموں کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کو سجدہ کی اجازت دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ حاکم نے اس حدیث کی روایت کی، اور فرمایا کہ صحیح الاسناد ہے۔

اور عالمگیری ص: ۴۰۴ جلد ۵ میں ہے:

طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ليقبله
لا يرخص فيه و لا يجيبه الى ذلك عند البعض و ذكر
بعضهم يجيب الى ذلك۔

اگر کسی عالم یا بزرگ زاهد سے درخواست کی جائے کہ اپنا قدم دیجئے کہ ہم بوسہ دیں، تو اس شخص کے لئے جائز نہیں کہ یہ درخواست قبول

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا، تو آپ نے اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا:

”تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے، اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جاسکتا، پس صحیح جواز تقبیل قدم فی نفسہ ہے، اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائے گا۔“ (امداد فتاویٰ مبوب جلد خامس ص: ۳۴۵) مورخہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

مذکورہ سوال کے ساتھ چند اور سوال و جواب بھی اس معاملے سے متعلق ہیں، ان کا نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوا۔

سوال دوم

”اگر قدم بوسی بلا کراہت جائز ہو تو سر جھکا کر اگرچہ بحد رکوع وسجود ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اس امر میں ہمارے دیار کے علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، کہ جب قدم بوسی جائز ہے، تو اگرچہ بصورت رکوع وسجود انحاء رأس سے ہو، تب بھی جائز ہے۔ اور ایک جم غفیر علماء کہتے ہیں کہ قدم بوسی اس صورت میں جائز ہے، جب کہ انحاء رأس بہ ہیئت رکوع وسجود نہ ہو، اور یہ لوگ اس بارے میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں، جو مشکوٰۃ کے باب المصافحہ والمعانقہ میں ہے:

عن انس قال قال رجل يا رسول الله! الرجل منا يلقى اخاه او صديقه اينحنى له؟ قال لا، رواه الترمذی، مرقاة شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص: ۶۷۴ میں مرقوم ہے۔ (اینحنی له؟ الانحناء و هو امالة الرأس و الظهر تواضعاً و خدمة) (قال لا) ای فانه فی معنی الركوع و هو كالسجود من عبادة الله تعالى و فی شرح مسلم للنووی حنی الظهر

مکروہ للحدیث الصحیح فی النهی عنه و لا تعتبر کثرة من یفعله ممن ینسب الی علم و صلاح۔ و فی اشعة اللمعات ص: ۲۴ ج: ۴

وانحاء مائل گردانیدن سرو پشت ست و طیبی از محی السنہ نقل کردہ کہ انحاء ظہر مکروہ است از جہت ورود حدیث صحیح در نہی ازاں اگرچہ بسیار از انہا کہ منسوب بعلم و صلاح اند، آنرا می کنند اما اعتبار و اعتماد بذاں نتواں کرد و در مطالب المومنین از شیخ ابوالمنصور نقل کردہ کہ اگر بوسہ دہد یکے پیش یکے زمین را یا پشت دوتا کند یا سرنگوں گرداند کافر گردد بلکہ آثم است زیرا کہ مقصود تعظیم است نہ عبادت است، و بعضی مشائخ در منع ازاں تغلیظ و تشدید بسیار کردہ و گفتہ کاد الانحاء ان یکون کفراً اتھی۔ اسی طرح مظاہر حق کی جلد چہارم کے ص: ۶۱ میں مذکور ہے، اور مجمع الانہر ص: ۴۲۰ ج: ۲ میں ہے، فی القہستانی الایماء فی السلام الی قریب الركوع کالسجود و فی العمادیة و یکرہ الانحناء لانه یشبه فعل المجوس اور ملتقی الابحر میں ہے، فی المجتبی الایماء بالسلام الی قریب الركوع کالسجود و الانحناء مکروہ رد المختار کتاب الکراہت میں ہے، فی الزاہدی الایماء فی السلام الی قریب الركوع کالسجود و فی المحيط انه یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ۔ انتھی۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ انحاء کے طور پر قدم بوسی ناجائز ہے، اور عالمگیری کے تقبیل رجل میں جو یہ روایت ہے کہ طلب من عالم او زاهد ان یدفع الیہ قدمہ لیقبلہ اور در مختار میں جو یہ روایت ہے طلب من عالم او زاهد ان یدفع الیہ قدمہ و یمکنہ

من قدمہ ليقبلہ اور غایت الاوطار کی جلد چہارم ص: ۲۱۹ پر جو اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے عالم یا زاہد سے اس کی درخواست کی کہ اپنا قدم اس کی طرف بڑھا دے، اور اس کو چومنے دے، یہ باواز بلند بتاتی ہے کہ یہ قدم بوسی بطریق انحاء اور مالہ نہیں ہے، اب کس فریق کا قول حق اور احق بالاتباع ہے؟

الجواب

جو انحاء مقصوداً ہو، وہ ناجائز ہے۔ اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آجائے، وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔

۲ سوال سوم

تقبیل قدم کے کیا معنی ہیں؟ قدم کو بوسہ دینا یا حجر اسود کی طرح ہاتھ سے قدم کو مس کر کے ہاتھ کو بوسہ دینا یا عام معنی لئے جاویں؟

الجواب

معنی اول ہی اس کا مدلول ہے، اور ثانی بے اصل ہے۔ (ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ)

خلاصہ کلام

روایات حدیث اور آثار صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ و فقہاء جن کی تفصیل آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، ان سے ”مسئلہ تقبیل“ کے متعلق مندرجہ ذیل احکام حاصل ہوئے:-
۱..... تقبیل و معانقہ اگر شہوت کے ساتھ ہو، وہ باتفاق امت اپنی بیوی یا زرخرید کنیز کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ اسی طرح جب اپنے نفس میں یا دوسری جانب

میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۲..... اور جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم و اکرام کیلئے ہو، وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امر منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔

۳..... اور جہاں تقبیل و معانقہ بلکہ مصافحہ میں بھی کچھ منکرات شامل ہو جائیں، وہ باتفاق مکروہ ہے، وہ منکرات جو ایسے مواقع میں شامل ہو جاتے ہیں، کئی قسم کے ہیں۔ ان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان سے بچ سکیں۔

تقبیل اور معانقہ و مصافحہ میں شامل ہونے والے منکرات

اول یہ کہ جس شخص کو ان امور سے اپنے نفس میں تکبر و اعجاب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس کو درست نہیں کہ دوسرے لوگوں کو دست بوسی، قدم بوسی وغیرہ کا موقع دے۔
دوسرے یہ کہ جس صورت میں یہ خطرہ ہو کہ اس عمل سے دوسرے شخص کو ایذا و تکلیف پہنچے گی، تو وہاں ان امور میں سے کچھ یہاں تک کہ مصافحہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً جب دیکھے کہ جس سے ملاقات کرنا ہے، وہ مشغول ہے، یا کسی ضروری کام میں ہے، اس وقت اس کے ساتھ معانقہ و تقبیل بلکہ مصافحہ کی کوشش کرنا بھی اس کی ایذا و تکلیف کا سبب ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں اس سے اجتناب چاہئے۔

تیسرے جہاں یہ خطرہ ہو کہ جس کی دست بوسی کی جارہی ہے یہ اس کے نفس میں تکبر و غرور پیدا کر دے گا، تو اس سے اجتناب ضروری ہے، خصوصاً دست بوسی اور قدم بوسی اگر کسی مجمع کے اندر ہو، تو ایک مفسدہ تو یہی ہے کہ اس میں وقت بڑا خرچ ہوگا، کام کی ضروری باتوں میں خلل آئے گا، اور دوسرا بڑا مفسدہ یہ ہے کہ جس جگہ اس کی رسم اور عادت ہو جائے، تو ہر آنے والا یا تو خواہی نہ خواہی دست بوسی اور قدم بوسی میں اہل مجلس کا اتباع کرے، یا پھر سب سے مختلف ہونے کا گویا اعلان کرے، جس سے اور بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے جو واقعات آپ نے اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائے، ان کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے، جس درجہ میں سنت اور تعامل سلف سے اس کا ثبوت ہوا ہے۔ ان تمام روایات و واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام ہوئے مگر اتفاقی طور پر کسی ایک دو آدمی نے کر لئے، نہ اس کی عادت تھی، نہ سب مجمع کو یہ کام کرنا تھا، نہ کوئی کسی کو اس کی دعوت دیتا تھا، اور نہ کوئی کسی کی حرص کرتا تھا۔ بس اسی سادگی اور عدم پابندی کے ساتھ جہاں ہوں، جائز و درست بلکہ مستحب بھی ہو سکتا ہے، جہاں یہ سادگی نہ رہی پابندی آگئی، یا عادت پڑ گئی، تو وہ مفاسد سے خالی نہیں، اور فقہاء کا یہ ضابطہ معروف و مشہور ہے کہ اگر کسی مستحب کام میں کچھ منکرات شرعیہ شامل ہو جائیں، تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ سنن مقصودہ میں سے نہ ہو، جیسے جماعت نماز کے بعد کے مصافحہ کو بعض فقہاء نے اس لئے مکروہ قرار دیا کہ اس کو نماز کی ایک سنت جیسا قرار دے دینا خلاف شرع اور گناہ ہے۔

بس مختصر بات یہی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے، اس کو اسی حد پر رکھا جائے، تو بلاشبہ دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ، مصافحہ سب جائز، بلکہ سنت و مستحب ہیں۔ اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہو جائے، وہ گناہ ہے۔

میرا وہ خواب جو اس رسالہ کی وجہ تالیف ہوا ہے، اس میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے یہی فرمایا تھا کہ اس وقت جو لوگوں میں دست بوسی کی عادت ہو گئی، میں اس کے محذورات و منکرات بیان کیا کرتا ہوں، وہ اسی طرح کے محذورات ہیں کہ سنت کو حد سنت سے بڑھا کر اس میں غلو کرنے سے یا دوسروں کی ایذا کا سبب بننے سے پیدا ہوتے ہیں۔

الحمد للہ کہ یہ رسالہ روز عید الاضحیٰ ۱۳۹۲ھ سے شروع ہو کر ۱۴ ذی الحجہ کو پانچ روز میں مکمل ہوا۔

واللہ ولی التوفیق، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

حُکْمُ الْاِقْسَاطِ فِي حِيلَةِ الْاِسْقَاطِ

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میت کی فوت شدہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے واجبات و فرائض کی ادائیگی یا کفارہ کس طرح کیا جاسکتا ہے، جس سے وہ گناہ سے سبکدوش ہو جائے، اس کا بیان کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، جس کا کچھ خلاصہ فائدہ عوام کے لئے اس رسالہ کے آخر میں لکھ دیا جائے گا۔

لیکن آج کل بہت سے شہروں اور دیہات میں لوگوں نے ایک رسم نکالی ہے، جس کو دور یا اسقاط کہتے ہیں، اور جاہلوں کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس رسم کے ذریعہ تمام عمر کی نماز، روزوں اور زکوٰۃ و حج اور تمام فرائض و واجبات سے سبکدوشی ہو جاتی ہے، اور اس رسم کو ایسی سخت پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے، جیسے تجہیز و تکفین کا کوئی اہم فرض ہو، جو کوئی نہیں کرتا اس کو طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں۔

بلاشبہ فقہاء کے کلام میں دور و اسقاط کی صورتیں مذکور ہیں، لیکن وہ جن شرائط کے ساتھ مذکور ہیں، عوام نہ ان شرائط کو جانتے ہیں، نہ اُن کی کوئی رعایت کی جاتی ہے، بلکہ فوت شدہ فرائض و واجبات سے متعلقہ تمام احکام شرعیہ کو نظر انداز کر کے اس رسم کو تمام فرائض و واجبات سے سبکدوشی کا ایک آسان نسخہ بنا لیا گیا ہے، جو چند پیسوں میں حاصل ہو جاتا ہے، پھر کسی کو کیا ضرورت رہی کہ عمر بھر نماز و روزہ کی محنت اٹھائے۔

اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرصہ ہوا کہ ایک سوال مخدوم محترم حضرت مولانا مفتی محمد

تاریخ تالیف _____ ۷ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ (مطابق ۱۹۵۰ء)

مقام تالیف _____ کراچی

کئی علاقوں میں حیلہ اسقاط کا طریقہ رائج ہے جس میں کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس رسالہ میں ان کا جائزہ لیکر نماز، روزہ کے فدیہ کے مسائل تحریر کئے گئے ہیں۔

حسن صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس آیا تھا، آپ نے جواب لکھنے کے لئے میرے سپرد فرمایا، یہ جواب کسی قدر مفصل اور کافی ہو گیا، اس لئے اس رسم میں ابتلاء عام کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بصورت رسالہ شائع کر دیا جائے، خدا کرے کہ یہ مسلمانوں کو جاہلانہ رسوم سے بچانے میں مفید ثابت ہو۔ واللہ الموفق والمعين

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندر اس مسئلہ کہ ہمارے علاقہ میں ایک حیلہ مروج ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کے بعد کچھ لوگ دائرہ بناتے ہیں، میت کے وارث ایک قرآن شریف اور اس کے ساتھ کچھ نقد باندھتے ہیں، اور دائرہ میں لاتے ہیں، امام مسجد جو دائرہ میں ہوتا ہے، وہ لیتا ہے، اور یہ الفاظ اس پر پڑھتا ہے:

کل حق من حقوق اللہ من الفرائض و الواجبات و الکفارات و المننورات
بعضها ادیت و بعضها لم تؤد الآن عاجز عن ادائها و اعطيتك هذه المنحة الشريفة
على هذه النقودات فی حيلة الاسقاط رجاء من اللہ تعالیٰ ان یغفر لہ۔

اور ایک دوسرے کی ملک کرتا ہے۔ تین دفعہ اس کو پھیرا جاتا ہے، بعدہ نصف امام کو نصف غرباء کو تقسیم کیا جاتا ہے، زید ایک امام مسجد ہے، اس نے اس مروجہ حیلہ کو چھوڑ دیا ہے، اور کہتا ہے کہ اس مروجہ حیلہ کا ثبوت ادلہ شرعیہ سے کوئی نہیں، لہذا یہ بات بدعت ہے۔ زید کے ترک پر زید کو لوگ ملامت کرتے ہیں، اور زید باوجود خفی المذہب ہونے کے اس کو وہابی کہتے ہیں، اور اس حیلہ کے جواز پر آباء و اجداد کی دلیل لاتے ہیں۔ (۱) کیا زید حق پر ہے یا باطل پر، (۲) اس مروجہ حیلہ کا کیا حکم ہے؟ (۳) زید اس رواج اور اس التزام و اصرار کو ختم کرنے کا شرعاً حق دار اور مصیب ہوگا یا نہیں؟ (۴) نیز بعض صورتوں میں مشترک ترکہ میں سے روپیہ لایا جاتا ہے، جس میں بعض وارث موجود نہیں ہوتے؟ (۵) نیز بعض دفعہ یتیم بچے رہ جاتے ہیں، کیا یہ مال حیلہ میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور دائرہ والے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ مینو بالذلل الشریعہ۔

الجواب

حیلہ اسقاط یا دور بعض فقہاء کرام نے ایسے شخص کے لئے تجویز فرمایا تھا، جس کے کچھ نماز روزے وغیرہ اتفاقاً فوت ہو گئے، قضاء کرنے کا موقع نہیں ملا، اور موت کے وقت وصیت کی، لیکن اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں، جس سے تمام فوت شدہ نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جاسکے۔ یہ نہیں کہ اس کے ترکہ میں مال موجود ہو، اس کو تو وارث بانٹ کھائیں، اور تھوڑے سے پیسے لے کر یہ حیلہ حوالہ کر کے خدا و خلق کو فریب دیں، درمختار، شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اور ساتھ ہی اس حیلہ کی شرائط میں اس کی تصریحات واضح طور پر فرمائی ہیں کہ جو رقم کسی کو صدقہ کے طور پر دی جائے، اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک و مختار بنا دیا جائے کہ جو چاہے کرے، ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ دینے کا محض ایک کھیل کیا جائے، جیسا عموماً آج کل اس حیلہ میں کیا جاتا ہے کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو وہ دے رہے ہیں، وہ صحیح معنی میں اس کا مالک و مختار ہے، اور نہ لینے والے کو یہ تصور و خیال ہو سکتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، میں اس کا مالک و مختار ہوں۔

دو تین آدمی بیٹھتے ہیں، اور ایک رقم کو باہمی ہیرا پھیری کا ایک ٹوٹکا سا کر کے اٹھ جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے میت کا حق ادا کر دیا، اور وہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گیا، حالانکہ اس لغو حرکت سے میت کو نہ تو کوئی ثواب پہنچا، نہ اس کے فرائض کا کفارہ ادا ہوا، کرنے والے مفت میں گناہ گار ہوئے۔

رسائل ابن عابدین میں اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ ”مئة الجلیل“ کے نام سے شامل ہے اس میں تحریر فرمایا ہے:

ویجب الاحتراز من ان یدیرھا اجنبی الا بوکالة کما ذکرنا
وان یکون الوسی او الوارث کما علمت، ویجب الاحتراز من ان
یلاحظ الوسی عند دفع الصرة للفقیر الهزل او الحيلة بل یجب ان

يدفعها عازماً على تملكها منه حقيقة لانه لا يحل ملاحظاً ان الفقير اذا

ابى عن هبتها الى الوصى كان له ذلك ولا يجبر على الهبة.

(میز الجلیل فی اسقاط ماعلی الذمۃ من کثیر وقلیل - جزء مسائل ابن عابدین ص: ۲۲۵، ج: ۱)

الغرض اس حیلہ کی ابتدائی بنیاد ممکن ہے کہ کچھ صحیح اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہو، لیکن جس طرح کارواج اور التزام آج کل چل گیا ہے، وہ بلاشبہ ناجائز اور بہت سے مفاسد پر مشتمل قابل ترک ہے۔ چند مفاسد اجمالی طور پر لکھے جاتے ہیں:-

۱..... بہت مواقع میں اس کے لئے جو قرآن مجید اور نقد رکھا جاتا ہے، وہ میت کے متروکہ مال میں سے ہوتا ہے، اور اس کے حقدار وارث بعض موجود نہیں ہوتے یا نابالغ ہوتے ہیں، تو ان کے مشترکہ سرمایہ کو بغیر ان کی اجازت کے اس کام میں استعمال کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے ”لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه“۔ اور نابالغ تو اگر اجازت بھی دے دے، تو وہ شرعاً نامعتبر ہے۔ اور ولی نابالغ کو ایسے تبرعات میں اس کی طرف سے اجازت دینے کا اختیار نہیں، بلکہ ایسے کام میں اس مال کا خرچ کرنا حرام ہے۔ نص قرآن شریف آیت کریمہ: ”ان الذین یأکلون أموال الیتامی ظلماً انما یأکلون فی بطونہم ناراً“ (ترجمہ: جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً خرچ کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں) سے ثابت ہے کہ ایسے مال کا دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

۲..... اگر بالفرض مال مشترک نہ ہو، یا سب وارث بالغ ہوں، اور سب سے اجازت بھی لی جاوے، تو تجربہ شاہد ہے کہ ایسے حالات میں یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ ان سب نے بطیب خاطر اجازت دی ہے، یا برادری اور کنبہ کے طعنوں کے خوف سے اجازت دی ہے۔ اور اس قسم کی اجازت حسب تصریح حدیث مذکور کالعدم ہے۔

۳..... اور اگر بالفرض یہ سب باتیں بھی نہ ہوں، سب بالغ ورثاء نے بالکل خوش دلی کے ساتھ اجازت دے دی ہو، یا کسی ایک ہی شخص وارث یا غیر وارث نے اپنی ملک خاص سے اس کا انتظام کیا ہے، تو مفاسد ذیل سے وہ بھی خالی نہیں۔ مثلاً اس حیلہ کی فقہی

صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو اول یہ قرآن اور نقد دیا جاتا ہے، اس کی ملک کر دیا جائے، اور پوری وضاحت سے اس کو بتلادیا جائے کہ اب تم مالک و مختار ہو، جو چاہو کرو، پھر وہ اپنی خوشی سے بلا کسی رسمی دباؤ یا لحاظ و مروت کے میت کی طرف سے کسی دوسرے شخص کو اسی طرح دیدے، اور مالک بنادے، اور پھر وہ شخص اسی طرح کسی تیسرے چوتھے کو دیدے۔ لیکن مروجہ رسم میں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ اول تو جس کو دیا جاتا ہے، نہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ملک ہو گیا، اور وہ اس میں مختار ہے۔ نہ لینے والے کو اس کا کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے، جس کی کھلی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس وقت یہ نقد لے کر چل دے، اور دوسرے کو نہ دے، تو دینے والے حضرات ہرگز اس کو برداشت نہ کریں۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تملیک صحیح نہیں ہوتی، اور بدون تملیک کے کوئی قضا یا کفارہ یا فدیہ معاف نہیں ہوتا۔ اسی لئے یہ حرکت بے کار ہو جاتی ہے۔

۴..... مذکورہ صورت میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو مالک بنایا جائے، وہ مصرف صدقہ ہو، صاحب نصاب نہ ہو۔ مگر عام طور پر اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، عموماً ائمہ مساجد جو صاحب نصاب ہوتے ہیں، انہیں کے ذریعے یہ کام کیا جاتا ہے، اس لئے بھی یہ سارا کاروبار لغو و غلط ہو جاتا ہے، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

۵..... اور اگر بالفرض مصرف صدقہ کا بھی صحیح انتخاب کر لیا جائے، اور ان کو پورا مسئلہ بھی معلوم ہو کہ وہ قبضہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو مالک و مختار سمجھے، پھر میت کی خیر خواہی کے پیش نظر وہ دوسرے کو اور اسی طرح دوسرا تیسرے کو تیسرا چوتھے کو دیتا چلا جائے، تو آخر میں وہ جس شخص کے پاس پہنچتا ہے، وہ اس کا مالک و مختار ہے، اس سے واپس لے کر آدھا امام کو اور آدھا دوسرے فقراء کو تقسیم کرنا ملک غیر میں بلا اس کی اجازت کے تصرف کرنا ہے۔ جو ظلم اور حرام ہے حسب تصریح حدیث مذکور۔

۶..... اور بالفرض یہ آخری شخص اس کی تقسیم اور حصے نخرے لگانے پر آمادہ بھی ہو جائے۔ اور فرض کرو کہ اس میں دباؤ سے نہیں دل سے راضی ہو جائے، تو پھر بھی اس طرح

کے حیلہ کا ہر میت کے لئے التزام کرنا، اور جیسے تجہیز و تکفین جیسے واجبات شرعیہ ہیں، اسی طرح اسی درجہ میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا، یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا، یہی احداث فی الدین ہے۔ جس کو اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں۔ اور جو اپنی معنوی حیثیت سے شریعت میں ترمیم و اضافہ ہے۔ نعوذ باللہ

نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلاء کی یہ جرأت بھی بڑھ سکتی ہے کہ تمام عمر بھی نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ حج کریں، نہ زکوٰۃ دیں، مرنے کے بعد چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے مفاد حاصل ہو جائیں گے، جو سارے دین کی بنیاد منہدم کر دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

مذکور الصدر اجمالی مفاسد کو دیکھ کر بھی یہ فیصلہ کر لینا کسی مسلمان کے لئے دشوار نہیں کہ یہ حیلے حوالے اور اس کی مروجہ رسوم سب ناواقفیت پر مبنی ہیں، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، اور کرنے والے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

مسائل فدیہ نماز و روزہ وغیرہ

مسئلہ..... جس شخص نے نماز و روزہ، یا حج، زکوٰۃ وغیرہ کی کوئی وصیت کی، تو یہ وصیت اس کے ترکہ کے صرف ایک تہائی حصہ میں جاری کرنا وارثوں پر لازم ہوگا۔ ایک تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ہو، تو وہ سب وارثوں کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے، اگر وہ سب یا ان میں کوئی اجازت نہ دے، تو مشترکہ ترکہ سے وصیت پوری نہیں کی جاسکتی۔ اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے، تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں۔ اس کے حصہ پر ایک

تہائی سے زائد کی وصیت کا کوئی اثر نہ پڑنا چاہئے۔ (ہدایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ)
مسئلہ..... جس شخص نے وصیت کی ہو، اور مال بھی اتنا چھوڑا ہو کہ اس کے تہائی میں ساری وصیتیں پوری ہو سکیں، تو وصی اور وارثوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس وصی کو پورا کریں، اس میں کوتاہی کریں یا میت کا مال موجود ہوتے ہوئے اس کے نماز و روزہ کے فدیہ میں حیلہ حوالہ پر اعتماد کر کے مال کو خود تقسیم کر لیں، تو گناہ ان کے ذمہ رہے گا۔
مسئلہ..... وصیت کرنے کی صورت میں واجبات و فرائض کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی:

۱..... ہر روز کی نمازیں و ترسمیت چھ لگائی جائیں گی، اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ یعنی ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔

۲..... ہر روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ اگر کوئی نذر (منت) مانی ہوئی ہے، تو اس کا بھی فدیہ دینا ہوگا۔

۳..... زکوٰۃ جتنے سال کی اور جتنی مقدار مال کی رہی ہے، اس کا حساب کر کے کرنا ہوگا۔

۴..... حج فرض اگر ادا نہیں کر سکا، تو میت کے مکان سے کسی کو حج بدل کے بھیجا جائے گا، اور اس کا پورا کرایہ وغیرہ تمام مصارف ضروریہ ادا کرنے ہوں گے۔

۵..... کسی انسان کا قرض ہے، تو اس کو حق کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔

۶..... جتنے صدقۃ الفطر رہے ہوں، ہر ایک کے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔

۷..... قربانی کوئی رہ گئی ہو، تو اس سال میں ایک بکرے یا ایک حصہ گا۔ قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کیا جائے۔ (مئۃ الجلیل)

۸..... سجدہ تلاوت رہ گئے ہوں، تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدہ کے بدلے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔

۹..... اگر فوت شدہ نماز یا روزوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو، تو تخمینہ سے حساب کیا جائے گا۔

یہ سب احکام اس صورت کے ہیں جس میں مرنے والے نے وصیت کر دی ہو، اور بقدر وصیت مال چھوڑا ہو۔ اور اگر وصیت ہی نہیں کی، یا ادائے وصیت کے مطابق کافی ترکہ نہیں ہے، تو وارثوں پر اس کے فرائض و واجبات کا فدیہ ادا کرنا لازم نہیں۔ ہاں وہ اپنی خوشی سے ہمدردی کرنا چاہیں، تو موجب ثواب ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محرم الحرام۔ کراچی

الجواب صحیح

ابو احمد عزیز الدین

خطیب جامع مسجد راوپنڈی

الجواب صواب

محمد حسن

خادم جامعہ اشرفیہ لاہور

سہ یہ رسم نہایت قبیح اور واجب ترک ہے

بندہ احتشام الحق تھانوی

لہد در الحیب اتی بتحقیق عجیب

محمد ضیاء الحق

مدرسہ اشرفیہ لاہور

الجواب صحیح

خیر محمد جالندھری

خیر المدارس ملتان شہر



ترجمہ

المقالة المرضیة فی حکم سجدة التحیة

المسمى

باعدل التعلیم فی حکم سجدة التعظیم

ترجمة المقالة الرضیة فی حکم سجدة التہیة مسمى عدل التعلیم فی حکم سجدة التعظیم

بعد الحمد والصلوة جاننا چاہئے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا یہی حکم ہے۔

سجدة عبادت

امت مسلمہ کا قرنا بعد قرن اس بات پر اتفاق رہا اور ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا خواہ وہ انسان زندہ ہو یا مردہ خواہ وہ از قبیل جمادات ہو یا حیوانات، الغرض کوئی بھی خدا تعالیٰ کے سوا ہو اس کو سجدہ عبادت و بندگی کی نیت و ارادہ سے کیا جاوے اور اس کو معبود قرار دے کر سجدہ کریں تو یہ سجدہ صریح کفر اور خروج عن الایمان ہوگا اور اس کا مرتکب یقیناً کافر مرتد ہو جائے گا۔ اور یہ سجدة العبادۃ کبھی کسی مذہب حق اور دین الہی میں مشروع اور مباح نہیں ہوا، اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی اہل علم نے علماء اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اس کو کسی وقت جائز قرار دیا ہے بلکہ تمام علمائے سلف و خلف کا اجماع کفر و ارتداد ہونے پر رہا ہے۔

سجدة تعظیم

البتہ سجدة تعظیم یعنی حق تعالیٰ کے غیر کو سجدہ بندگی و عبادت کے قصد سے تو نہ کریں بلکہ محض ادب و تعظیم کے طور پر جیسے قیام تعظیم کیا جاتا ہے، اسی طرح پر سجدة تعظیم کیا جائے اس کے حکم میں تفصیل ہے۔

اگر یہ سجدة تعظیم ان چیزوں کو کیا جائے جن کو سجدہ کرنا خاص کفر کی علامت اور کفار کا شعار ہے جیسے بت یا پتیل کا درخت یا گنگا، جمنایا چاند، سورج وغیرہ تو یہ سجدة تعظیم بھی باجماع امت اور اتفاق علماء کفر و شرک ہے، اس کا کرنے والا کافر مرتد ہے، اگرچہ اس کا مرتکب نیت عبادت کی رکھتا ہو کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر عمل سے متعلق ہیں نہ نیت سے۔ البتہ ممکن ہے کہ عند اللہ سبحا و تعالیٰ وہ مومن ہو مگر احکام دنیا کے لحاظ سے اس کا مرتکب کافر شمار ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے علا

تاریخ تالیف

مقام تالیف

ماخوذ از امداد المفتین

غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی صورتوں اور ان کے احکام سے متعلق یہ ایک عربی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جو اب تک امداد المفتین کا حصہ چلا آ رہا ہے۔ اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

ابن حجر مہشی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں شرح المواقف سے نقل فرماتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تسلیم کرے اور اس پر ایمان لائے اور بایں ہمہ آفتاب کو سجدہ کرے تو وہ بالا جماع مومن نہیں اس لیے کہ شمس کو سجدہ کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن ہیں ورنہ ایسی حرکت جو کہ بظاہر کفر ہے اختیار نہ کرتا اور ہمارے حکم باعتبار ظاہر کے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے مومن نہ ہونے کا حکم دیا گیا، ہاں اگر ہم کو یہ امر محقق ہو جائے کہ وہ سجدہ عبادت کے خیال سے نہیں کرتا اور اس کا اعتقاد یہ نہیں کہ آفتاب اس کا رب ہے اور اس کا دل ایمان سے بھر پور ہے تو دیانۃ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن قضاء اس کو کافر کہیں گے اور تمام معاملات اس کے ساتھ وہی کئے جائیں گے جو کفار کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

نیز کتاب الزوج مصنفہ ابن حجر میں ہے کہ جو شخص کوئی ایسے کام کرے کہ جو سوائے کافر کے کسی دوسرے سے صادر نہیں ہو سکتا تو وہ شخص کافر کہا جائے گا یعنی قضاء نہ دینا اگرچہ وہ علانیہ اپنے اسلام کو ظاہر کر رہا ہو جیسے یہودیوں کے کینسہ میں یہود کے ساتھ ان کے طریقہ پر زنا وغیرہ پہن کر جانا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا کے غیر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت و ارادہ سے یا ایسی نیت و کیفیت سے کہ معلوم ہو کہ عبادت کے طور پر سجدہ کر رہا ہے اگرچہ وہ نیت عبادت کا منکر ہو تب بھی اس کا مرتکب بالا جماع کافر ہے۔

سجدہ تعظیم کی دوسری صورت

دوسرا سجدہ التختیۃ وہ ہے کہ اس میں قصد غیر اللہ کی عبادت کا نہ ہو اور سجدہ بھی ان اشیاء کی طرف نہ ہو جن کو کفار سجدہ کیا کرتے ہیں اور جن کی طرف سجدہ کرنا شعار کافروں کا سمجھا جاتا ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا کہ وہ بھی کفر ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب قریب بالکفر ہو جاتا ہے چنانچہ رد المحتار میں امام زیلعیؒ سے منقول ہے اس سجدہ کی وجہ سے کافر نہ ہوگا، کیونکہ اس کی نیت عبادت کی نہیں بلکہ تعظیم و تحیہ مقصود ہے اور امام شمس اللامۃ السرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اس سجدہ کی وجہ سے بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرنا کفر ہے اور فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ غیر اللہ سجدہ کرنے سے خواہ کسی نیت سے و قصد سے ہو انسان کافر ہو جاتا ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ جو سلطان اور بادشاہ کو سجدہ عبادت کی نیت اور عبادت سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ

شخص جس نے سجدہ کیا اس وقت کوئی نیت نہ کی ہو (یہ قول جواہر اخلاطی میں منقول ہے) عالمگیری کتاب الکربلہ میں لکھا ہے کہ جو بادشاہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرے اور زمین کو بادشاہ کے سامنے چومے کافر نہیں ہوتا، مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

جو لوگ سجدہ غیر اللہ کو مطلقاً کفر کہتے ہیں تو اس میں ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جیسے سجدہ آفتاب اور بت وغیرہ کو کرنا کفر ہے اسی طرح اپنے آباء و مشائخ کو مخلوقات میں سے اور اولیاء اللہ کے مزارات کو (سجدہ کرنا کفر ہے اسی طرح) (خواہ کسی نیت و ارادہ سے ہو)۔

اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آباء و مشائخ کے لیے سجدہ کرنا پہلی امتوں کے جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا (تو چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کفر اور اس کے افعال کی اجازت کبھی کسی مذہب سماوی میں نہیں ہوئی) تو آباء و مشائخ عظام کو سجدہ بطور تعظیم کرنا مماثل و مشابہ سجدہ آفتاب و بت کے نہیں کیونکہ آفتاب و بت و درخت وغیرہ جن کو سجدہ کرنا کفار کا شعار ہے ان کی تعظیم کا امر اور ثبوت امم اسلامیہ اور ملل حقہ اور زبان سماویہ میں کہیں بھی نہیں۔

الغرض چونکہ سجدہ تعظیمی آباء و مشائخ عظام کے لیے ہم سے پہلی شریعتوں میں مشروع تھا اگرچہ ہماری امت کے لیے حرام قطعی ہو گیا مگر جواز سابق کی بناء پر اس کا فعل کفر ہونا مشتبہ ہو گیا اور یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کوئی شبہ کسی کے کافر ہونے میں واقع ہو جائے تو اس پر حکم کفر ہونا جاری نہیں کیا جائے گا لہذا جو آباء یا مشائخ کو سجدہ تعظیمی کرے، اس پر حکم کفر نہیں لگایا جائے اگرچہ وہ شخص کافر ہونے کے قریب ہو جاتا ہے۔ (کتاب الاعلام: ۳۳/۳)

چنانچہ کتاب الاعلام میں لکھا ہے چنانچہ سجدہ تعظیمی آباء و مشائخ کے لیے پہلی شریعتوں میں جائز اور مشروع تھا تو اب سجدہ تعظیمی جو کہ آباء یا مشائخ کو کرے اس کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اب اس کے فعل کفر ہونے میں جرم باقی نہ رہا (کیونکہ جب وہ کسی شرع میں مشروع ہے تو معلوم ہوا کہ وہ فعل کفر نہیں) اور سجدہ آفتاب اور سجدہ بت وغیرہ کو یہ ایسا نہیں کیونکہ یہ کبھی جائز نہیں ہوا، اور نہ ہو سکتا ہے تو اس کا مرتکب ضرور کافر ہوگا کیونکہ یہاں پر اس کے جائز ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اور پہلی صورت میں جائز ہونے کا شبہ ممکن تھا اور جن امور کی تعظیم اسلامیہ میں مشروع نہیں ان کو سجدہ کرنے کی نیت کا اعتبار بالکل نہ ہوگا، کہ وہ کہے کہ میں نے سجدہ تعظیم کے لیے کیا ہے نہ عبادت کے لیے اور مشائخ کو جو سجدہ کرے اس میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر

عبادت کی سجدہ مشائخ میں ہو تو اس کا فاعل کافر ورنہ عاصی ہوگا اور یہ فعل تو گناہ کبیرہ ہوگا۔
تک بیان تھاندا ہب کا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

قرآن کریم میں وارد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کیا اور تمام مقرب بارگاہ احد فرشتے جن میں حضرت جبریل و میکائیل جیسے مقرب بھی شامل تمام ملائکہ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے، اور یہ بحکم خداوند تعالیٰ ہوا اور سجدہ نہ کرنے سے شیطان و کافر اور شقی ازلی ہوا تو اس تمام تر واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدہ کرنا نہ فقط جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

جواب شبہ

امام ابو بکر بھصا ص حنفی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی حضرت علیہ السلام کے لیے بحکم الہی جاری کیا گیا تھا اور سب سے پہلے ان کے لیے مشروع ہوا پھر ان امت میں بھی مشروع رہا ہے اور غالباً یہ سجدہ تعظیمی کی مشروعیت برابر باقی رہی یہاں تک کہ ت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور اس زمانہ میں غایت تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے، جیسے کہ ہماری شریعت میں معانقہ تعظیما مشروع ہے اسی دست بوسی بھی بعض علماء کے نزدیک بلا کراہت مشروع اور بعض مکروہ فرماتے ہیں مگر سجدہ کو شریف نے کبھی کسی حالت میں کسی ذات کے لیے جائز نہیں کیا اور نہ ہو سکتا ہے اور سجدہ کی مطلقاً ممانعت احادیث صحیحہ و صریحہ سے قطعی طور سے ثابت ہے چنانچہ حضرت معاذ بن نے جب چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، سجدہ کی مستحق فقط ذات حق جل و علا شانہ ہے نہ اور کوئی خواہ پاپیر یا نبی یا کسی بزرگ کا مزار وغیرہ۔

الغرض کوئی بھی ہو اس کو سجدہ کرنا قطعی حرام ہے جیسے کہ روایت سے ثابت ہے اور اس کے حضرت عائشہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انسؓ ہیں کہ سب کا ما حصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ ماتے ہیں کہ کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ کسی بشر اور آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ زیبا ہوتا تو میں

حکم کرتا کہ عورتیں اپنے ازواج اور خاوندوں کو سجدہ کریں، اس لیے کہ خاوند کے حقوق زوجہ پر بہت زیادہ ہیں پس خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ تعظیمی شرعاً قطعی حرام ہے اور اس کا گناہ مرتکب عاصی ہے اور یہ فعل گناہ کبیرہ ہے۔

فائدہ

جہاں حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو طرح طرح کی نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں اور کنتم خیر امت فرما کر امت کی شان کو دو بالا کیا ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی غایت رحمت کا فرمایا ہے، اسی وجہ سے اس امت پر اس قسم کے احکام نازل فرمائے گئے جن سے کہ امت کی پوری طرح گمراہی سے حفاظت ہو اور جب ایک چیز کو ممنوع کرنا منظور ہوا تو اس شے کے لوازمات اور وہ تمام چیزیں حرام قرار دی گئیں جو کہ ذریعہ ہو سکتی تھیں اس شے تک پہنچنے کا مثلاً زنا حرام کیا تو اس کے ساتھ دوائی بھی حرام کئے گئے ہیں۔ بت پرستی حرام کی گئی تو ساتھ ہی جاندار کی تصاویر کا بنانا اور رکھنا یہاں تک کہ دیکھنا بھی حرام قرار دیا گیا اور چونکہ آفتاب پرست سورج کو صبح شام پوجتے ہیں لہذا اس وقت خاص نماز فجر و عصر ممنوع قرار دی گئی محض اس وجہ سے کہ آئندہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ یہ نمازیں تعظیم شمس کے لیے مشروع اور شرک کی برائی بلا میں گرفتار ہو جائیں اور شریعت غراء میں اس کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ الفاظ میں بھی اہل شرک سے ادنیٰ سی مشابہت پیدا نہ ہوتا کہ کبھی ایک عرصہ دراز کے بعد یہ سبب شرک نہ ہو جائے اور امم سابقہ کی طرح یہ امت بھی ہلاک نہ ہو جائے۔

چنانچہ فرمایا کہ غلام اپنے آقا کو یارب کہہ کر آواز نہ دیا کرے ادھر آقا کو بھی روک دیا کہ وہ اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر نہ پکارے اس کی ہی برکت سے یہ امت مرحومہ اسلام باوجود یکہ اپنی عمر کی تیرھویں صدی ختم کر چکی ہے مگر دین میں زیادتی و نقصان اور شرک و کفر میں بفضلہ تعالیٰ ایسی مبتلا نہیں ہوئی جیسی پہلی امتیں، اور بوعده اننا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ حفاظت میں رہے گی اور یہ نعمت حفاظت تامہ خاصہ امت امینہ کا ہے اور امم سابقہ میں یہ نعمت علی وجہ الاکمل بحسب الاحکام نہ تھی کیونکہ ان کے لیے حرام صرف وہ اشیاء تھیں جن کا حرام کرنا منظور تھا اور ان کے دوائی حرام نہ تھے چنانچہ امم سابقہ کے لیے تمائیل و تصاویر کا استعمال

نہوں نے اس میں غلو کیا اور احد جو کوئی نامور انسان ہوتا ہے اس کی تصویر کی تعظیم کرنے لگتے کہ شرک و کفر کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے اس کے علاوہ ہزار ہا نظائر اس کے موجود ہیں۔

الغرض اس تمام تقریر سے واضح ہو گیا کہ تحقیق اور حق سجدة التخیة کے بارے میں یہ ہے کہ کسی فی نفسہ کفر و شرک نہیں ہے اس وجہ سے پہلی امتوں میں سجدة تعظیمی جائز تھا البتہ ذریعہ ضرور ہے اور صورت بھی فعل کفر ہے اور اسی وجہ سے یہ سجدة تعظیمی امم سابقہ اور قرون ذریعہ شرک بن گیا تھا اور وہ کفر میں اس کی وجہ سے مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا الہی میں گرفتار ہو گئے اور آخرت میں عذاب ابدی کے مستحق ہوئے تو اس بناء پر خداوند رحمت بے پایاں اور لطف و کرم عظیم کا تقاضا ہوا کہ اس امت خیر الامم پر انعام کیا جائے اور اور نجات عن الضلالة کے لیے مناسب یہ ہے کہ ذریعہ کفر و شرک کو بھی حرام قرار دیا جائے چہ وہ ذریعہ بہت دور کا تعلق کفر و شرک کے ساتھ رکھتا ہو (جیسے کہ تصاویر کا تعلق شرک کی وجہ سے سجدة تعظیمی کا جواز منسوخ ہو گیا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیة و سلام بیشہ تعظیم ممنوع قرار دیا گیا اس پر یہ شبہ ہے۔

شبہ: سجدة تعظیمی جبکہ کفر و شرک کی مذکورہ صورتوں میں داخل نہ ہوا تو اس کا جواز پہلی آیات قرآنیہ سے ثابت ہے جیسے آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں سے سجدة کرانا اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدة کرنا وغیرہ قرآنی کو اس امت کے لیے منسوخ قرار دینا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یا خود قرآن اس کا نسخ وارد ہوا ہو یا احادیث متواترہ سے نسخ ثابت ہو اور مسئلہ مذکورہ میں بظاہر ایک حدیث کی ایک اصطلاحی قسم ہے) کے سوا کوئی چیز نسخ معلوم نہیں ہوتی، تو یہ نسخ کیسے صحیح

جواب: اول تو آیات جو سجدة تعظیمی کے جواز کے متعلق نقل کی گئی سجدة تعظیمی کے نہیں بلکہ دوسرے احتمالات بھی ان میں ہیں جو اکابر مفسرین سے ان کی تفسیر میں منقول میں بضمن فائدہ نقل کئے گئے لہذا جواز سجدة کا حکم بوجہ ظنی الدلالة ہونے کے قطعی نہ رہا یا اور اس کا نسخ خبر واحد سے بھی ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں جس حدیث کی وجہ سے ہم ان نسخ قرار دیتے ہیں وہ خبر آحاد سے نہیں بلکہ حدیث مشہور ہے بلکہ حدیث متواترہ کو پہنچی ہوئی ہے

اور اس قسم کی حدیث سے آیت کریمہ کا نسخ باعتبار علم الاصول صحیح اور درست اور واقع ہے اور اس حدیث کا مشہور اور حدیث متواترہ کو پہنچنا بوضاحت ثابت ہے جس کی تفصیل حاشیہ بیان القرآن میں مذکور ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت سراقہ بن مالک اور حضرت صہیب اور حضرت عقبہ بن جثم اور حضرت صدیقہ عائشہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہم اور حضرت ام سلمہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر سے، تو ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث مشہور ہے نہ کہ خبر واحد، لہذا نسخ جائز ہے، اور بعض اکابر نے کثرت رواۃ کی بنا پر اس حدیث کو متواتر کہا ہے۔

الغرض حدیث ما ینبغی لبشر ان یسجد لبشر ولو صلح لبشر ان یسجد

لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من عظم حقہ علیہا

حدیث مشہور بلکہ متواتر، لہذا اس کے نسخ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ یہ حدیث بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین سے منقول ہے اور جو حدیث دس صحابہ کرام سے منقول ہو وہ موافق قول راجح اور مختار متواتر ہے لہذا یہ حدیث بھی علی وجہ الائم متواتر ہو گئی اور اگر کوئی متواتر بھی تسلیم نہ کرے تو مشہور ہونے سے منکر نہیں ہو سکتا اور حدیث مشہور سے نسخ آیت کریمہ جائز ہے جیسے کتب اصول میں مصرح ہے۔

علاوہ ازیں اجماع امت یہی ہے کہ سجدة تعظیمی حرام ہے اور کسی امام یا مجتہد یا فقیہ کا زمانہ سلف اور خلف میں اس بارے میں اختلاف مذکور نہیں، بلکہ اجماع نام اس کی حرمت پر ہے رہا یہ امر کہ بعض صوفیہ سے کتب توارخ میں جواز منقول ہے اول تو یہ نقل صحیح نہیں اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان کے قول کا اعتبار بمقابلہ اجماع امت کے نہیں ہو سکتا جب کہ اجماع علمائے خلف و سلف اس کے خلاف پر قرن بعد قرن رہا اور ہے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ صوفیاء پر اس باب میں طعن بھی مناسب نہیں کیونکہ وہ تحقیقات علمیہ میں مشغول نہیں رہتے تھے، وہ معذور ہیں لہذا ان کے فعل سے حجت پکڑنا درست نہیں خصوصاً جب کہ اکابر صوفیہ سے بھی حرمت سجدة تعظیمی منقول ہے۔

فائدہ:

معرض نے جو حجت قرآن کریم سے پکڑی ہے وہ مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں خسرو اللہ سجد اور فسجد الملائكة کلہم اجمعون اس کے امثال کے معنی سجدہ حقیقی نہیں بلکہ یہ کنایہ تعظیم سے ہے اور اس کی تائید میں فقہ عربی سے کلام شعراء پیش کرتے ہیں اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ معنی خرو لہ اور اسجد والادام کے یہ ہیں کہ یا آیت میں اخوہ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جہت سجدہ قرار دیا اور لادام کا معنی الی آدم کے ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ انہوں نے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا، اس طور سے کہ انہوں نے سجدہ کا رخ حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب تھا اور ان کو بمنزلہ قبلہ بنائے ہوئے تھے اور اس طرح اسجد والادام کے معنی کہ آدم کی طرف رخ کر کے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ لام کے معنی سبب کے ہیں تو معنی خرو لہ سجدہ کے یہ ہیں کہ اخوۃ یوسف نے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا حضرت یوسف کی وجہ سے کیونکہ حق تعالیٰ کی بڑی نعمت یعنی حکومت ان کے خاندان میں آگئی، بذریعہ یوسف علیہ السلام کے اور معنی اسجد والادام یہ ہیں کہ حکم ہوا حق تعالیٰ شانہ کا کہ ہم کو سجدہ کرو اس نعمت کی وجہ سے جو تم پر آدم کی سے کی گئی ہیں۔

الغرض ان اقوال کو اگر تسلیم کیا جائے تو پھر اس جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ یہ آیتیں سوخ ہیں، بلکہ اس صورت میں کسی آیت سے سجدہ تعظیم کا جواز مستفاد ہی نہیں ہوتا۔ وہو المرام۔

اصہ:

تمام رسالہ کا یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بقصد عبادت ہو یا بصورت عبادت خواہ نیت عبادت کی نہ ہو یہ دونوں صورتیں باجماع کفر و شرک میں داخل ہیں اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں علماء تو ان کو بھی کفر و شرک قرار دیتے ہیں، اور بعض اس میں احتیاط کرتے ہیں مگر اس پر سب کا ق ہے کہ حرام و ناجائز اور قریب بکفر ہے حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم .

حورہ سید حسن

صین عن الحوادث والفتن فی سبع مضین من شعبان المعظم ۱۴۵۷ھ

فہرست عنوانات بترتیب حروف تہجی

نمبر شمار رسائل رسالہ نمبر جلد نمبر صفحہ نمبر

..... ﴿آ﴾

۱۔ آداب الاخبار ۹۴ ششم ۵۰۱

۲۔ آداب المساجد ۳۸ سوم ۸۷

۳۔ آلات جدیدہ کے شرعی احکام ۱۰۰ ہفتم ۲۸۷

..... ﴿الف﴾

۱۔ اباحۃ التقطیف من ثمرات الصنعة والتألیف .. ۶۳ چہارم ۴۴۵

(حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت)

۲۔ اپریل فول اور اس کی ابتداء ۱۰۱ ہفتم ۴۹۹

۳۔ الأجر الجزل فی الغزل (چرخ کی فضیلت) ۹۵ ششم ۵۲۱

۴۔ الاحرى بالقبول فی وقف العمارة علی ارض النزول ۶۱ چہارم ۴۲۳

- ۵۔ احکام الأدلة فی احکام الأھلة (رویت ہلال) ۴۷ سوم ۴۳۹
- ۶۔ احکام حج ۵۳ چہارم ۷۹
- ۷۔ احکام دعا (احکام الرجاء فی احکام الدعاء) ۲۷ دوم ۱۹۱
- ۸۔ احکام رمضان المبارک اور مسائل زکوٰۃ ۵۰ سوم ۵۱۵
- ۹۔ احکام عید الاضحیٰ و قربانی ۹۰ ششم ۳۱۹
- ۱۰۔ احکام القمار، جوئے، سٹے، لائری اور معصی وغیرہ کے احکام ۶۶ چہارم ۵۵۳
- ۱۱۔ احکام و تاریخ قربانی ۸۹ ششم ۲۳۵
- ۱۲۔ احکام و خواص بسم اللہ ۲۶ دوم ۱۷۷
- ۱۳۔ الاعجوبة فی عربیة خطبة العروبة ۳۴ دوم ۴۹۹
- (خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں؟)
- ۱۴۔ اختلاف امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لیے راہ عمل ۹ اول ۴۲۹
- ۱۵۔ ارباب اقتدار کے فرائض ۷۹ پنجم ۴۲۹
- ۱۶۔ اسلام اور سوشلزم مغربی سامراج کے دو مخالف ۷۱ پنجم ۱۰۱
- ۱۷۔ اسلام اور نسبی امتیازات (نہایات الادب فی غایات النسب) ۵۸ چہارم ۳۱۷
- ۱۸۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت ۷۴ پنجم ۱۵۳
- ۱۹۔ اسلام میں مشورہ کی اہمیت ۹۳ ششم ۳۵۱
- ۲۰۔ اسلامی ذبیحہ ۸۷ ششم ۱۶۵
- ۲۱۔ اسلامی قانون میں غیر مسلموں کے حقوق ۲۸ دوم ۲۷۳
- ۲۲۔ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی ۶۹ پنجم ۵۵
- ۲۳۔ الاشارة الی بعض احکام الاحاد (شرقی اور اسلام) ۶ اول ۲۵۹
- ۲۴۔ اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام ۴۴ سوم ۳۲۳
- (مال حرام سے صدقہ کرنے کی مفصل تحقیق)
- ۲۵۔ اشتراکیت، قومیت اور سرمایہ داری ۷۰ پنجم ۸۳

- ۲۶۔ اشتراکیت اور سرمایہ داری سے متعلق ایک انٹرویو ۷۳ پنجم ۱۳۵
- ۲۷۔ اعلام السئول عن أعلام الرسول ۲۱ دوم ۱۳۳
- (علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق)
- ۲۸۔ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ۷۶ پنجم ۲۲۱
- ۲۹۔ الافصاح عن تصرفات الجن والارواح ۴ اول ۲۲۹
- ۳۰۔ اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں ۳۱ دوم ۴۲۳
- (رفع الملامة عن القيام عند اول الاقامة)
- ۳۱۔ امانة التشکیک فی امانة الزكاة بالتملیک ۴۳ سوم ۲۹۵
- ۳۲۔ انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت ۸۲ پنجم ۵۲۹
- ۳۳۔ انسانی اعضاء کی پیوندکاری ۹۶ ہفتم ۱۷
- (تنشيط الاذهان فی الترقيع باعضاء الانسان)
- ۳۴۔ اوزان شرعیہ (أرجح الأقاويل فی أصح الموازين والمکایل) ۴۶ سوم ۳۸۷
- ۳۵۔ ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں ۱ اول ۳۷
- ﴿ب﴾
- ۱۔ بدع الناس عن محدثات الاعراس (عرس مروج کا شرعی حکم) ۱۱ اول ۴۹۹
- ۲۔ بیمہ اور اس کے احکام ۶۳ چہارم ۴۵۳
- ﴿پ﴾
- ۱۔ یتیم پوتے کی میراث ۱۰۴ ہفتم ۵۲۵
- (القول السديد فی تحقیق میراث الحفید الملقب بارغام العنید)
- ۲۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ۴۲ سوم ۲۵۵

۳۔ پیرا ہن یوسف

۲۳ دوم ۱۵۳

۴۔ پیر و مرید کا فقہی اختلاف

۲۴ دوم ۱۵۹

..... ﴿ت﴾

۱۔ ترجمۃ المقالة المرضیة فی حکم سجدة التہیة... ۱۶ اول ۵۶۵
المسمى باعدل التعظیم فی حکم سجدة التعظیم۲۔ تحذیر الانام عن تغییر رسم الخط من مصحف الامام ۱۸ دوم ۶۷
(قرآن کریم کا رسم الخط اور اس کے احکام)

۳۔ تصویر کے شرعی احکام (التصویر فی احکام التصوير) ۹۹ ہفتم ۱۷۹

۳۔ تعديل الهاد فی تقبیل الایادی (دست بوی اور قدم بوی) ۱۵ اول ۵۲۹

۴۔ تفصیل الکلام للارباح الفاسدة والمال الحرام ۱۰۳ ہفتم ۵۱۵
(ناجائز معاملات پر ایک تصنیف کا خاکہ)۵۔ تفصیل الکلام فی مسئلة الاعانة على الحرام ۱۰۲ ہفتم ۵۰۵
(ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت)۶۔ تکفیر کے اصول اور آغا خانی فرقہ کا حکم ۲ اول ۱۲۳
(وصول الأفكار فی أصول الکفار)۷۔ تنشيط الازدهان فی الترفيع باعضاء الانسان ۹۶ ہفتم ۱۷
(انسانی اعضاء کی پیوند کاری)

۶۔ تنقيح المقال فی تصحيح الاستقبال (سمت قبلہ) ۳۰ دوم ۳۲۵

۷۔ توضیح کلام اہل اللہ فیما اہل بہ لغير اللہ ... ۸۸ ششم ۲۳۱

..... ﴿ج﴾

۱۔ جہاد ۸۳ ششم ۱۷

..... ﴿چ﴾

۱۔ چرخہ کی فضیلت (الأجر الجزل فی الغزل) ۹۵ ششم ۵۲۱

۲۔ چرم قربانی کے احکام (رفع التلاحی عن جلود الأضاحی) ۹۱ ششم ۳۳۱

..... ﴿ح﴾

۱۔ حالیہ جنگ نے ہمیں کیا سبق دیے ۸۴ ششم ۱۱۳

۲۔ حج بدل اور اس کے احکام (منہج الخیر فی الحج عن الغیر) ۵۴ چہارم ۲۰۱

۳۔ حرف ضاد کا صحیح مخرج اور اس کے احکام ۳۶ سوم ۱۹

(رفع التضاد عن أحكام الضاد)

۴۔ حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت ۶۳ چہارم ۴۴۵

(اباحة التقطيف من ثمرات الصنعة والتأليف)

۵۔ حکم الازدواج مع اختلاف دين الازدواج ۵۶ چہارم ۲۸۵

مختلف المذہب زوجین کے احکام

۶۔ حيلة اسقاط کی شرعی حیثیت (حکم الاقساط فی حيلة الاسقاط) ۱۵ اول ۵۵۵

..... ﴿خ﴾

۱۔ خط، ٹیلی فون اور ٹیلی گرام کے احکام ۴۹ سوم ۴۹۹

۲۔ خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں؟ ۳۴ دوم ۴۹۹

(الاعجوبة فی عربية خطبة العروبة)

۳۔ خطبہ حجۃ الوداع ۵۲ سوم ۶۱

۴۔ خواب کے ذریعے بشارت و ہدایت ۲۵ دوم ۱۶۹

..... ﴿د﴾

۱۔ دست بوی اور قدم بوی (تعديل الهاد فی تقبیل الایادی) ۱۴ اول ۵۲۹

۵۔ سود، انشورنس اور انعامی بانڈز کی حرمت سے متعلق ایک ۶۵ چہارم ۵۳۱
سوالنامہ کا جواب

۶۔ سوشلزم اور سرمایہ داری، دونوں افراط و تفریط کی لغتیں ہیں ۷۲ پنجم ۱۱۷

..... ﴿ش﴾

۱۔ شریعت اسلامیہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات ... ۷۷ پنجم ۳۳۵

..... ﴿ص﴾

۱۔ صیانة القرآن عن تغییر الرسم واللسان ۲۰ دوم ۱۰۱
(کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے)

..... ﴿ض﴾

۱۔ ضبط ولادت ۹۷ ہفتم ۷۵

..... ﴿ط﴾

۲۔ طریق السواد فی عقوبة الارتداد (مرتد کی سزا اسلام میں) ۸۵ ششم ۱۲۹

..... ﴿ع﴾

۱۔ عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ ۵۵ چہارم ۲۲۹

۲۔ عرس مروج کا شرعی حکم بدع الناس عن محدثات الاعراس ۱۱ اول ۴۹۹

۳۔ عشر وخراج کے احکام ۲۵ سوم ۳۳۱

(نور السراج فی احکام العشر والخراج)

۴۔ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق ۲۱ دوم ۱۳۳

(اعلام السنول عن أعلام الرسول)

۱۔ دستور قرآنی ۸۱ پنجم ۴۶۳

۲۔ دعاوی مرزا ۵ اول ۲۳۹

..... ﴿و﴾

۱۔ ڈاڑھی کے خضاب اور کترانے وغیرہ کے احکام ۹۸ ہفتم ۱۵۷

..... ﴿ر﴾

۱۔ رجم کی سزا قرآن وحدیث کی روشنی میں ۸۶ ششم ۱۴۹

۲۔ رفع التلاحی عن جلود الأضاحی (چرم قربانی کے احکام) ۹۱ ششم ۳۳۱

۳۔ رفع التضاد عن أحكام الضاد ۳۶ سوم ۱۹
حرف ضاد کا صحیح مخرج اور اس کے احکام

۴۔ رفع الملامة عن القيام عند اول الإقامة ۳۱ دوم ۴۲۳
(اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں)

۵۔ رفیق سفر مع آداب سفر و احکام السفر ۳۷ سوم ۴۵

۶۔ رویت ہلال (أحكام الأدلة فی أحكام الأهلة) .. ۴۷ سوم ۴۳۹

۷۔ رویت ہلال کے شرعی احکام ۴۸ سوم ۴۸۷

..... ﴿ز﴾

۱۔ زمیندارہ بل پر شرعی تنقید ۶۸ پنجم ۳۱

..... ﴿س﴾

۱۔ سایہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مامول القبول فی ظل الرسول) ۲۲ دوم ۱۴۵

۲۔ سکوت کی صورت میں حق مہر وغیرہ محض عرف کی بنیاد پر ۵۹ چہارم ۳۹۳
ساقط ہونے کی تحقیق

۳۔ سمت قبلہ (تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال) ۳۰ دوم ۳۲۵

۴۔ سنت و بدعت مع مضمون مزارات اولیاء اللہ کی شرعی حیثیت ۱۰ اول ۴۵۱

.....﴿ف﴾.....

- ۱۔ فتوی متعلقہ جماعت اسلامی ۷ اول ۳۸۷
- ۲۔ فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام .. ۷۵ پنجم ۲۰۳
(کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟)

.....﴿ق﴾.....

- ۱۔ قانون اسلامی بابت پٹہ دوائی ۶۷ پنجم ۱۵
- ۲۔ قرآن کریم کا رسم الخط ۱۹ دوم ۶۷
(تحذیر الأنام عن تغییر رسم الخط من مصحف الامام)
- ۳۔ قرآن کریم میں موجود لفظ ضان کی تحقیق ۹۲ ششم ۳۴۱
(تحفة الاخوان فی تحقیق معنی الضان)
- ۴۔ قرآن میں نظام زکوٰۃ مع احکام زکوٰۃ ۴۱ سوم ۱۶۳
- ۵۔ قسطوں پر کسی چیز کے خریدنے کا حکم ۶۲ چہارم ۴۳۷
- ۶۔ القطوف الدانیۃ فی الجماعۃ الثانیۃ ۳۳ دوم ۴۵۱
- ۷۔ قنوت نازلہ ۳۲ دوم ۴۴۳
- ۸۔ القول الجریب فی اجابۃ الاذان بین یدی الخطیب .. ۳۵ دوم ۵۲۹
- ۹۔ القول السدید فی تحقیق میراث الحفید الملقب بارغام العنید ۱۰۴ ہفتم ۵۲۵
(یتیم پوتے کی میراث)

.....﴿ک﴾.....

- ۱۔ کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے ۲۰ دوم ۱۰۱
(صيانة القرآن عن تغییر الرسم واللسان)
- ۲۔ کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ ۷۵ پنجم ۲۰۳
(فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام)

.....﴿م﴾.....

- ۱۔ مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم ۴۰ سوم ۱۵۵
(نبیل المرام فی حکم المسجد المبنی بالمال الحرام)
- ۲۔ مامول القبول فی ظل الرسول (سایہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ۲۲ دوم ۱۴۵
- ۳۔ مرتد کی سزا اسلام میں (طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد) ۸۵ ششم ۱۲۹
- ۴۔ مختلف المذہب زوجین کے احکام ۵۶ چہارم ۲۸۵
(حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج)
- ۵۔ مروجہ صلاۃ کمیٹی اور س کی شرعی حیثیت ۱۳ اول ۵۱۹
- ۶۔ مروجہ صلاۃ و سلام کی شرعی حیثیت ۱۲ اول ۵۰۹
- ۷۔ مساجد کی نئی شکلیں ۳۹ سوم ۱۴۵
- ۸۔ مسلمانوں کے قائدین اور جائز امور میں ان کی اطاعت ۸۰ پنجم ۴۳۹
- ۹۔ مسئلہ تقلید شخصی ۱۷ دوم ۱۵
- ۱۰۔ مسیح موعود کی پہچان قرآن و حدیث کی روشنی میں ۳ اول ۱۹۳
- ۱۱۔ مشرقی اور اسلام (الارشاد الی بعض احکام الاحاد) .. ۶ اول ۲۵۹
- ۱۲۔ ملکی سیاست اور علماء ۱۸ دوم ۵۹
- ۱۳۔ ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی شرعی حدود ۷۸ پنجم ۳۶۳

(وقایۃ المسلمین عن ولایۃ المشرکین)

- ۱۴۔ منہج الخیر فی الحج عن الغیر (حج بدل اور اس کے احکام) ۵۴ چہارم ۲۰۱
- ۱۵۔ مواقیت احرام اور ان کے مسائل ۵۱ چہارم ۱۹
(الیواقیت فی احکام المواقیت)

.....﴿ن﴾.....

- ۱۔ نابالغہ کے نکاح میں سوء اختیار ۵۷ چہارم ۳۰۷

- ۲۔ ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت ۱۰۲ ہفتم ۵۰۵
(تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام)
- ۳۔ ناجائز معاملات پر ایک تصنیف کا خاکہ ۱۰۳ ہفتم ۵۱۵
(تفصیل الأحکام للأرباح الفاسدة والمال الحرام)
- ۴۔ نور السراج فی أحكام العشر والخراج ۴۵ سوم ۳۳۱
(عشر وخراج کے احکام)
- ۵۔ نہایات الارب فی غایات النسب (اسلام اور سببی امتیازات) ۵۸ چہارم ۳۱۷
- ۶۔ نیل المارب فی المسح علی الجوارب ۲۹ دوم ۲۹۵
- ۷۔ نیل المرام فی حکم المسجد المبنی بالمال الحرام .. ۴۰ سوم ۱۵۵
(مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم)



- ۱۔ وحدت امت ۸ اول ۳۹۳
- ۲۔ وصول الأفكار فی أصول الکفار ۲ اول ۱۲۳
(تکفیر کے اصول اور آغا خانی فرقہ کا حکم)
- ۳۔ وصیت نامہ مع مضمون کچھ تلافی مافات ۱۰۵ ہفتم ۵۴۵
- ۴۔ وقایۃ المسلمین عن ولایۃ المشرکین ۷۸ پنجم ۳۶۳
(ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی شرعی حدود)
- ۵۔ وقف علی الاولاد اور امداد میں حکومت کے عمل دخل کا حکم .. ۶۰ چہارم ۴۱۱



- ۱۔ الیواقیت فی أحكام المواقیت ۵۱ چہارم ۱۹
مواقیت احرام اور ان کے مسائل